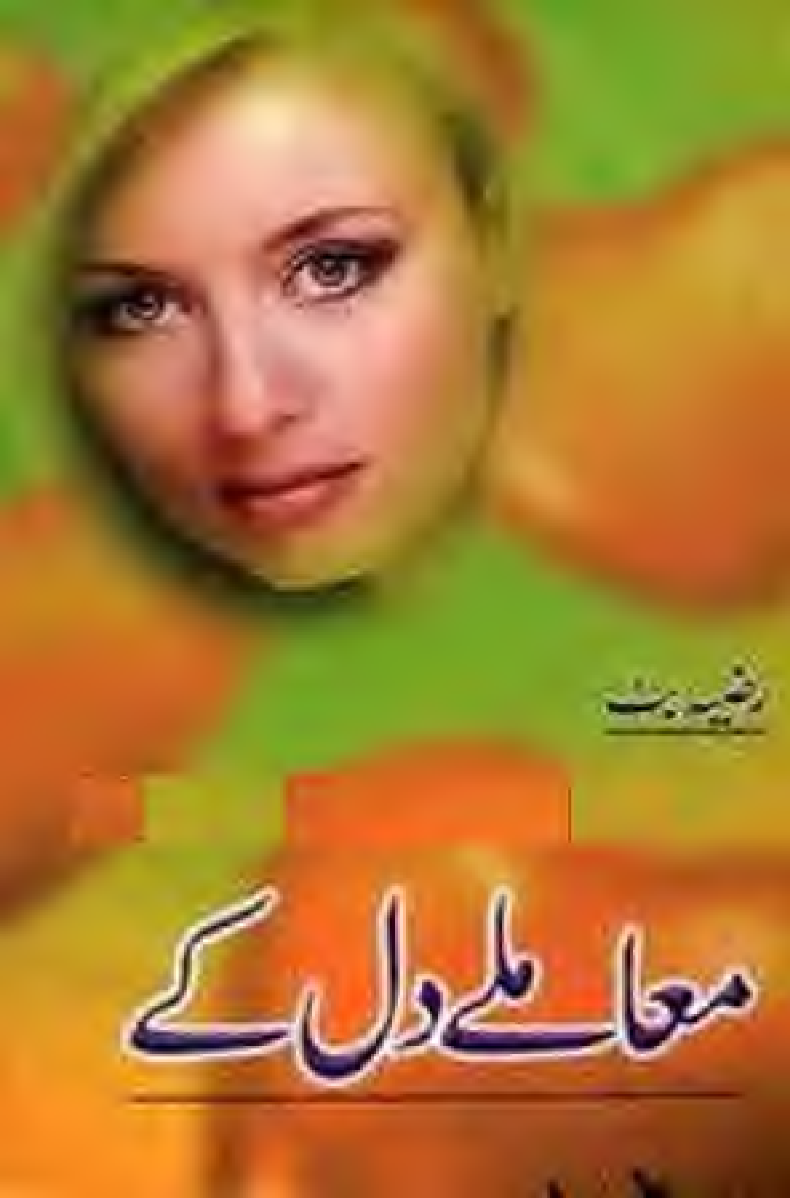

رضیہ بٹ
معاملے دل کے

معاملے دل کے

رضیہ بٹ

مہینے کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ بنک میں کافی رش تھا۔ لوگ آرہے تھے۔ جارہے تھے۔ بنک کا عملہ پوری مستعدی سے کام میں مصروف تھا۔ بنک منیجر اپنے شیشوں والے کیبن میں میز کے ایک طرف گھومنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میز پر ایک طرف کچھ فائلیں تھیں۔ دوسری طرف دو تین فون رکھے تھے۔ سامنے صوفے پر کاروباری حضرات بیٹھے اس سے بات چیت کررہے تھے۔ وہ ایک عورتیں بھی اپنے اکاؤنٹس ہی کے سلسلے میں ائی ہوئی تھیں جو داہنے ہاتھ رکھے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ چپڑاسی چائے دے گیا تھا۔ عورتوں نے تو معذرت کرلی تھی مرد حضرات چائے پی رہے تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی ہورہی تھیں۔

عملہ چاک وچوبند تھا۔ ہر کام اپنی روٹین کے مطابق ہورہا تھا۔ چونکہ منیجر صاحب بھی کیبن میں موجود تھے۔ اور کام کرنے اور کام لینے والے آدمی تھے۔ اس لئے اسٹاف پوری طرح چوکس تھا بنک کے اندر کافی لوگ تھے۔ لیکن کسی قسم کی افراتفری نہ تھی۔ کہیں چیک جمع ہورہے تھے۔ کہیں کیش۔ کچھ لوگ کمپیوٹر پر اپنا اکاؤنٹ نمبر دے کر بیلنس چیک کررہے تھے۔ کچھ حضرات بنک ڈرافٹ بنوا رہے تھے۔ غرضیکہ پوری گہما گہمی تھی۔

بنک میں عورتیں بھی کام کرتی تھیں۔ تین چار بنک آفیسر خواتین ساتھ ساتھ نشستوں پر بیٹھی کام میں مصروف تھیں۔ اکثر ان کے پاس عورتیں ہی اپنے کاموں کے لئے آتی تھیں۔ لیکن مردوں پر بھی پابندی نہ تھی۔ لاکر کھلوانے کے لئے مرد عورتیں بنک آفیسر عفت کے پاس ہی آتے تھے۔ عفت کے ساتھ نوجوان سی لڑکی رمنہ بیٹھی تھی۔ عفت اس نئی بھرتی ہوئی لڑکی کی کافی مدد کرتی تھی۔ جو کام اسے صحیح طور پر نہ آتا وہ خود کردیتی۔

عفت کی ساتھ کنارے والی نشست پر پینتیس چھتیس سالہ خوبصورت لیکن انتہائی باوقار خاتون چادر نما دوپٹے میں عصمہ رشید بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانیوں کی کچھ ایسی گہری چھاپ تھی کہ بنظر غور اسے دیکھنے والا صاف طور پر محسوس کر لیتا۔ اس وقت وہ میز کی دوسری طرف بیٹھی ادھیڑ عمر عورت کا فارم بھر رہی تھی۔ اس کا چیک دوسرے شہر کا تھا۔ عصمہ نے اس سے نام پتہ اور اکاؤنٹ نمبر پوچھ کر فارم بھر دیا اور دو جگہ کراس کا نشان لگا کر بولی ''یہاں دستخط کر دیجئے۔ اور چیک کی پشت پر دو روپے کی رسیدی ٹکٹ لگا کر ان پر بھی دستخط کر دیجئے۔'' اس نے چیک اور فارم عورت کی طرف بڑھا دیا۔ جسے شکریہ کہتے ہوئے عورت نے لے لیا۔ اور مطلوبہ جگہوں پر دستخط کرنے لگی۔ عصمہ اس سے ابھی فارغ ہوئی ہی تھی کہ ایک نوجوان عورت نے اسے مخاطب کرتے ہوئے سلام کیا۔ اور اپنا فارم اس کی آگے رکھ دیا۔ عصمہ اس سے ضروری باتیں پوچھ کر فارم بھرنے لگی۔

فارم بھر کر اس نے دستخطوں کے لئے عورت کی طرف بڑھایا اور مطلوبہ جگہ پر دستخط کرنے کا کہہ کر سامنے رکھے فارم اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ دیئے۔

عورت نے دستخط کر کے پوچھا ''اب کیا کروں''

''یہ فارم اس کاؤنٹر پر لے جائیے۔ پیسے جمع کرا دیجئے۔'' اس نے سارا طریق کار اسے سمجھایا۔ جس صاحب نے ڈرافٹ بنا کر دینا تھا۔ ان کی طرف بھی اشارہ کر کے اسے بتایا۔ عورت شکریہ کہہ کر چلی گئی تو وہ اپنے سامنے رکھا دوسرا فارم دیکھنے لگی۔ یہ فارم اسے ایک عورت بھرانے کے لئے دے کر دوسرے کاؤنٹر پر کسی کام سے گئی تھی۔ شاید کوئی چیک کیش کروانا تھا۔ وہ کام میں منہمک تھی۔ فارم بھر چکی تو اس نے سر اٹھایا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خاتون آ چکی ہے۔

لیکن

وہاں وہ خاتون نہ تھی۔

ایک چالیس بیالیس سالہ ہینڈسم آدمی کھڑا حیرت و استعجاب اور کسی قدر شوق بے لگام سے اسے تکے جا رہا تھا۔

عصمہ کی نگاہ اس پر پڑی۔ ایک لمحے کو تو اسے اپنی بصارت پر یقین نہ آیا۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر آنکھوں میں حیرانگی کی کیفیت لہرائی۔ اس آدمی کی خوبصورت بھوری آنکھوں میں پہچان کی مسکراہٹ پھیلی۔ عصمہ جیسے اس مسکراہٹ کا خیر مقدم کرنے کو تیار نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں گھمبیر اداسی کے سائے لہرائے۔ لیکن وہ جلد ہی نارمل ہوتے ہوئے بولی ''آپ''

''ہاں عصمی''۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

وہ جھٹ سے بولی ''عصمہ رشید''

''ہوں'' وہ اداس ہو گیا۔ آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔ آہستگی سے بولا ''پورے سولہ سال بعد آج اتفاق ہی سے تمہیں دیکھ لیا ہے۔''

عصمہ نے کچھ گھبراہٹ سی محسوس کی۔ عفت کی طرف دیکھا وہ رمنہ کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ اسے تسلی ہوئی۔

''بنک میں کام کرتی ہو'' اس نے پوچھا

''جی ہاں'' وہ کاغذ سمیٹتے ہوئے بولی۔

''کیوں؟'' اس نے کہا۔

''آپ کسی کام سے آئے ہیں'' وہ بات پلٹتے ہوئے بولی۔ ''آپ تو شاید ملک سے باہر تھے''

''ہاں''

''کب آئے''

''چند دن ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ''

''اگر آپ کا کوئی کام ہے تو کہیے'' عصمہ نے پھر بات کاٹی۔ میں جلدی میں ہوں۔

آج میں نے ایک گھنٹے کی چھٹی لی ہوئی ہے'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ ''بچے میرے انتظار میں ہوں گے انہیں بازار لے کر جانا ہے۔ آپ چاہیں تو ان سے اپنا کام کہہ دیجئے۔'' دوسرے کاؤنٹر پر بیٹھے شہباز خان کی طرف اشارہ کیا۔

اور

خود سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی

''جا رہی ہو'' عفت نے گردن موڑ کر دیکھا۔

''ہاں نہیں بتایا تھا نا۔ بچوں نے شاپنگ کے لئے جانا ہے۔ روز وقت نہیں ملتا۔ آج میں نے ایک گھنٹے کی چھٹی لی تھی۔''

''واپس آؤ گی''

''نہیں گھنٹہ سوا گھنٹہ تو ہے چھٹی میں باقی''

وہ کھڑا تھا۔ اسے سر اٹھا کر وقفوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے صاف لگ رہا تھا کہ عصمہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی۔ کرنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ وہ اب عصمی نہیں عصمہ رشید تھی۔ پینتیس چھتیس سالہ باوقار سی عورت۔ جو عصمی کا خاکہ تو تھی لیکن عصمی والی شوخی چلبلاہٹ اور لاابالی پن کچھ بھی تو نہ تھا اس میں۔ سولہ سالوں نے لگتا تھا اس سے سب کچھ چھین لیا ہے اور اسے عصمہ رشید بنانے والے نے کچھ بھی نہیں دیا۔ ہاں اک گھمبیر چپ کی چھاپ اس کے چہرے پر لگا دی ہے...... یہ گھمبیر چپ بولتی بھی ہے۔ لیکن اداسی میں ڈوبتی ہوئی۔

عصمہ کے سیٹ چھوڑنے سے پہلے وہ دوسرے کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

لیکن۔

جب وہ اپنا کام سمیت کر بیگ کندھے پر لٹکائے بنک سے باہر نکلی تو وہ بھی آہستگی سے اس کے پیچھے باہر آ گیا۔

عصمہ سڑک کے کنارے آ کھڑی ہوئی تھی۔ بنک کے سامنے بے شمار گاڑیاں تھیں۔ لیکن اس کے پاس گاڑی نہیں تھی۔ وہ شاید رکشے کے انتظار میں

کھڑی تھی۔

وہ ادھر ہی آ گیا اسی حیرانی ہو رہی تھی۔ عصمی خود ہی نہیں بدلی تھی۔ اس کی حالات بھی بدلے ہوئے لگ رہے تھے اس کی شادی خاصے پیسے والے گھرانے میں ہوئی تھی جہاں تک اسے یاد تھا اس کی شوہر کے پاس گاڑی بھی تھی۔ وہ ایک بڑا افسر تھا۔ اس کی بیوی کو بنک کی ملازمت کرنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ سولہ سالوں میں تو اس کی مالی حالت اور بھی اچھی ہو جانا چاہیے تھی۔

صاحب جائیداد اور بڑے افسر کی بیوی اور بنک کی ملازمت؟

معاملہ کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

شاید

یہی سمجھنے کے لئے وہ کچھ آگے بڑھا

لیکن

وہ کچھ پوچھ نہ سکا۔ سڑک پر گزرنے والے رکشے کو عصمی نے ہاتھ دے دیا تھا اور اس کے پوری طرح رکنے سے پہلے ہی جلدی سے اس میں بیٹھ گئی تھی۔

''چلو'' اس نے رکشے والے سے کہا۔

رکشے والے نے گردن موڑ کر پوچھا ''کہاں جانا ہے''

عصمہ نے کیا بتایا۔ وہ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس لئے سن نہ پایا۔ رکشہ چل دیا وہ چند لمحے وہیں کھڑا جاتے رکشے کو دیکھتا رہا۔

پھر پلٹا اور گاڑی کی طرف آ گیا۔ جس کام سے بنک آیا تھا۔ وہ کئے بغیر ہی واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

عصمہ کے متعلق سوالات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ ہلچل مچی تھی اضطراب اور بے چینی اس کے اندر طوفان اٹھا رہی تھی۔ عصمہ کے متعلق کچھ جاننے کا اسے ہرگز کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ جاننا چاہتا تھا۔ اس کی اندر یہ کو اہش اٹھ رہی تھی۔

عصمہ کیوں نوکری کر رہی تھی؟

اس کی حالات اتنی بدلی ہوئی کیوں تھی؟

اس کے چہرے پر گھمبیر چپ کی چھاپ کیوں تھی؟

وہ اس شہر میں کیسے آ گئی تھی۔ کیا رشید یہاں پوسٹ ہوا تھا؟

لیکن۔

وہ گاڑی کی بجائے رکشے میں کیوں گئی تھی۔ اسے گاڑی کیوں لینے نہیں آئی تھی؟

وہ سوچ رہا تھا۔

اور

اس کا دل کہہ رہا تھا۔ کہ عصمہ کے حالات اچھے نہیں ہیں۔

تو کیا

کیا عصمہ کی زندگی خوشحالی سے دور ہے۔ وہ اپنے گھر میں خوشگوار ازدواجی زندگی سے فیض یاب نہیں۔ اس کے شوہر کے تعلقات اس سے اچھے نہیں۔ یا عصمہ ہی اب تک پرانی یادوں کو سینے مین دھونی کی طرح رمائے بیٹھی ہے؟

کیا واقعی؟

واقعی؟

اس کی اندر نہ جانے کیوں ایک مسرت بھری تسکین بھری لہر سی ابھری۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خوش فہمی میں مبتلا کرنے والی لہر کو کچل دیا۔ سولہ سال گزر چکے تھے۔ ان سولہ سالوں میں زمانے کی اڑتی دھول نے سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یادوں کے خدوخال مٹ گئے تھے۔

لیکن۔

اس نے اپنی باتوں کی آپ ہی نفی کر دی۔ کبھی یادیں بھی ملتی ہیں۔ یادیں تو پتھر پر لکیروں کی مانند ہوتی ہیں۔ جنہیں نہ تو کوئی کھرچ سکتا ہے نہ ہی مٹا سکتا ہے۔ یہ رہتی ہیں۔

اور

ہمیشہ کے لئے رہتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضے انسان کو ان سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کے ہونے سے انکار تو نہیں ہو سکتا۔ جب بھی ان کی طرف پلٹو یہ تازہ ہو جاتی ہیں۔

عنصر میاں مت پلٹو ان پتھروں پر کندہ یادوں کی طرف۔ کچھ حاصل نہیں ہوتا" وہ سٹیرنگ پر سر رکھتے ہوئے خود کلامی کی انداز میں بھولا۔ لیکن اس کے اندر عجیب سی گھبراہٹ پھیل رہی تھی وہ عصمہ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوا تھا۔ سنجیدہ سی رنجیدگی نے اس کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ وہ خوش باش ہوتی۔ کسی اونچے درجے کی پارٹی میں قیمتی ملبوسات اور نفیس زیورات سے آراستہ دکھائی دیتی تو شاید اسی اتنا رنج نہ ہوتا۔ یادوں کی تلخی اتنا بے قرار نہ کرتی وہ اس کے حالات سے آگہی کے لئے اتنا بے تاب نہ ہوتا۔

لیکن عام سے سادہ کپڑوں میں ملبوس میک اپ سے عاری چہرہ اور گھمبیر چپ کی چھاپ اسے بے چین کر رہی تھی۔

اس کا جی بے اختیار انہ چاہ رہا تھا کہ وہ بنک کے اندر جائے اور اس کی کولیگ خواتین سے اس کے متعلق پوچھے۔ استفسار کرے۔ وہ اسے بتائیں کہ اتنے بڑے افسر کی بیوی جو سولہ سالوں میں ترقی کے مزید مدارج طے کر چکا ہوگا۔ بنک میں نوکری کیوں کر رہی ہے۔ اتنی سادگی کیوں اپنالی ہے۔ مزاج کیوں بدل لیا ہے۔ بولتی ہوئی گھمبیر چپ کا مفہوم وہ کیوں سمجھ نہیں پا رہا ہے۔

لیکن

اس نے اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔ کسی خاتون کے متعلق خواہ مخواہ استفسار کرنا ٹھیک بات نہ تھی۔

یہ

دوسری بات تھی۔

کہ وہ خاتون

ان سولہ ظالم برسوں سے پہلے اس کے لئے کیا تھی؟

اس کی روح تھی جان تھی دل تھی۔

بے شک سولہ سال گزر چکے تھے۔ حالات بدل گئے تھے۔ وقت نے دوسری سمت کروٹ لے لی تھی۔ دونوں کی راہیں مخالف سمتوں کو مڑ گئی تھیں۔ اپنے آپ کو یہ دھوکہ دینے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔ کہ دونوں میں اب کوئی ناطہ کوئی رابطہ نہیں رہا۔

لیکن

کبھی

روح کے ناطے بھی ٹوٹے ہیں؟

کبھی جیتے جی جان کا رابطہ بھی ختم ہوا ہے؟

کبھی دل نے بھی دھڑکنا چھوڑا ہے زندگی میں؟

سولہ سال کا طویل راستہ سمٹ کر ایک نقطہ بن گیا تھا۔ اور عنصر یہ نقطہ پھلانگ کر دوسرے پار پہنچ گیا تھا۔

اس کی سوچیں بکھرتی سمٹتی رہیں۔ وہ گاڑی کے سٹیئرنگ پر سر رکھے کتنی ہی دیر حسین ماضی کے مرغزاروں میں کھویا رہا۔ پھر تلخیوں کے لہو رنگ احساس میں ڈوبا رہا۔

پتہ نہیں کتنی دیر گزر گئی۔

پھر

اس نے سر اٹھایا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ ابھی تک بنک کے اندر آ جا رہے تھے۔ سڑک پر گاڑیاں رکشے ٹیکسیاں رواں دواں تھیں۔

ایک گہری ٹھنڈی سانس لے کر اس نے گاڑی آن کی۔ اس کی بھوری خوبصورت آنکھیں کرب کی اذیت سے دوچار تھیں۔ چہرے پر تفکر و پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

وہ کیوں بے چین و بے قرار ہو گیا تھا؟ زخم کیوں جاگ اٹھے تھے؟

جب کہ اس کے اور عصمی کے درمیان دوریاں سولہ سالوں پر محیط تھیں۔ اور اک سولہ سالہ بیاہتا عورت سی توقعات باندھنا بھی معیوب اور غیر اخلاقی تھا۔

اس نے گاڑی وہاں سے نکالی اور سڑک پر لے آیا۔ اس کا رخ گھر کی طرف تھا۔ زکیہ آپا کے گھر کی طرف جہاں وہ اپنی دو بچیوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

اسے امریکہ سے آئے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ ہوا تھا۔ پندرہ سولہ سال پہلے وہ دیارِ غیر میں جا بسا تھا۔ مضطرب و آوارہ روح کو لئے وہ جگہ جگہ بھٹکتا پھرا تھا۔ کچھ عرصہ جرمنی گزارا پھر ہالینڈ چلا گیا۔ وہاں سے انگلینڈ آیا۔ اور بالآخر امریکہ جا پہنچا۔ اسے پیسے کی ضرورت تھی۔ اور اس نے جگہ جگہ نوکریاں کر کے فالتو وقت لگا کر پیسہ کمایا جمع کیا اور ضرورتوں سے نپٹنے کے لئے گھر بھیجا۔ اس کے والدین فوت ہو چکے تھے اور

وہ پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا ماں باپ صرف ذکیہ آپا کی شادی کا فریضہ ادا کر سکے تھے۔ تب وہ ایم اے فائنل میں تھا۔ چار بہنیں تب بھی کنواری تھیں۔ مدیحہ بی اے کے آخری سال میں تھی۔ صبیحہ تھرڈ ائیر میں ربیعہ فرسٹ ائیر اور ملیحہ نائنتھ میں تھی۔ ماں باپ نے وراثت میں ایک گھر اور تھوڑا سا پیسہ چھوڑا تھا۔ غنیمت تھا کہ سر چھپانے کی جگہ تھی۔ روزمرہ کا خرچ بھی کسی نہ کسی طور چل ہی رہا تھا۔ امتحان کے بعد عنصر کو چھوٹی موٹی نوکری مل ہی گئی تھی۔

لیکن

چار بہنوں کو بیاہنے کی ذمہ داری اور خرچہ اس نوکری میں اس کے بس میں نہ تھا۔ حالات اس طرح الجھے تھے کہ اپنا ناطہ عصمی سے جوڑنے کا سوال ہی نہ رہا تھا۔

عصمی سے وہ اپنے ایک دوست کی شادی میں ملا تھا۔ وہ لڑکی والوں کی

طرف سے شادی میں شریک ہوئی تھی۔ شوخ و شنگ چلبلی سی بات بے بات قہقہے اڑانے والی اٹھارہ انیس سالہ عصمی سے وہ بے حد مرعوب و متاثر ہوا تھا۔ دونوں میں جانے کیسے اپوں آپ ہی بات چیت ہوئی تھی۔ عصمی بھی اس گرانڈیل بھوری خوبصورت آنکھوں والے نوجوان کے لئے کشش محسوس کئے بغیر نہ رہی تھی۔

پھر شائستہ کے توسط سے جس کی جان پہچان عصمی سے بھی تھی اور مدیحہ کے بھائی عنصر سے بھی۔ دونوں مین رابطہ بڑھا۔ دونوں قریب آگئے۔ فون پر باتیں اور کبھی کبھی ریستورانوں اور ہوٹلوں میں ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ان دنوں عصمی بی اے فائنل میں تھی۔ اچھے شائستہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا۔ تین بہنوں میں وہ بڑی تھی۔ دو بھائی اس سی بڑے تھے۔ جو شادی شدہ تھے۔ والد باحیثیت تھے اور والدہ خوش اخلاق اور تعمیری سوچ رکھنے والی باشعور خاتون تھی۔

جوش جوانی میں ہر جذبہ مستحکم اور نا قابل تسخیر لگتا ہے۔ انسان حالات اور گردوپیش سے بے خبر ہوکر صرف انہیں خطوط پر سوچتا ہے جو اس کی حق میں جاتے ہیں۔ اسے اپنے جذبوں کی پختگی اور پائیداری پر اتنا اعتماد و یقین ہوتا ہے کہ وہ ناکامی کا کبھی سوچتا بھی نہیں۔

یہی حال عنصر اور عصمی کا بھی تھا۔ محبت بغیر کسی رکاوٹ کے پروان چڑھی تھی۔ عنصر کے ہاں تو کوئی روک ٹوک والا تھا ہی نہیں۔ عصمی کے گھر والے بھی کو محبتوں کی گہرائیوں اور گیرائیوں سے آگاہ نہیں تھے۔ پھر بھی روشن خیالی نے کسی ابہام کو جنم نہ دیا تھا۔

لیکن

ناکامی ان کی قسمت میں لکھی تھی۔

عصمی جوان تھی۔ بی اے کا امتحان دینے سے پہلے ہی رشتے آنا شروع ہوگئے تھے۔ اچھے خاندانوں کے شریف اور تعلیم یافتہ لڑکے جو اچھی نوکریوں پر

فائز تھے۔ عصمی کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔

والدین نے اپنی صوابدید کے مطابق رشید کو پسند کیا۔ جو گزیٹیڈ آفیسر تھا۔ صاحب جائیداد تھا۔ خوش شکل اور خوش مزاج تھا۔

عصمی نے عنصر کے متعلق کچھ بتائے بنا احتجاج کیا۔

''میں ایم اے کروں گی''

''مجھے ابھی شادی نہیں کرنی''

''میں نے بہت پڑھنا ہے''

''میں نوکری کروں گی''

اس نے بہت کچھ کہا۔ لیکن والدین کے فیصلے کے سامنے اس کی ایک نہ چلی دوسری دونوں بیٹیاں بھی جوان تھیں۔ عصمی کے لئے سالوں انتظار کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری بیٹیوں کے گھر بھی تو بسانا تھا۔

ادھر

عنصر اپنے آپ کو اس قابل ہی نہ پاتا تھا۔ کہ وہ عصمی کے لئے ان حالات میں دست سوال دراز کرے۔ اس کے مالی حالات ایسے اچھے کہاں تھے۔ کہ وہ اپنی تمنا پوری کرتا۔ خوابوں کو حقیقت کے روپ میں ڈھالتا۔ عصمی کو خوشگوار تو کیا وہ عام سی ازدواجی زندگی کی خوشیاں دینے کا اہل نہیں تھا۔ بہنوں کے بوجھ اور مالی نامساعد حالات کے تلے وہ بری طرح دبا ہوا تھا۔

اسے اپنی محبت کی قربانی دینا ہی تھی۔

وہ ہمیشہ کے لئے جدا ہونے سے پہلے آخری بار ملے۔ ناکامی کا ماتم دل کھول کر کیا۔ لیکن ایک دوسرے کو کوئی دوش نہ دیا۔

عصمی شادی کر کے رشید کے آنگن میں جا اتری۔

اور

عنصر زخم دل چھپائے بہنوں کی خاطر مستقبل بہتر بنانے کی دوڑ میں لگ گیا۔

یوں

وہ ملک سے باہر چلا گیا۔ پیسہ کمایا اور کئی سالوں کی تگ و دو کے بعد چاروں بہنوں کے فرائض سے سبکدوش ہو گیا۔ ذکیہ آپا نے ماں کا رول ادا کیا۔ بہنوں کے رشتے ڈھونڈے اور انہیں بیاہ دیا۔

ان کئی گزرے سالوں میں عنصر کے قدم جم گئے تھے۔ اب وہ کافی مالدار تھا۔ سولہ سالوں میں صرف ایک دفعہ وہ پاکستان آیا۔ اس کے بعد اس نے ادھر کا رخ نہ کیا تھا۔ ماضی کی سوچوں میں ڈوبا وہ گاڑی چلاتا گھر آیا۔ وہ مارکیٹ بھی نہیں گیا جہاں سے اس نے اپنی ننھی منھی بچیوں کی فرمائش کی چیزیں لانا تھیں۔

پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سن کر چار سالہ لارہ اور ساڑھے پانچ سالہ حرا دروازہ کھول کر بھاگی آئیں۔ دونوں بچیاں بے حد پیاری تھیں۔ لارہ اپنی انگریز ماں پر گئی تھیں۔ جب کہ حرا کی رنگت صندلی تھی اور آنکھیں بلوری نہ تھیں۔ سیاہ تھیں، دونوں نے پھولے پھولے فراک پہن رکھے تھے۔ بالوں میں ہیئر بینڈ تھے۔ بوٹ جرابیں پہنی ہوئی تھیں۔

''پپا پپا'' دنوں عنصر کے گاڑی سے نکلنے سے پہلے ہی اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگیں۔

''بھئی مجھے باہر تو آنے دو''۔ عنصر نے انگریزی میں دونوں سے کہا۔ وہ بہت اداس تھا۔ تاہم بچیوں کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ دروازے میں ذکیہ آپا بھی آن کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ بھی باپ بیٹیوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

عنصر باہر نکلا دونوں کو جھک کر پیار کیا پھر ان کے ہاتھ تھامے ذکیہ آپا کو سلام کیا۔

''کیا بات ہے جلدی آ گئے''۔ ذکیہ نے کہا۔

''ہاں آپا'' اس نے صرف اسی قدر کہا۔ اور بچیوں کو لے کر اندر آ گیا۔

لاؤنج میں بیٹھنے کی بجائے وہ گیسٹ روم میں چلا گیا۔ جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ

اپنے آپ کو اس وقت بہت نڈھال محسوس کر رہا تھا۔ لگتا تھا مٹی کا بت ہے۔ جو کہیں ٹھکانے نہ لگا تو ڈھیر بن جائے گا۔ اسی لئے وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں نیم دراز ہو گیا۔

''پپا۔ ہماری چیزیں'' امارہ نے اس کی گود میں چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اور میری؟'' حرا بھی باپ کے قریب آ گئی۔

''ہم دونوں کی'' امارہ نے اپنے سینے پر انگلی رکھی اور پھر بہن کی طرف اشارہ کیا۔ ''پھر لا دیں گے'' وہ ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''کیوں ابھی کیوں نہیں لائے پپا'' امارہ تیزی سے بولی۔ ''ہم انتظار کر رہے تھے''۔

''لا دیں گے لا دیں گے بیٹا'' وہ بے دھیانی سے بولا۔

بیٹا۔ بیٹا۔'' امارہ گول گول منہ بنا کر اردو میں بولی۔ دونوں بہنیں انگریزی میں بات چیت کرتی تھیں۔ لیکن باپ کے ساتھ تھوڑی بہت ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بول لیا کرتی تھیں۔

عنصر مسکرایا پھر بچوں سے انگریزی میں کہا ''تم لوگ ابھی آنٹی کے پاس جاؤ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں تھوڑا ریسٹ لینا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر انتظار کرو۔ میں تمہیں تمہاری فرمائش کی چیزیں لا دوں گا۔ اب جاؤ۔ گڈ گرلز''۔

دونوں نے باپ کا کہا مانا۔ امارہ نے پپا کو کس کیا۔ حرا نے بھی اس کے بالوں کو چوما۔

دونوں باہر نکل گئیں۔

اب عنصر تھا۔ اور وحشت تنہائی

جہاں وہ آج کی عصمہ رشید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کچھ سمجھ نہ پا رہا تھا۔ خیالوں میں دھول ہی دھول اڑ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں رہا تھا لیکن سوچے جا رہا تھا۔

☆☆☆

عصمی نے اسکول سے بچوں کو لیا۔ بچوں کو شاپنگ کرانے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اگر اسے اپنے چودہ پندرہ سالہ بیٹے اسد کے ضدی اکھڑ اور اذیت پسند ہونے کا احساس نہ ہوتا تو وہ شاپنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتی۔ اس کی طبیعت اکھڑی اکھڑی تھی۔ سر چکرا رہا تھا عنصر نے اس کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی۔ اس ہلچل کو وہ نہ تو ظاہر کر سکتی تھی۔ نہ ہی بچوں کو احساس دلانا چاہتی تھی۔

اسی لئے تھکی تھکی مضمحل مضمحل بچوں کو لے کر مارکیٹ چلی گئی۔ اس کی بارہ سالہ بیٹی مومنہ ماں کے تکان زدہ لہجے اور اجڑے ویران چہرے سے اس کی ذہنی کیفیت محسوس کرتی ماں کا ہاتھ پیار سے پکڑ کر بولی ''امی آپ ٹھیک تو ہیں نا''۔

عصمہ نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا اور بولی ''نہیں بیٹا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ سر بھاری ہو رہا ہے''۔

''تو پھر کیوں آ گئیں مارکیٹ گھر جا کر ریسٹ کرتیں''

عصمہ نے ایک ٹھنڈی گہری سانس لی اور اسد کی طرف دیکھا جو دکانوں کے شوکیسوں میں سجی چیزوں کو دیکھ رہا تھا مومنہ کی ہمدردی سے دل بھر سا آیا اور بولی ''نہ آتی تو پتہ ہے نا اسد طوفان مچا دیتا۔ ہمارے لئے بھی مصیبت کھڑی کر دیتا اور اپنے لئے بھی۔ اس کو آج جاگرز لے کر دینے کا وعدہ جو کیا تھا۔ یہی وقت تھا، شام کو تو پتہ ہے ٹیوشن کے لئے بچے آتے ہیں''۔

''ہاں''

''تم نے بھی اگر کچھ لینا ہے تو لے لو''۔

''نہیں امی مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں''

عصمہ نے بچی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولی ''پیسوں کا فکر نہ کرو۔ تم بھی تو رات کچھ چیزیں لینے کا کہہ رہی تھیں''۔

''لی لوں گی''۔ مومنہ نے کہا۔ پھر اسد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی

''اس جن کی فرمائش پوری کر دیں۔ پھر گھر چلتے ہیں۔ آپ گھر جا کر آرام کریں بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں''۔

مومنہ نے ماں کا ہاتھ پیار سے دبایا۔ ماں نے بھی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ مومنہ ابھی صرف بارہ سال کی تھی۔ لیکن اس کی سوچ اور انداز فکر میچور لڑکیوں کا سا تھا۔ اپنے گھریلو حالات کو خوب سمجھتی تھی۔ مالی حیثیت جو تھی اس کا بھی اندازہ تھا۔ ماں ان دونوں کے لئے جتنی محنت کر رہی تھی اس کا بھی پورا احساس تھا۔ اس نے ماں سے کبھی کوئی غیر ضروری چیز طلب نہیں کی تھی۔ نہ ہی کبھی کوئی خاص فرمائش کی تھی۔ اس کے ساتھ امیر گھرانوں کی لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ جن کے لئے پیسے کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اس کی ان سے دوستی بھی تھی۔ پھر بھی اس نے ان کی تقلید یا نقل کرنے کی کبھی کوشش نہ کی تھی۔ وہ ماں کی دوست تھی اور اس عمر میں اس کے پرابلمز شیئر کرنے کی پوری کوشش کرتی تھی۔

لیکن

اسد اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس کے دوست امیر اور نودولتیے گھرانوں کے لڑکے تھے۔ وہ بھی ان کی طرح رہنا سہنا چاہتا تھا۔ بڑی سی کوٹھی، نوکر چاکر روپیہ پیسہ اسے چاہئے تھا۔ اچھے لباس کا شوقین تھا۔ اس کے مزاج میں ٹھہراؤ نہیں تھا۔ ماں کبھی سمجھانے کی کوشش کرتی تو وہ بھڑک اٹھتا۔ بہت سی باتوں کو وہ انا کا مسئلہ بنالیتا۔ جو پوری نہ ہوتیں۔ تو خود اذیتی پر اتر آتا۔ ماں کو تکلیف پہنچانے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا چیزیں توڑ پھوڑ دیتا۔ اپنے آپ کو زخمی کر لیتا۔ بہن سے لڑتا ماں کو تڑ تڑ جواب دیتا۔ جانے عصمہ سے اس کی تربیت میں کہاں کوتاہی ہوئی تھی جو وہ ایسا بن گیا تھا۔

لیکن

کوتاہی عصمہ سے نہیں حالات سے ہوئی تھی۔ جس نے نازونعم میں پلنے والے اس بچے کی شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

عصمہ کی شادی اچھے بھلے پیسے والے گھرانے میں ہوئی تھی۔ رشید بہت

اچھا انسان تھا۔ اس نے عصمہ کو سکھ دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ عصمہ نے بھی اپنی محبت کے بت کو توڑ ڈالا اور رشید کے رنگ میں رنگ گئی۔ ساس سسر پیار دینے والے تھے۔ تین دیور اور دو نندیں تھیں۔ سب کا رویہ اچھا تھا۔

اسد شادی کے ایک سال بعد پیدا ہوا تھا۔ تو گھر میں جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔ دادی دادا پوتے پر جان نچھاور کرتے تھے۔ بڑی خوشیاں منائی تھیں۔ رشید کا پاؤں بھی زمین پر نہ پڑتا تھا۔ بچے پر تو وہ دل وجان سے نثار تھا۔

اسد کو آنکھ کھولتے ہی اہمیت ملی۔ بھرپور پیار ملا۔ جوں جوں بڑا ہوا پیار اور اہمیت میں اضافہ ہی ہوا۔ اس کے پاس بیش قیمت چیزیں تھیں۔ کھلونوں کے ڈھیر تھے ملبوسات کا حساب نہ تھا۔ جوتے اتنے ہوتے کہ پہننے کی نوبت نہ آتی اور وہ چھوٹے ہو جاتے۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا اور راج دلارا تھا۔ عصمہ ماں تھی۔ بچہ اس کے گوشت پوست کا حصہ تھا وہ بھی اس پر جان دیتی تھی۔ اسد بھی ماں سے بہت وابستہ تھا۔

تین سال بعد مومنہ پیدا ہوئی۔ تو عام بچوں کی طرح اسد نے بھی اسے قبول نہ کیا۔ ضد کرنے لگا۔ ماں کی گود میں تو اسے دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

لیکن

خونی رشتہ بھی تو تھا۔ فطری پیار بھی۔ جب جی چاہتا ننھی سی گڑیا کو پیار بھی کرتا۔ لیکن ماں جب بھی مومنہ سے پیار کرتی۔ تو وہ برداشت نہ کر پاتا۔ مومنہ کو گھسیٹ کر ماں کی گود سے نیچے پھینک کر خود گود میں چڑھ جانے کی کوشش کرتا۔

لیکن

شومئی تقدیر حالات نے ایک دم ایسا پلٹا کھایا۔ کہ سب کچھ الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا۔ رشید کو اچانک ہی دل کا دورہ پڑا

اور

ڈاکٹروں کی انتھک کوشش کے باوجود وہ بچ نہ سکا۔ موت کا شکنجہ اتنا آہنی تھا کہ وہ سب کو شکست دے گیا۔ خوشیوں سے ہنستا بستا گھرانہ پل بھر میں بکھر گیا۔ رشید کو موت نے اتنی مہلت ہی نہ دی۔ کہ وہ بیوی بچوں کے لئے کچھ نصیحت وصیت کر سکتا۔

عصمہ کی دنیا اندھیری ہو گئی۔ کئی دن تو اسے اپنا اور بچوں کا ہوش ہی نہ رہا۔ یہی کیفیت بوڑھے والدین کی تھی۔ جواں سال بیٹے کی ناگہانی موت نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ شادی کے دو تین سال کے اندر عصمہ کے والدین بھی وفات پا چکے تھے۔ ساس سسر نے ان کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ اب وہ خود زخم خوردہ تھے۔ عصمہ کو تسلی دلاسہ بھی نہ دے سکتے تھے۔

عصمہ ابھی صدمے سے پوری طرح سنبھل بھی نہ پائی تھی۔ رشید کو دو سال بھی نہ گزرے تھے ساتھ چھوڑے کہ ساس سسر بھی آنکھیں موند گئے۔ عصمہ کو ان کا بڑا سہارا تھا لیکن کیا کر سکتی تھی۔

اب حالات بالکل ہی بدل گئے تھے۔ عصمہ اور اس کے بچوں کی اس گھر میں دیکھ بھال اور قدر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جوان شادی شدہ دیوروں کی بیویاں تو اس کے سائے سے بھی ڈرنے لگی تھیں۔ ڈرتی تھیں کوئی ترس کھا کر اسے اپنے نکاح میں نہ لے لے۔

عصمہ سمجھدار تھی۔ ان کے رویوں سے سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ اس لئے بچوں کو لے کر میکے بھائیوں کے گھر آ گئی۔ ماں باپ کے گھر میں تحفظ کا احساس تو تھا۔

لیکن

یہ بھی اس کی غلطی تھی۔ بھابیوں نے اسے قبول نہ کیا اوپر کے حصے میں چھوٹی بھابی تھی۔ نچلے میں بڑی۔ مکان اتنا بڑا بھی نہ تھا ایک کوٹھری نما کمرہ اسے ملا۔ اس پر بھابیوں کے بچوں پر لعن طعن۔ اسد کے مزاج میں یہاں بڑی

واضح تبدیلیاں آئیں۔ وہ بدتمیزی کرنے لگا ضد اس کے مزاج کا حصہ بن گئی۔ دوسرے بچوں کو جب موقع ملتا خوب مارتا پیٹتا۔ بھابیاں چیختیں، اسد کو کوستیں۔ تھپڑ مارتیں گھونسے چلاتیں۔ اتنا برا بھلا کہتیں کہ وہ بھی تڑتڑ جواب دیتا۔ عصمہ کو رونے کے سوا کچھ آتا ہی نہ تھا وہ بھائیوں کے بچوں کو تو کچھ کہہ نہ سکتی الٹا اسد کو ہی مارتی ڈانٹتی۔ اسد کی ذہنی اور نفسیاتی حالت یہاں ہی سے بگڑنا شروع ہوئی۔ وہ بچہ تھا ناسمجھ تو دوسرے بچوں کو جس طرح ٹریٹ کیا جاتا اسی طرح، وہ بھی چاہتا۔ نئی نئی چیزیں لباس جوتے ان بچوں کے لئے آتے تو وہ بھی مچل جاتا۔ جب اسے من پسند چیزیں نہ ملتیں تو وہ انتقاماً چیزیں توڑتا پھوڑتا۔ ماں کی بال نوچ لیتا۔ اپنے آپ کو مارتا زخمی کر لیتا۔

وہ جب سے پیدا ہوا تھا۔ سب کا منظور نظر تھا۔ بے انتہا محبت ملی تھی۔ ہر ایک نے پیار دیا تھا۔ یہاں آ کر سب کچھ چھن گیا۔ عصمہ کی ممتا میں تو شک نہیں تھا اسد کو پیار بھی کرتی۔ لیکن حالات نے جن رویوں کو اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اسد کو ضدی اکھڑ اذیت پسند اور وحشی بنا رہے تھے۔ عصمہ کو کچھ سمجھ نہ آتا وہ کیا کرے۔ دکھ کے ان جان لیوا لمحوں میں اس کی واحد دوست شائستہ ہی تھی۔ جو تسلی دلاسہ دیتی اور زندگی کا رخ موڑنے کے مشورے دیتی۔

اس دن بھی وہ آئی ہوئی تھی۔ عصمہ اپنے کوٹھڑی نما کمرے میں پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی سامنے کرسی پر شائستہ بیٹھی تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے اسد اور چھوٹی بھابی کے بچے کی لڑائی ہوئی تھی بھابی نے سزا کے طور پر اسد کے کان مروڑ ڈالے تھے۔ جواباً اسد کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے تھے۔ جس پر بھابی نے اسے تھپڑ بھی لگائے کوسا بھی اور اونچی آواز میں عصمہ کو بھی خوب سنائیں۔

''مصیبت سر پر آ چڑھی ہے''

''بچہ ہے کہ وحشی''

''بڑا ہو کر جو کچھ بنے گا اس کے آثار ابھی دکھائی دے رہے ہیں''

''اچھا بھلا اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے گھروں کا سکون تباہ کرنے آ گئی ہے''

عصمہ نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ اسد کو پہلے اس کے کئے کی سزا کے طور پر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر مارا تھا پھر روتے ہوئے سینے سے لگا کر پیار بھی کیا تھا۔

اب بھی وہ نم آلود آنکھوں اور گلوگیر لہجے میں شائستہ سے یہی باتیں کر رہی تھی۔

''میں کیا کروں۔ سسرال میں دیورانیوں نے شکوک شبے ظاہر کر کے جینے نہ دیا تھا۔ یہاں بھابیاں برداشت نہیں کر رہیں''۔

''عصمہ ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ اس طرح رونے دھونے سے کچھ نہیں بنے گا۔ بچے کی سائیکالوجی خراب ہو رہی ہے۔ جو ہو چکا وہ ہو چکا اب تم اپنے بچوں کو سنبھالو۔ ان کے مستقبل کا سوچو''

''کیا سوچوں''۔

''پہلی بات یہ کہ تم خود مختار ہو جاؤ۔ تمہارے سسر نے کافی اثاثہ چھوڑا ہے۔ رشید کا بھی کچھ نہ کچھ ہوگا۔ پہلے تو مالی طور پر اپنے اپ کو مستحکم کرو۔ پھر کہیں جاب کی تلاش کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ جاب مل جائے تو اپنے سہارے جینے کی کوشش کرو۔ کسی کے اوپر بار نہ ہو گی تو یہ لوگ اپنے رویے بھی بدل لیں گے''۔

عصمہ کچھ لمحے سوچتی رہی جاب والی بات دل لگی تھی۔ لیکن سسرال والوں سے حصہ مانگنا؟

یہ مشکل مرحلہ تھا۔

اس کا حل بھی شائستہ نے سوچا۔

''عصمہ مجھے تو تمہارے بھائیوں پر حیرانگی ہوتی ہے۔ انہیں تمہارا کچھ بھی خیال نہیں۔ کیا سوچا ہے انہوں نے تمہارے مستقبل کے متعلق؟

''ان کی بیویاں سوچنے دیتی ہیں۔ ویسے بھائی چوری چھپے احوال پرسی بھی کر لیتے ہیں۔ اور کچھ جیب خرچ بھی دے دیتے ہیں''۔

''رشید کا کوئی پیسہ تمہیں نہیں ملا''۔

''ان کا کچھ پیسہ بنک میں تھا۔ میرے سسر نے پاور آف اٹارنی بنا کر زندگی ہی میں وصول کر لیا تھا''

''پھر کیا کیا اس پیسے کا''

''میرے اور بچوں کے نام بنک میں جمع کروا دیا''

''تو پیسہ ہے تمہارے پاس؟''

''میں نکال نہیں سکتی۔ وہ فکسڈ اکاؤنٹ میں ہے''

''ہوں''

شائستہ پھر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے عصمہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بھائیوں سے بات کرے کہ وہ اسے سسرالی اثاثے میں سے حصہ دلوائیں

تمہارا زیور کہاں ہے'' شائستہ نے پوچھا۔

''لاکر میں'' وہ بولی۔

وہ تو تمہارے پاس ہی ہے نا''

ہاں

''بس جائیداد سے بھی حصہ لو۔ نوکری کرو اور بچوں کو ان سب لوگوں سے الگ تھلگ رکھ کر ٹھیک طرح سے ان کی پرورش اور تربیت کرو۔ ہمت باندھو۔ یہ رونا دھونا چھوڑو منفی سوچوں سے دامن چھڑاؤ اور مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرو''۔

وہ دیر تک اسے سمجھاتی رہی۔ نوکری کے لئے بھی کوشش کرنے کا وعدہ کیا اس کے ابو کے بڑے بڑے لوگوں سے مراسم تھے۔ سسر کی بھی کافی جان پہچان تھی۔ اسے امید تھی کہ عصمہ کے لئے نوکری تلاش کر ہی لے گی۔

عصمہ نے شائستہ کے مشوروں پر عمل کرنے کے لئے بھائیوں سے بات کی۔ پہلے تو انہوں نے کچھ خاص دلچسپی نہ لی۔ لیکن جب بار بار عصمہ نے اپنے اخراجات کا رونا رویا تو وہ اس کے دیوروں سے جائیداد کے سلسلے میں بات کرنے پر تیار ہو گئے۔

لیکن معاملہ عصمہ کے حق میں نہ رہا۔ دیوروں نے آپس ہی میں بندربانٹ کرلی تھی۔ سہارا اس بات کا دیا تھا کہ رشید کی موت چونکہ باپ کی زندگی میں ہی واقع ہوگئی تھی۔ اس لئے جائیداد پر اس کے بچوں کا کوئی حق نہ تھا۔ بڑی مشکلوں اور منت سماجتوں کے بعد وہ کچھ پیسہ بچوں کے لئے دینے پر رضامند ہوئے۔ جو اتنا نہ تھا کہ عصمہ کی زندگی اس کے سہارے گزر سکتی۔ وہ رو دھو کر چپ ہو رہی۔

لیکن

نوکری کے لئے خود بھی کوشش کرنے لگی اور شائستہ بھی اپنے باپ اور سسر کے وسائل سے اس کے لئے نوکری تلاش کرنے لگی۔

پورا ایک سال عصمہ نے مصائب سے دوچار گزارا۔ سسرال سے تو اب ناطہ تقریباً ٹوٹ ہی گیا تھا۔ بھائیوں کے پاس بھی اس پر عرصہ حیات تنگ رہا۔ اپنے گزر اوقات کی تو اسے اتنی فکر نہ تھی۔ ہاں اسد کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی۔ جو دن بدن اکھڑ بدتمیز اور خودسر ہوتا جا رہا تھا۔

اور

جب اسے شائستہ کے ابو کے توسط سے ایک بنک میں نوکری ملی۔ گو اس نوکری کے لئے اسے دوسرے شہر جانا تھا۔ تب بھی اس نے سکھ کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

بھائیوں نے مخالفت کی ''چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ دوسرے شہر میں اکیلی کیسے رہو گی۔ زمانہ بہت خراب ہے۔ جیسے گزر رہی ہے گزارو۔ کم از کم یہاں محفوظ تو ہو''۔

''مجھے نوکری کی بھی ضرورت ہی اور الگ گھر کی بھی۔ میرا بچہ ان حالات میں بگڑ رہا ہے۔ اب بھی تو میرا سرمایہ ہے۔ میں اسے کیسے برباد ہونے دوں۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ میرا اللہ مالک ہے۔ اتنا ہی ہے تو میری خیر خبر لیتے رہیے گا۔''

''سوچ لو پھر دوبارہ یہیں آنا پڑا تو تمہاری بھابیاں تمہیں قبول نہ کریں گی۔''

''میں اب واپس نہیں آؤں گی آپ بے فکر رہیے''

عصمہ نے سسرال سے اپنا جہیز کا سامان جتنا بھی مل سکا سمیٹا۔ اور دوسرے شہر چلی گئی شائستہ کی نند اسی شہر میں رہتی تھی۔ اس نے شائستہ کے کہنے پر عصمہ کے لئے گھر تلاش کرلیا۔ یہ گھر دو کمروں اور لونگ روم پر مشتمل ایک کوٹھی کا پورشن تھا۔ کوٹھی میں ایک بزرگ خاتون جو انتہائی نیک نفیس اور ہمدرد تھی رہتی تھی۔ تینوں بچے ملک سے باہر تھے۔ سال دو سال بعد کوئی بچہ چند دنوں کے لئے آجاتا اور کبھی کبھار وہ بچوں کے پاس چلی جاتی۔

یوں

عصمہ کو رہنے کے لئے محفوظ جگہ مل گئی۔ اس بزرگ خاتون کا اسے بہت سہارا تھا۔ وہ اب اپنے آپ کو اکیلا محسوس نہ کرتی تھی۔ خاتون بھی خوش تھی۔ عصمہ جیسی عورت اس کی کرایہ دار تھی۔ جو اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔

یوں عصمہ بنک سے منسلک ہوگئی۔ وہ ایک بنکوں میں اس کی تبدیلی بھی ہوئی۔ لیکن وہ محنت اور لگن سے کام کرتی رہی۔ اب وہ بنک آفیسر تھی۔

سب کچھ ٹھیک ہوگیا تھا۔

لیکن

اسد نہیں سدھرا تھا۔ اس کی وہی عادتیں تھیں۔ سمجھانے بجھانے سے تو وہ بری طرح چڑ جاتا تھا۔ عصمہ بہت پریشان رہتی۔ اب وہ جوان ہورہا تھا۔ اگرچہ اب تک اس کی صحبت اچھی تھی۔ دوست برے نہیں تھے۔

لیکن

وہ ڈرگئی تھی۔ خدانخواستہ وہ کسی بری صحبت میں پڑ گیا۔ کسی بدکردار کے ہتھے چڑھ گیا۔ کسی ایسی تنظیم میں شامل ہوگیا جن کا کام تخریب کاری اور دہشت گردی ہے تو وہ کیا کرے گی وہ حتی المقدور کوشش کرتی کہ اپنی اس دنیا بھر سے

ناراض بیٹے کی خلاف مزاج کوئی بات نہ کرے۔اسے ہر طرح سے خوش رکھے۔خواہ اس کے لئے اسے کتنی اذیت دہ صورت حال سے دوچار ہونا پڑے۔

لیکن اس پر تو جیسے کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔من مانی کرنے کے باوجود سمجھتا تھا کہ اس کی راہ میں ماں اور مومنہ روڑے اٹکاتی ہیں۔

یہ بات نہ تھی۔کہ وہ ماں اور بہن سے نفرت کرتا تھا۔اسے ان سے پیار بھی بہت تھا۔اور اس پیار میں کسی کی شراکت اسے گوارا نہ تھی۔حتیٰ کہ مالک مکان بزرگ خاتون بھی جب عصمہ یا مومنہ سے پیار جتاتی تو وہ برداشت نہ کر پاتا۔ماں اس کی تھی بہن اس کی تھی۔ان پر وہ ہر طرح کا صرف اپنا حق سمجھتا تھا۔

مومنہ اور عصمہ برآمدہ عبور کر کی دکانوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔اس وقت کچھ زیادہ رش نہیں تھا۔پھر بھی خریدار دکانوں کے اندر باہر آ جا رہے تھے۔برآمدے میں جگہ جگہ چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والے اپنی چھابڑیاں اور ریڑھیاں لئے کھڑے تھے۔اس وقت ان کے پاس بھی گاہک نہ ہونے کے برابر تھی۔

''امی''مومنہ نے کہا

''میں نے ہیئر بینڈ لینا ہے بلو اور پنک کلر کا''

''اچھا''

''یہاں سے لے لوں''

''ابھی ٹھہرو اسد کو جاگرز لے لینے دو''

''ٹھیک ہے''

دونوں اسد کی طرف چل دیں۔جو ایک جوتوں کی دکان کے شوکیس میں سجے جوتے دیکھ رہا تھا۔جاگرز کے ساتھ اسے ایک پمپی بھی پسند آ گئی۔

''امی''اس نے ماں کے قریب آتے ہوئے کہا

''ہوں۔پسند کیے جاگرز''۔

''اندر چل کے دیکھتے ہیں۔ ویسے مجھے وہ والے پسند ہیں۔ اور ساتھ یہ والی پیپسی بھی''

''بیٹا۔ فی الحال جاگرز ہی لے لو۔ پیپسی پھر لے لینا''

اسد کا چہرہ تن گیا۔ سکول بیگ ایک کندھے سے اتار کر دوسرے پر ڈالتے ہوئے بولا ''چلیں واپس''

مومنہ بھی کتابوں سے بھرا بیگ اٹھائے اٹھائے تھک گئی تھی۔ وہ بھی واپس چلنا چاہتی تھی۔ امی کی خراب ہوتی طبیعت کا بھی احساس تھا۔ لیکن اسد نے جس انداز میں واپس چلنے کی بات کی تھی۔ وہ طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

وہ جلدی سے بولی ''امی لے دیں نا جو کچھ لینا چاہتا ہے''

ماں نے دکھ سے مومنہ کو دیکھا اور بولی ''اتنے پیسے خرچ نہیں کرسکتی میں۔ ابھی دو ہفتے ہوئے چمڑے کی جیکٹ لے کر دی ہے اسے''۔

اسد ان سے چند قدم دور چلا گیا تھا۔

''امی پتہ ہے نا گھر جا کر طوفان اٹھائے گا۔ لے دیں جو کچھ کہتا ہے۔ میں ہیئر بینڈ نہیں لوں گی''

عصمہ نے دکھی مسکراہٹ سے بیٹی کو دیکھا۔ کتنا احساس تھا بچی کو حالات کا۔ بھلا دو ہیئر بینڈ نہ لینے سے جاگرز اور پیپسی پر کیا اثر پڑے گا۔

''اسد'' مومنہ کے بار بار کہنے پر عصمہ نے اسد کو آواز دی۔

وہ رک گیا۔

''ادھر آؤ''

''کیوں؟''

''دکھاؤ تو سہی کون سے جاگرز اور کون سی پیپسی پسند آئی ہے''

وہ ڈھیٹ بنا کھڑا رہا۔

مومنہ اس کی طرف گئی اور پیار سے ہاتھ پکڑ کر ادھر لے آئی

تینوں دکان کے اندر داخل ہوئے۔

صرف جاگرز ہی کی قیمت اتنی تھی کہ اس ماہ اس سے ہی گھر کے بجٹ پر کافی اثر پڑتا تھا۔ لیکن عصمہ کو پمپی بھی لے کر دینا پڑی۔ نہ لے کر دیتی تو گھر جا کر جو ہنگامہ کھڑا ہوتا۔ اس کے لئے وہ تیار نہ تھی۔

کیونکہ

آج وہ پہلے ہی کافی پریشان تھی۔

گھر آتے ہی اس نے بیگ کرسی پر پھینکا جوتے اتارے اور بستر پر دراز ہوگئی۔ مومنہ نے بھی آ کر بیگ میز پر رکھا اور امی پر جھک کر بولی ''امی طبیعت زیادہ ہی خراب ہے''

''ہاں کچھ ہی ہے۔ تم یوں کرو بیٹا'' اس نے مومنہ سے کہا'' اماں سے کہو میرے لئے ایک کپ چائے بنا دے''

''کھانا نہیں کھائیں گی''

''ابھی نہیں۔ چائے اور ڈسپرین دے دو بس۔ تم دونوں کھالو کھانا۔ بس مجھے ڈسٹرب نہ کرنا اسد سے بھی کہہ دو۔ کھانا کھا کر اپنے کمرے ہی میں رہے۔ میں تھوڑا ریسٹ لینا چاہتی ہوں۔ سوگئی تو جگانا نہیں''

''اچھا امی''

''چائے ذرا اسٹرونگ بنائے۔ اماں سے کہہ دینا''

''بہت اچھا''۔

مومنہ یونیفارم اتارے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ ادھیڑ عمر نوراں کو عصمہ اور بچے اماں ہی کہتے تھے۔ وہ گھر کا سارا کام کرتی تھی۔ صبح آٹھ بجے آتی اور رات آٹھ نو بجے واپس جاتی تھی مومنہ نے اماں سے چائے بنانے کو کہا۔

اور خود دوسرے کمرے میں آ گئی۔ جہاں اسد آج کی خریداری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ پمپی تو اسے مفت میں مل گئی تھی۔ ورنہ امی نے تو بمشکل جاگرز خرید کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مومنہ کو اس کا خوش ہونا اچھا نہیں لگا۔ امی کی طبیعت خراب تھی اور وہ جاگرز اور پمپی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

''کھانا نہیں کھاؤ گے''۔ مومنہ نے پوچھا

''کیوں نہیں کھاؤں گا۔ پکا کیا ہے۔ کوئی بدمزہ سی شے ہوئی تو میں جا کر چکن تکہ لے آؤں گا''۔

''ذرا سنبھل کے رہو بھائی۔ آج تم نے امی کا پہلے ہی اتنا خرچہ کرا دیا۔ پتہ نہیں تم کب سمجھو گے کہ ہماری ماں کتنی محنت سے پیسہ کماتی ہے''

''ہمارے لئے کماتی ہے نا'' وہ خوش تھا اس لئے مومنہ کی بات پر غصہ نہیں آیا۔

''احسان تو کبھی مانو گے ہی نہیں''

''احسان کیسا۔ یہ تو ان کا فرض ہے؟''

''تمہارا بھی کوئی فرض بنتا ہے یا نہیں۔ امی کی طبیعت خراب تھی۔ پھر بھی وہ تمہاری شاپنگ کے لئے گئیں۔ تم نے ان کا حال تک نہیں پوچھا۔

''اوہو۔ بڑی بی پہلے بتانا تھا نا مجھے کیا الہام ہوتا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ کہاں ہیں وہ''

''اپنے کمرے میں''

''میرا خیال ہے پمپی لینے سے ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی''۔

''یہی سمجھ لو۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے تھا۔ کہ ان کے پاس اس فضول خرچی کے لئے رقم ہے بھی یا نہیں''۔

''بس کرو۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''امی کے پاس ہمارے ابو کا چھوڑا ہوا پیسہ بھی ہے۔ اتنی غریب اور بے بس نہیں وہ؟''۔

مومنہ کو اس کی بات بری لگی۔ وہ کمرے سے نکل گئی۔

اسد بھی کمرے سے نکلا اور امی کے پاس آ کر حال احوال پوچھا۔ عصمہ نے مسکرا کر کہا ''شکر ہے تمہیں میرا حال پوچھنے کا خیال تو آیا''۔

''اوہ امی۔'' وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر ماں پر جھک گیا۔ ''آپ میرے متعلق اتنی غلط رائے کیوں قائم کر لیتی ہیں۔ آپ مجھے اتنی پیاری ہیں کہ کسی

وقت میں یہ پیار مومنہ سے بھی شیئر کرنے کی برداشت نہیں رکھتا''۔

ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر بولی

''شاپنگ سے خوش ہو نا''

''میں تو خوش ہوں آپ خوش نہیں لگتیں''

وہ چپ رہی

''امی''

''ہاں''

''سیفی''

''کیا؟''

''جب ایسے خرچوں کے لئے آپ کی تنخواہ کم پڑ جایا کرے نا تو ہمارے اکاؤنٹ سے نکلوالیا کریں۔ ابو کے پیسے تو ہیں نا۔

معصمہ کچھ دکھی ہوگئی

لیکن

چپ رہی۔ اس سرپھرے لڑکے سے بحث کرنا فضول تھا۔ مومنہ چائے اور ڈسپرین لے آئی۔ تو وہ بیڈ میں بیٹھتے ہوئے بولی'' جاؤ دونوں کھانا کھالو''

''آپ نہیں کھائیں گی'' اسد بولا

''ابھی چائے لے رہی ہوں۔ ذرا ریسٹ لے لوں تو پھر کھالوں گی''

''آپ نہیں کھائیں گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گا''

''کیوں'' مومنہ بولی۔

''اس لئے کہ مجھے پتہ ہے امی کھانا کیوں نہیں کھارہیں''

''کیوں نہیں کھارہیں'' مومنہ نے پوچھا

''اس لئے کہ آج میں نے امی کے پیسے زیادہ خرچ کرادیئے''

''اسد'' معصمہ بیزاری سے بولی'' جاؤ جا کر کھانا کھاؤ۔ میری طبیعت پہلے سے خراب تھی''

''تو پھر شاپنگ کے لئے کیوں گئیں''۔

''نہ جاتی تو تم کیا کرتے''

وہ اٹھتے ہوئے ہنس کر بولا''کیا کرتا۔آپ سے لڑتا۔مومنہ کو مارتا یا اپنے آپ کو زخمی کر لیتا''۔

مومنہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔وہ بھی چلا گیا عصمہ نے بمشکل چائے کے چند گھونٹ ڈسپرین کے ساتھ گلے سے نیچے اتارے پیالی میز پر رکھی اور بستر میں پڑ گئی۔ایسی باتیں تو اس کا معمول تھیں۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔چند لمحے اسد کی تکلیف دہ باتوں پر کڑھتی رہی۔

پھر

اس کی آنکھوں میں عنصر کی شبیہ لہرا گئی

آج ..... سولہ سال بعد

وہ اچانک ہی

اس کے سامنے آ گیا تھا۔ایک لمحہ کو اسے لگا تھا کہ اس کی گم گشتہ جنت سامنے آ گئی ہے۔

لیکن

ایسی جنت

جس کے سب دروازے اس پر بند تھے

اس نے چند لمحوں کے لئے ہی عنصر کو دیکھا تھا۔وہ بالکل پہلے جیسا ہی لگا تھا۔کو قدرے جسم بھاری ہو گیا تھا۔لیکن رنگ ڈھنگ اور لباس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مالی حیثیت سے کافی اونچا ہو گیا ہے۔وہ عام لوگوں کا سا نہیں تھا۔بہت خاص الخاص لگا تھا۔اس احساس میں شاید اس کی اپنی کمتر مالی پوزیشن کا دخل تھا۔

اس نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں۔سو نہیں رہی تھی۔ہاں جاگتے میں ماضی کے خواب آنکھوں میں امنڈ امنڈ کر آ رہے تھے۔

عنصر اس کی پہلی محبت تھا۔ شاید یہ اس کی آخری محبت بھی تھی۔ اس کے بعد تو وہ محبت کا مفہوم ہی بھول گئی تھی۔ رشید سے شادی کر کے اس نے صرف فرائض سے نبھاہ کیا تھا۔ وہ جذبات اس کے دل میں کبھی نہ امنڈے تھے۔ جن کا تجربہ اسے عنصر کے ساتھ گزارے ہوئے وقت میں ہوا تھا۔ تب وہ نوعمر تھے۔ جذبات میں ٹھہراؤ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ سوچ ہوش وخرد سے عاری تھی۔

بس

چاہنا اور چاہے جانا ہی مطلوب تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو جنوں کی حد تک چاہا تھا۔ جب ملتے تو یہی جی چاہتا وقت گھل جائے اور وہ اس میں تحلیل ہو جائیں۔ الگ ہونے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کسی نہ کسی طور وہ ملنے کا وقت نکال ہی لیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں وہ بہت ڈرا کرتی۔ عنصر کے ساتھ جانے سے خوفزدہ رہتی۔ لیکن وہ اسے اتنی بھرپور محبت دیا۔ کہ وہ نرم نرم سی پھوار میں بھیگ جاتی۔ چھپ چھپ کر ملنے اور فون پر سہیلی سے باتیں کرنے کا تاثر دے کر اس کا خوف مٹ جاتا۔ عنصر کی باتوں سے وہ سرشار ہو جاتی۔

اور

اس کی باتوں سے وہ بن پئے مدہوش ہو جاتی۔

ایک دن عنصر نے اس کے ہونٹوں پر انگلی پھیرتے ہے کہا تھا ''شراب ارغوانی'' تو اس کی نس نس میں جیسے شراب ارغوانی دوڑنے لگی تھی۔ بے اختیار ہو کر وہ اس کے کندھے سے جا لگی تھی۔ اور دونوں کے دل ہم آہنگ ہو کر دھڑک اٹھے تھے۔

وہ ہوشمند تھے۔ سمجھداری سے بھی کام لیتے تھے۔ جسمانی ٹکراؤ سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن وہ دیوانی جوانیاں جب بھی ٹکرانے کی حد تک آجاتیں۔ تو چنگاریاں سی بدن میں بھر جاتیں۔ اسے یاد آ رہا تھا۔

ایک دن دونوں شہر سے دور ایک ویرانے میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہاں

کوئی نہیں تھا۔ یکجائی کی خواہش دونوں کے دل میں شرارہ بن رہی تھی۔ مستی بھری جوانی بے لگام ہوئی جا رہی تھی۔ عنصر کی آنکھوں میں سرخی اتر رہی تھی۔ خود اس کا چہرہ بھی تپ رہا تھا۔

عنصر اس کی طرف بڑھا اور بے اختیارانہ بازو پھیلا دیئے۔ ''عصمی ان بازوؤں میں سما جاؤ''

لیکن

جانے کیسے وہ جذبات کے حصار سے نکل آئی۔ نہ نہ کرتے ہوئے اس سے دور بھاگی۔

''آجاؤ عصمی آجاؤ'' وہ دیوانوں کی طرح کہہ رہا تھا

''نہیں عنصر نہیں'' ۔ وہ اور دور بھاگی۔ سڑک قریب آگئی تھی۔ اکا دکا لوگ آجا رہے تھے۔ گاڑیاں ویگنیں اور بس بھی اس روٹ پر آتی جاتی تھیں۔

''عصمی'' عنصر نے دور سے پکارا۔

''نہیں عنصر۔ ابھی نہیں''۔

''تو پھر کب؟''

''شادی کے بعد''

وہ کمزور لمحوں کی گرفت سے نکل چکی تھی۔ عنصر اس کی طرف آیا تو وہ دوڑ کر سڑک کے کنارے آکھڑی ہوئی۔ اب عنصر بھی جذبات کی یلغار سے نکل چکا تھا۔

عصمہ نے کروٹ بدلی۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ اس دن اس سے کوئی غلط حرکت سرزد نہ ہوئی۔ ورنہ شرمندگی کا احساس اب تک اسے سرنگوں رکھتا۔

عصمہ سوچوں میں ڈوبی رہی۔ معصوم ملاقاتیں بھی یاد آ رہی تھیں۔ جذباتی لمحوں کا دباؤ بھی ذہن میں تھا اور پھر، جدا ہونے کا اذیت ناک لمحہ بھی ذہن میں سرک رہا تھا۔ اس پر رشتے آ رہے تھے ماں باپ دو اور جوان بیٹیوں

کا بھی سوچتے ہوئے اس کی شادی کا سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔ وہ ساری باتیں عنصر کو بتا دیتی۔ دونوں غمزدہ ہو کر سوچتے۔ لیکن راہ نہ نکل پاتی۔ عنصر کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ بہنوں کے ہوتے ہوئے اپنی شادی رچا بیٹھتا۔ شادی کے لئے حالات ویسے بھی سازگار نہ تھے۔

دونوں نے ایک دوسرے کی مجبوری کو سمجھ لیا تھا۔ اور خاموشی سے راستے الگ کر لئے تھے۔ جدا ہونے سے پہلے وہ بہت تڑپے۔ بہت روئے۔ بہت غمگین اداس ہوئے۔

لیکن ...... کچھ بھی نہ کر سکے

وہی کیا۔ جس کے حالات متقاضی تھے۔

عصمہ کی شادی ایک بھرے پرے صاحب حیثیت گھرانے میں ہوگئی۔

اور عنصر دل و دماغ پر بوجھ لئے اچھے روزگار کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ یوں۔

دونوں کے درمیان سولہ سال کا طویل عرصہ حائل ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے ختم ہی ہوگئے۔ نہ ہی عصمہ کو عنصر کے متعلق ان سالوں میں کچھ پتہ چلا۔ نہ ہی عنصر کو عصمہ کی کوئی خبر ملی۔ ان دونوں کی محبتوں کی مشترکہ ڈوری جو کسی کے ہاتھ میں نہ تھی اس لئے پتہ بھی کیسے چلتا۔

آج اچانک ہی عنصر سامنے آ گیا تھا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سولہ سال کے طویل فاصلے مٹ گئے تھے۔ ایک ایک لمحہ پوری جانداری سے پلٹ آیا تھا۔

''تم کیوں آ گئے عنصر۔ کہاں سے آ گئے۔ تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یوں آ کر کیوں ٹھہرے ہوئے منجمد ماضی میں ہلچل مچا دی۔ کیوں آئے تم۔ کیوں آئے''

وہ کروٹیں بدلتے ہوئے بے چارگی سے بار بار یہی کہے جا رہی تھی۔ وہ بن آنسوؤں کے رو رہی تھی۔ اس کا سینہ دھواں دیئے بغیر جل رہا تھا۔

☆☆☆

''عنصر کو اپنے کمرے میں گئے اور بچوں کو باہر بھیجی کافی دیر ہوگئی۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ نوکر بلانے گیا تو اس نے کہہ دیا تھا۔ ''تم جاؤ مجھے آرام کرنے دو''

ذکیہ آپا بھی سمجھی تھیں کہ شاید تھکا ہوا ہے ریسٹ لے رہا ہے۔ لیکن جب چائے کے لئے بھی وہ باہر نہ نکلا۔ تو آپ چائے کی ٹرے لے کر اندر آ گئیں۔ وہ اپنی چائے بھی ادھر ہی لے آئی تھیں۔ بھائی کے اس کے کمرے میں چائے پینے کے ساتھ گپ شپ لگانے کا ارادہ تھا۔ چائے کے ساتھ وہ سموسے اور کیک بھی لائی تھیں۔ عنصر نے کھانا جو نہیں کھایا تھا۔ چائے کے ساتھ کچھ کھا پی لے گا۔ انہوں نے سوچا تھا۔

وہ اندر آئیں۔ ٹرے درمیانی میز پر رکھی۔ عنصر صوفے کے بازو پر کشنوں کے سہارے سر رکھے نیم دراز تھا۔ پردے کھنچے ہوئے تھے۔ کمرے میں ٹھنڈا ٹھنڈا ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔

''عنصر'' ذکیہ آپا نے ہولے سے پکارا۔

انہیں دوبارہ آواز دینا پڑی۔ شاید وہ سو رہا تھا۔ دوبارہ بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا تو برابر والے چھوٹے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پینتالیس سالہ شفیق چہرے والی بھاری بھرکم آپا نے اس کا کاندھا ہلاتے ہوئے کہا ''عنصر اٹھو بھئی بہت سو لئے''۔

عنصر ایک دم اٹھ بیٹھا ''او آپا؟''۔

آپا مسکرائیں ''بہت ریسٹ لے لیا سو گئے تھے کیا''

وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انہیں سلجھانے لگا اسے خود پتہ نہیں تھا کہ وہ سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا۔ جاگتے میں سونے اور سونے میں جاگنے کی کیفیت سے دوچار تھا۔ ''بچے کہاں ہیں'' اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے آپا کو دیکھا۔ آنکھوں کی سرخی غماز تھی کہ وہ خاصا پریشان ہے''

''سہیل انہیں گھمانے لے گیا'' انہوں نے اپنے بڑے بیٹے کا نام لیا۔

دونوں مارکیٹ جانے کے لئے ضد کر رہی تھیں۔

''او۔ بیچاری'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔

''کیوں''

''میں نے انہیں باہر لے جانے کا کہہ رکھا تھا''

''کوئی بات نہیں سہیل لے گیا ہے۔ خوب سیر سپاٹے کروائے گا انہیں۔ بڑا شوقین ہے بچوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا۔''

''ہوں''

آپا چند لمحے چپ رہیں۔ عنصر کہنیاں گھٹنوں پہ ٹکائے بالوں میں بلا وجہ ہی انگلیاں پھیرے جا رہا تھا۔

آپا نے اسے دیکھا اور بولیں۔ ''کھانا نہیں کھایا۔''

''نہیں کھایا؟''

آپا ہنس پڑیں بولیں'' اب بھی لگتا ہی سو رہے ہو۔ کب کھایا تھا نوکر بلانے آیا تو تم نے نہ کر دی''

''اچھا؟''

''وہ پھر ہنس پڑیں پھر انہوں نے ٹرے اپنے سامنے کی اور پوچھا'' چائے بناؤں''

''بنایئے'' وہ کہتے ہوئے اٹھا

''کدھر جا رہے ہو''

''باتھ روم۔ منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں آپ چائے بنایئے''

وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ چند منٹ بعد باہر آیا۔ تو کچھ تازہ دم سا لگا۔

آپا نے چائے کی پیالی اس کے سامنے رکھ دی۔ کیک اور سموسے بھی اس کی طرف سرکا دیئے۔ وہ چائے پینے لگا۔

آپا نے محسوس کیا کہ وہ کچھ غیر حاضر سا ہے۔ اس کا دماغ کہیں اور ہے اور وہ خالی الذہن ہو کر ان کے سامنے بیٹھا ہے۔

آپا نے سموسہ اس کی پلیٹ میں رکھا۔ چٹنی ڈالی اور بولیں ''کچھ کھاؤ تو''

''اچھا'' اس نے سعادت مندی سے کہا اور سموسہ اٹھا لیا۔

پھر

اسی طرح آپ نے کیک کا پیس کاٹ کر اسے دیا۔ اس نے وہ بھی لے لیا از خود اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس کا رویہ معمول کا سا نہیں تھا۔

''اور چائے لو گے؟ آپا نے پوچھا۔

''دے دیں'' اس نے گھمبیر آواز میں کہا۔

آپا نے چائے اس کی طرف بڑھائی وہ چپ چاپ پینے لگا۔

''عنصر'' آپا نے بالآخر پوچھ ہی لیا'' کیا بات ہے''

''بات؟'' وہ گھبراہٹ میں بولا'' کوئی نہیں، کوئی بھی تو نہیں''

''پریشان لگ رہے ہو''

''جی؟''

''ہاں۔ کیا ہوا؟ کہیں جینی کا فون تو نہیں آ گیا''

''گولی مارو اسے آپا۔ اس کا فون کیوں آئے گا''۔

''پھر؟''

''کچھ نہیں''۔

''بچوں کی وجہ سے پریشان ہو''

''نہیں تو''۔

''مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے''۔ وہ بڑے پیار اور ہمدردی سے بولیں'' میں تمہاری بہن بھی ہوں۔ ماں بھی سمجھ لو''۔

وہ ہلکا سا مسکرایا'' اسی لئے تو مصیبت کے وقت آپ کے پاس پہنچ گیا''

''اسے مصیبت مت کہو'' وہ جلدی سے بولیں ''ہمیں تو سب کو، خوشی ہے۔ کہ تم ہم سب میں واپس لوٹ آئے۔ گو رہو گے امریکہ ہی میں۔ لیکن یہاں شادی کر کے۔''

''آپا پلیز''

''کیا؟''

''آج شادی کا ذکر نہ کریں''

''کیوں؟ انکاری ہو گئے''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انکاری ہو کیسے سکتا ہوں۔ یہ میری ضرورت ہے۔ امارہ اور حرا کو اب میں اکیلے نہیں سنبھال سکتا''۔

''کیسی ماں تھی جینی۔ بچیوں کا بھی نہ سوچا۔ طلاق لے کر چلی گئی''

''آپا یہ اس ملک میں کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ المیہ ہے وہاں کا اسی لئے تو میں یہاں آیا ہوں کہ کوئی معقول بندوبست ہو جائے۔ ایسی عورت ملے جو ان دونوں کی ذمہ داری اٹھالے''

''مل جائے گی تم فکر نہ کرو۔ میں نے تین چار لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ اچھے گھرانوں کی تعلیم یافتہ اور شائستہ لڑکیاں ہیں''

وہ ہولے سے بولا ''آپ مجھے لڑکیوں کی نہیں عورت کی ضرورت ہے''

آپا مسکرائیں ''میں بچی تو نہیں۔ تمہارے لئے تلاش میں میں نے لڑکیوں کی عمروں کا خاص خیال رکھا ہے۔ کوئی بھی تیس بتیس سال سے کم نہیں۔ ایک بیوہ بھی ہے۔ جس کے ساتھ ایک بچہ ہے۔ بچہ نہ ہوتا تو وہ سب میں بہترین تھی۔ خوبصورت سلجھی ہوئی اور ٹھہرے ہوئے مزاج کی۔ عمر ابھی بمشکل اٹھائیس سال ہوگی''

عنصر نے گردن صوفے کی پشت پر ڈال رکھی تھی۔ آپا کی باتیں جانے وہ سن بھی رہا تھا یا نہیں۔ ''اے عنصر'' آپا کی لمبی چوڑی باتوں کا جب اس نے جواب نہ دیا۔ تو وہ ذرا تیز آواز میں بولیں۔

''جی'' وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

''جو کچھ میں نے کہا سنا بھی ہے؟''

''جی۔ جی سن رہا ہوں''

''رشتے میں نے دیکھ رکھے ہیں۔ باری باری سارے تمہیں دکھا دوں گی۔ فیصلہ لڑکی کو دیکھ کر تم نے خود کرنا ہے''

''جی'' اس نے مردہ دلی سے کہا۔

''تو آج نام لے لوں کسی سے''

وہ جلدی سے بولا ''آج نہیں آپا''۔

''کیوں''

''میں۔ میری طبیعت آج کچھ پریشان ہے''

''وہی تو کئی بار پوچھ چکی ہوں۔ کیوں پریشان ہے کیا ہوا''

وہ اپنے خالی ہاتھ ملتے ہوئے اذیت ناک مسکراہٹ سے بولا۔ ''آپا آج''۔

''ہاں کیا ہوا آج''۔

وہ کچھ آگے کو جھکا۔ آپا کی طرف دیکھا الفاظ اندر ہی اندر جانچے پرکھے اور آپا نے جب دوبارہ پوچھا تو دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپا۔ آج سولہ سال بعد ایک عزیز دوست کو دیکھا''۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے''

''نہیں۔ اس کی حالت سولہ سال پہلے ایسی نہ تھی۔ بالکل بدل چکی ہے پتہ نہیں کیوں''

''اے ہے یہ کیا بات ہوئی۔ تم پوچھ لیتے۔ اب جو اتنے پریشان ہو''

''ملاقات چند منٹ کی تھی۔ کیسے پوچھتا''۔

''مجھے تو سمجھ نہیں آرہی۔ جب کچھ پوچھا بھی نہیں تو پھر پریشانی کیوں''

''بس اسے اس بدلی ہوئی حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ تب سے

اب تک یہی سوچ رہا ہوں کہ اس کو کیا ہوا؟

''اسے ساتھ لے آتے''

وہ آپا کی بات پر تلخی سے مسکرا دیا اور بولا ''وہ میرے سامنے چند منٹ بھی نہیں ٹھہری۔ ساتھ کیسے آ جاتی''۔

اب آپا کو ایک دھچکہ سا لگا آنکھیں پھیلا کر بولیں ''کسی لڑکی کی بات کر رہے ہو''

''لڑکی نہیں'' وہ ہولے سے بولا ''پینتیس سال سات ماہ کی عورت کی''

آپا بھونچکی سی اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ عنصر کو عورت کی عمر کے ماہ و سال از بر تھے۔ معاملے کو کچھ کچھ سمجھ گئیں۔ اٹھ کر اس کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے بولیں ''اسے تم سولہ سال سے جانتے ہو''

''انیس بیس سال سے'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

آپا اس کی سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے بولیں ''تمہاری دوست تھی''

عنصر نے بہن کی طرف دیکھا۔ افسردگی اذیت اور آزار اس کے چہرے سے نمایاں تھا۔ بڑے کرب سے بولا۔ ''اب کچھ بتانے کا کیا فائدہ؟''

لیکن

آپا سر ہو گئیں۔ عنصر کا دل بھی بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی طوفانی اور لافانی محبت کی ساری داستان آپا کو سنا دی۔ ناکامی کی وجوہ بھی بتائیں۔ یہ بھی بتایا کہ سولہ سال پہلے اس کی شادی ایک امیر گھرانے میں ایک بڑی سرکاری افسر کے ساتھ ہو گئی تھی۔

''میری مالی حالت اور بہنوں کی ذمہ داریاں ایسی تھیں کہ مجھے اپنا درد اندر ہی اندر پی جانا پڑا۔ لیکن آپا۔ میں اسے بھول نہ پایا۔ جینی کی مجھ سے علیحدگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی میں اسے وہ پیار نہ دے سکا جو اس کا حق تھا۔ یا جو وہ چاہتی تھی''

آپا حیران پریشان سی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہیں۔ عنصر کا جی بھر بھر آرہا تھا۔ اس نے آپا کی گود میں رکھ دیا اور سسکتے ہوئے بولا۔ ''آج میں نے اسے دیکھا ہے۔ وہ بنک میں ملازمت کر رہی ہے۔ اس کے چہرے پر شگفتگی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ بہت دکھی بہت پریشان اور مضمحل لگ رہی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔ وہ بنک کی ملازمت کیوں کر رہی ہے۔ وہ خوش کیوں نہیں اس کی حالت ایسی کیوں ہے؟''

آپا کیا جواب دیتیں۔ بھائی کی بہنوں کی خاطر قربانی نے دل دہلا دیا تھا۔ اس کا اضطراب اور پریشانی دل دکھا رہی تھی۔ اسی تسلی کیسے دیتیں۔ دلاسے کے لئے الفاظ کہاں سے لاتیں۔

وہ ان کی گود میں منہ چھپائے سسکتا رہا اور آپا اس کو تھپتھپاتی رہیں۔ کوئی لفظ ان کے منہ سے نہ نکل سکا۔ بھائی کی عظمت اور اس ان دیکھی عورت کی سامنے سرنگوں کرنے کو بہتر جانا۔

پھر

آپا نے ہی ہمت کی۔ اس کو پیار سے اٹھا کر سیدھا بٹھایا۔ اور گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں ''تم نے اتنی بڑی قربانی دی اور ہم بہنوں کو خبر نہ ہونے دی۔ اب ہمت سے کام لو۔ اب تم کر بھی کیا سکتے ہو وہ اک بیاہتا عورت ہے۔ یقیناً بال بچے ہوں گے۔ شوہر ہوگا میکہ سسرال ہوگا۔

''آپا۔ میں اسے اس حال میں دیکھ کر پریشان ہو گیا ہوں۔ اور کچھ بات نہیں بس پرانے زخم ہرے ہوئے تھے۔ آپ ان سے کوئی مطلب نہ نکالیں۔ ہاں آپ سے چند دنوں کی مہلت ضرور طلب کروں گا۔ دل ذرا سنبھل جائے تو جہاں چاہئے گا مجھے لے جایئے گا۔ امارہ اور حرا کی خاطر شادی تو کرنا ہی ہے۔ ہاں صرف ان کی خاطر''۔

آپا چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

عصمہ اپنے اندر کی تڑپتی بلکتی محروم عورت کا سامنا نہ کر پا رہی تھی۔ اس کے ہر استدلال کو نفی سے فریب دے رہی تھی۔ اثبات میں جواب دے کر وہ اپنے آپ کو اس چکر میں نہ ڈالنا چاہتی تھی۔ کہ اسے عنصر کا انتظار ہے اس کے آنے کی امید ہے۔

دوسرے دن بنک میں وہ سارا دن اپنے اندر کی عورت سے برسر پیکار رہی تھی۔ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنے آپ کو کام میں زیادہ مصروف کر لیا تھا۔ کچھ دیر وہ عفت سے بھی باتیں کرتی رہی تھی۔ عفت سے اس کے اچھے مراسم تھے۔ کولیگ بھی تھی اور صلاح کار بھی۔ عصمہ اکثر اسد کے متعلق اس سے مشورہ لیتی۔ اسد کے مزاج کے تغیر و تبدل سے اسے آگاہ کر دیا کرتی۔ عفت کی سوچ اور عقل جو کہتی وہ عصمہ کو اسی کی روشنی میں مشورہ دیا کرتی۔

آج بھی عفت نے عصمہ کو اس کی نارمل حالت میں نہیں دیکھا تو پوچھ لیا۔ ''کیا بات ہے عصمہ، اسد نے پھر پریشان کیا ہے''

وہ تلخی سے ہنسی ''یہ کوئی نئی بات تو نہیں عفت''

''تمہیں کہا ہے نا اس سے نرم رویہ رکھا کرو''

''تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میں اس کے لئے مساعد حالات پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کرتی ہوں''

''ملنے ملانے میں تو وہ بہت اچھا ہے۔ بالکل نارمل۔ باتیں بھی بہت سمجھداری کی کرتا ہے''

''یہی تو میری بدنصیبی ہے۔ وہ سب سے ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔ صرف مجھے سکھ کا سانس لینے نہیں دیتا''۔

''کلاس میں کیسا ہے''

''بس واجبی سا۔ جتنا پڑھنے کے لئے کہوں گی اتنا ہی چڑ جائے گا''

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو''

''یہ بھی تو نہیں کر سکتی۔ اس کی دوہری شخصیت پختہ ہوتی جا رہی ہے۔ میرے ساتھ بھی کبھی تو اتنا اچھا ہو جائے گا کہ کیا کہوں۔ لیکن جب اکھڑ پنے پر اتر آئے تو چین و سکون تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ سب سے تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ اکثر غصہ اپنی ذات پر اتارتا ہے۔ اپنے آپ کو اذیت دیتا ہے''

''اسے کسی سائیکٹرسٹ کو دکھاؤ۔ اچھا خاصہ نفسیاتی مسئلہ ہے''

ہاں سوچتی تو ہوں۔ لیکن وہ ایسا کیوں ہوا۔ سب کچھ تو میرے علم میں ہے''

''پھر بھی مشورہ کر دیکھو۔ اب وہ ماشاء اللہ جوان ہو رہا ہے۔ اذیت پسندی کی عادت اچھی تو نہیں۔ کسی وقت اپنے آپ کو زیادہ ہی تکلیف میں نہ ڈال لے''

عصمہ نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔ ایک عورت چیک کیش کروانے آئی تھی۔ اس نے چیک اس کی طرف بڑھایا۔

عصمہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔'' آپ چیک ان کو دیجیے'' اس نے چند فٹ پر بیٹھے ثناء اللہ کی طرف اشارہ کیا۔

عورت اس طرف چلی گئی۔ عصمہ نے بنک میں کھڑے لوگوں پر اک نگاہ ڈالی۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ جس سے لوگ اندر آ رہے تھے اور باہر جا رہے تھے۔

اس کی نظریں مایوس لوٹ آئیں

اس کا خیال تھا کہ عنصر آج پھر ضرور بنک آئے گا کل تو اس سے صرف سرسری سا سامنا ہوا تھا۔ اسے خیال ہی نہیں یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔

کیوں آئے گا؟

اس کا جواب وہ خود تو نہ دے پا رہی تھی۔ ہاں اس کے اندر کی عورت بڑے یقین سے کہہ رہی تھی کہ درمیانی سولہ سال ان محبتوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ وہ ماضی کی کھوج میں آئے گا۔ سب کچھ بھلا دینا اس کے امکان مین بھی

نہیں۔ حالات کتنے بھی مزاحم ہو جائیں پہلی محبت کو بھلا دینا کسی کے بس میں بھی نہیں ہوتا۔

لیکن

وہ نہیں آیا۔

بنک بند ہو گیا

دوسرے دن بھی یہی ہوا

اور

تیسرے دن بھی

وہ نہیں آیا۔ عصمہ دکھی ہو گئی عنصر کی بے مروتی پر غصہ بھی آیا۔ پھر اس کے متعلق سوچتی بھی رہی۔ ہو سکتا ہے وہ ان جذبوں کو ماضی میں دفن کر کے مستقبل کی راہوں پر گامزن ہوا ہو۔ اسے ایک خوشگوار زندگی میسر آ گئی ہو۔ وہ مالی حیثیت سے بہت مستحکم ہو گیا ہو۔" شادی کہیں اچھی جگہ پر کر لی ہو۔ اس کی مالی حیثیت کا اندازہ تو اس دن اسے دیکھ کر ہو ہی گیا تھا۔"

لیکن

یہ سب کچھ وہ جانے کیوں مان نہ رہی تھی۔ اس دن اس کی نظروں میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ انجانا نہیں تھا۔ پھر وہ اس کے پیچھے بنک سے نکل کر بھی آیا تھا وہ خود ہی اس سے گھبرا کر کترا گئی تھی۔ کیا تھا جو اس دن وہ اس سے حال احوال پوچھ لیتی۔ سولہ سال اس پر کس طرح بیتے تھے ان ہی کا کچھ نشان پا لیتی۔

لیکن

اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ ہوا کہ جھونکے کی طرح چلا گیا تھا۔ دھول میں دبی چنگاریوں کو ہوا دے گیا تھا۔ وہ نئے سری سے سلگنے لگی تھی۔ بیٹے کی پریشانی کم تھی حالات سے نبھاہ کا دکھ تھوڑا تھا۔ جو ظالم اک نئی اذیت میں ڈال گیا تھا۔

اس دن چھٹی تھی۔ اور وہ حسب معمول چھٹی کے دن کے کاموں میں

مصروف تھی۔ مومنہ کو ساتھ لے کر سودا سلف لانے مارکیٹ گئی تھی۔ کچن صاف کیا تھا اماں کی صفائی ستھرائی تو جیسی تھی سو تھی۔ چھٹی کے دن وہ کچن تو کیا سارا گھر صاف کیا کرتی تھیں۔ ہفتے بھر کے اٹھا رکھے کام بھی اسی دن کرنا ہوتے تھے۔ کپڑوں کی دھلائی اور استری تک اسی چھٹی کے دن ہوتی تھی۔ مومنہ اور اماں ہر کام میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

زیادہ وقت اسد کا کمرہ ٹھیک کرنے میں لگتا تھا۔ اس کے ذہن کی طرح کمرے کی ہر چیز بکھری اور منتشر ہوتی۔ ابھی تین چار ماہ پہلے اس نے اس کے کمرے میں نئی میٹنگ ڈالی تھی۔ پردے بھی نئے لگائے تھے اور بیٹھ کر پڑھنے کے لئے ٹیبل اور کرسی بھی بنوا کر دی تھی۔ لیکن جب وہ اس کا کمرہ صاف کرنے آتی تو لگتا کباڑ خانہ ہے۔ کتابیں کپڑے جوتے سب ادھر ادھر بکھرے ہوتے الماری کے پٹ کھلے ہوتے اور بنیانیں جرابیں سب باہر گر رہی ہوتیں۔ ہینگروں پر شاذ ہی کوئی کپڑا لٹکا ہوتا۔

وہ ہر چیز ٹھکانے پر رکھتی۔ اماں سے ٹھیک طرح سے جھاڑو لگواتی۔ خود ڈسٹنگ کرتی ہر چیز ٹھکانے پر رکھتی۔ اسد کا موڈ اچھا ہوتا تو خوش ہو جاتا اور ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتا۔ ''آپ کتنی اچھی ہیں امی'' وہ کہتا تو عصمہ کا جی چاہتا اسے سینے میں چھپا لے۔ وہ دعا کرتی کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔

لیکن

جب وہ خاموش ہوتا تو یہ صفائی ستھرائی اسے ایک آنکھ نہ بھاتی اور وہ منٹوں میں سب کچھ گڈمڈ کر دیتا۔

آج بھی عصمہ کو کام نپٹاتے تین بج گئے۔

فارغ ہو کر وہ نہائی دھوئی۔ کپڑے بدلے۔ اور بالوں میں بارش کرتے اماں سے کہا۔

''اماں زبردست سی چائے کی پیالی بنا کر میرے کمرے میں دے جانا''

''ساتھ کچھ لاؤں'' اماں نے پوچھا۔ آج سودا آیا تھا اور جب عصمہ سودا لاتی تو چائے کے ساتھ کھانے کو کوئی نہ کوئی چیز ضرور لاتی۔ بسکٹ کیک اور کچھ سموسے آج بھی لے کر آئی۔ اماں نے اسی لئے پوچھا تھا ''نہیں اماں'' وہ بولی ''صرف چائے کا ایک کپ ابھی گھنٹہ بھر پہلے تو کھانا کھایا ہے۔ شام بچوں کے ساتھ چائے پیوں گی۔ تو ساتھ کچھ کھائیں پئیں گے۔ یہ چائے تو میں تکان اتارنے کے لئے پینا چاہ رہی ہوں''

''بہت اچھا''

اماں کچن میں چلی گئی اور عصمہ لونگ روم میں آ گئی لونگ روم دونوں کمروں کے سامنے دالان نما کمرہ تھا یہی ڈرائینگ روم تھا یہی لاؤنج۔ ایک طرف کچن کے دروازے کے سامنے کھانے کی میز تھی۔ جس کے گرد چار کرسیاں پڑی تھیں۔ دیوار کے ساتھ شوکیس تھا۔ جس میں چینی کے وہ برتن پڑے تھے۔ جو کبھی کبھار کسی مہمان کی آمد پر استعمال ہوتے تھے۔ شوکیس کے اوپر مٹی کا گلدان تھا جس میں عصمہ نے آج تازہ پھول لگائے تھے۔ کمرے کا باقی حصہ لونگ روم تھا۔ جس میں ایک صوفہ سیٹ دو کرسیاں اور درمیانی میز کے علاوہ دو سائیڈ ٹیبل پڑی تھیں۔ یہ سارا سامان پرانا تھا۔ عصمہ کے جہیز ہی کا تھا۔ پردے اور میٹنگ سالوں بعد تبدیل ہوتی تھی۔ سال بھر پہلے اس نے یہ چیزیں تبدیل کی تھیں۔ اور اب کسی طور نئے پن کا تاثر نہ دیتی تھیں۔ دو بڑی کھڑکیاں باہر چمن میں کھلتی تھیں۔ داخلی دروازہ بھی یہیں تھا۔ بڑی سی پرانی کوٹھی کا یہ ایک حصہ تھا۔ چمن اس حصے کے آگے بھی تھے۔ جسے عصمہ نے تو کبھی بیٹھنے کے لئے استعمال نہیں کیا تھا۔ ہاں مومنہ اور اسد وہاں کھیلا کرتے تھے۔

عصمہ کے ہاں مہمان کم ہی آتے تھے۔ کبھی کبھی کوئی کولیگ آ جاتی۔ بھائی تو بھولے بھٹکے سے ہی کبھی آیا کرتے تھے۔ سسرالی عزیزوں نے تو لوٹ کر خبر ہی نہ لی تھی۔ چھوٹی نند دوبئی میں رہتی تھی۔ کبھی پاکستان آتی تو بچوں کو ملنے

چلی آتی۔ کچھ تحفے دے جاتی۔ اس کے علاوہ کبھی نہ کوئی آیا نہ ہی کسی نے مالی مدد کی۔

عصمہ چھوٹے صوفے پر آ بیٹھی اس کے ہاتھ میں نوٹ بک اور پن تھا۔ آج سودے سلف پر جو خرچ کیا تھا لکھنے بیٹھ گئی۔ اس نے بال ہیئر بینڈ سے باندھ رکھے تھے۔ چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔

وہ حساب لکھ رہی تھی کہ اسد ادھر آ گیا۔ وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تھا۔ ماں کے قریب آ کر وہ اس پر جھک گیا بازو اس کی گردن میں حمائل کر کے اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے بولا'' آپ بہت اچھی ہیں امی'' عصمہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ عصمہ نے اسے پیار کر لیا اور بولی'' آپ بھی تو بہت اچھے ہیں''۔

نہیں۔ وہ گھوم کر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیوں''

''میں آپ کو بہت ستاتا ہوں نا''۔

عصمہ مسکرائی اور بولی۔'' یہ احساس تمہیں اکثر ہوتا ہے''

''لیکن میں کیا کروں امی۔ مجھے جب''

''چلو جانے دو۔ تمہیں خوش دیکھ کر مجھے جو خوشی ملی ہے اسے ایسی باتیں کر کے غارت نہ کرو۔ بس یونہی خوش رہنے کی کوشش کیا کرو''

''اپنا کمرہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ آپ کتنا کام کرتی ہیں چھٹی کا دن ان کاموں کی نظر ہو جاتا ہے''

''میرے بچے یہ کام کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اپنے جگر گوشوں ہی کے لئے یہ کام کرتی ہوں نا''

اماں چائے کی گرما گرم بھاپ اٹھتی پیالی لے کر آئی۔ تو اسد نے پیالی اس سے لے کر ماں کو پیش کی۔

عصمہ نے پوچھا'' پیو گے''

''نہیں''

''شام کو اکٹھے پئیں گے۔ میں کیک اور سموسے لائی ہوں۔''

''گھر میں کیک اور سموسے کھانے کا کیا مزہ'' وہ پٹڑی سے اترنے لگا

''اور کہاں مزہ ہے'' اس نے جانتے ہوئے بھی پوچھا۔

''کسی ریسٹورنٹ۔ کسی بڑے ہوٹل میں جا کر پئیں تو مزہ بھی آئے''

''کبھی کبھار تو ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم جیسے لوگ اسے معمول نہیں بنا سکتے''

''ہم جیسے کیا مطلب؟''

''ہم جیسے سفید پوش لوگ۔ جنہیں حالات کا بھرم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے اسد۔ یہ پیسے والوں کی عیاشیاں ہیں''۔

''تو کیا ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں'' وہ تنک کر بولا۔

''پیسے ہوتے تو میں نوکری کیوں کرتی۔ شام کو ٹیوشن کیوں پڑھاتی۔ جانتے ہو ان پیسوں سے بمشکل ہمارا گزارہ ہو رہا ہے۔ ہمارے سروں پر چھت تک اپنی نہیں''۔

''لیکن بنک میں ہمارے ابو کا پیسہ ہے''

عصمہ کو اس کی یہ بات اکثر سننا پڑتی تھی۔ کبھی غصے میں آجاتی کبھی نرمی سے سمجھاتی۔ آج بھی اسے غصہ تو آیا لیکن نرم لہجے میں بولی'' اسد تم کیا سمجھتے ہو کہ بنک میں لاکھوں روپے جمع ہیں''

''ڈیڑھ لاکھ تو ہے نا''

''ابھی پتہ ہے میرے سر پر کتنے خرچ ہیں۔ تمہیں ابھی پڑھنا ہے مومنہ نے بھی آگے تعلیم حاصل کرنی ہے۔ ہمارا اپنا گھر نہیں۔ پھر تم دونوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ کیا ان سب خرچوں کے لئے یہ رقم بہت زیادہ ہے''

اسد نے برا سا منہ بنایا

عصمہ بولی'' میں جانتی ہوں تمہارا دل کیا چاہتا ہے لیکن کیا کروں مجبوری ہے۔ تمہارے ابو کے اثاثوں اور دادا کی جائیداد سے ہمیں حصہ مل جاتا۔ تو

تمہاری ہر تمنا پوری ہو جاتی۔"

اسد کا چہرہ تن گیا۔ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔ "میں بڑا ہو لوں ان سب سے نپٹ لوں گا جنہوں نے ہماری حق تلفی کی۔"

عصمہ بھانپ گئی کہ ابھی وہ الٹ پلٹ مارنے لگے گا۔ اس لئے اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے بولی "تم پڑھ لکھ کر لائق ہو۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ تو تمہیں سب کچھ مل جائے گا"۔

وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑایا "میں اتنی دیر انتظار نہیں کروں گا"

عصمہ ہنس پڑی۔ اور بولی "چلو موڈ ٹھیک کرو۔ جب بڑے ہو جاؤ گے تو دیکھ لینا۔ ہاں مومنہ کہاں ہے"

"ہوم ورک کر رہی ہے"

"جاؤ اسے کچھ مدد دو، اس کا میتھ کمزور ہے۔ اور تم ماشا اللہ اس میں بہت اچھے ہو" اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔

وہ اٹھا ہی تھا کہ کال بیل بجی۔

"دیکھنا ذرا، عصمہ نے کہا" اس وقت کون آ گیا"

"عفت آنٹی ہوں گی"

"اچھا ہے کچھ دیر گپ شپ چلے گی جاؤ دروازہ کھولو"

اسد دروازے کی طرف بڑھا۔

اسے کھول کر باہر دیکھا

ایک ہینڈسم سا آدمی خوبصورت اور قیمتی سوٹ میں ملبوس دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کی گاڑی برابر والے حصے کے ڈرائیوے میں کھڑی تھی۔ شاید وہ پہلے ادھر ہی گیا تھا۔

اسد نے سلام کیا۔

جواب میں اس نے ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھاتے ہوئے وعلیکم کہا۔

اسد نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ اس شخص

سے کبھی نہیں ملا تھا۔ مصافحے کے بعد وہ تعظیم سے بولا ''فرمائیے''۔

''مجھے مسز عصمہ رشید صاحب سے ملنا ہے۔ آپ غالباً ان کے بیٹے ہیں''۔

''جی ہاں'' وہ چند لمحے تذبذب میں رہا۔

''امی گھر پر ہیں''

''جی ہاں''

''میں نے ان سے ملنا ہے''

''ان سے کیا کہوں۔ کون آیا ہے''

''عنصر''

وہ چند لمحے ویسے ہی کھڑا رہا

''برخوردار اندر اطلاع کر دو''

''جی اچھا''

وہ اسے وہیں چھوڑ کر مڑا۔ اور ماں کے قریب جا کر بولا۔ ''ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں''۔

''کون ہیں؟''

''عنصر نام بتایا ہے''

عصمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ رنگت ایک لمحہ کو اڑی۔ چند لمحے کچھ نہ کہہ پائی۔

''بلا لوں انہیں۔'' وہ بولا

اس نے توقف کے بعد سر اثبات میں ہلایا اور کاپی پین ساتھ والی میز پر رکھ دیا۔

مومنہ کاپی پکڑے کمرے سے نکل آئی۔ ''کون آیا ہے امی''

''ہاں''۔ عصمہ گم صم سی تھی

''امی'' اس نے قریب آ کر کہا۔

''ہوں''

''کوئی مہمان آیا ہے''

''ہاں''

''کون!'' مومنہ نے پوچھا۔ لیکن عصمہ کے کچھ جواب دینے سے پہلے ہی عنصر اسد کے ساتھ اندر آ گیا۔



''آپا''

''ہاں''

''عنصر بھائی کہاں گئے ہیں''

''پتہ نہیں''

''کچھ بتا کر نہیں گئے''

''اوں ہوں''

مدیحہ اپنے دونوں بچوں کے ہمراہ ذکیہ آپا کے گھر آئی ہوئی تھی۔ چاروں چھوٹی بہنیں جب بھی بچوں کو چھٹیاں ہوتیں یا ممتا کی طلب ہوتی تو ذکیہ کے ہاں چند دنوں کے لئے آجاتیں۔ ذکیہ بھی ان کو بیٹیاں ہی سمجھتیں۔ اپنے تین بچے ہی تھے خاوند چند سال پہلے وفات پا گیا تھا۔ ذرائع آمدنی جائیداد کی وجہ سے اب بھی کافی تھے اس لئے بہنوں کا آنا انہیں بار نہ ہوتا۔ اس کی شوہر نے بھی ہمیشہ ان چاروں چھوٹی بہنوں کی سر پر دست شفقت ہی رکھا تھا۔ ان کے ماں باپ نہیں تھے بھائی امریکہ میں تھا۔ صرف یہی قریبی رشتہ تھا۔ سو وہ بے دھڑک آجاتی تھیں۔ ذکیہ جب سے بیوہ ہوئی تھی۔ عنصر ہمیشہ اس کی مالی معاونت کرتا تھا۔ دوسری بہنوں کے لئے بھی کبھی کبھار تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔

اب عنصر آیا تھا تو مدیحہ اسے ملنے آئی تھی۔ دوسری تینوں بہنوں کے بھی آنے کا پروگرام تھا۔

اس وقت مدیحہ لاؤنج میں ذکیہ آپا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دونوں چائے پی رہی تھیں۔ مدیحہ کا چودہ سالہ بیٹا اور گیارہ سالہ بیٹی امارہ اور حرا کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ امارہ اور حرا پوری دلچسپی سے ان دونوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی اردو انہیں آتی تھی۔ تھوڑی بہت انگلش ثانی اور نیشہ بول لیتے تھے۔ گزارہ چل رہا تھا۔

دونوں بہنیں چائے پیتے ہوئے باتوں میں بھی مشغول تھیں۔ مدیحہ کا جی چاہ رہا تھا اس وقت عنصر بھی یہاں ہوتا۔ اور تینوں مل کر گپ سپ لگاتے۔ کو دو دن سے تینوں رات ایک ایک بجے تک بیٹھے باتیں کرتی تھے۔ لیکن مدتوں بعد ملنے والے بھائی سے وہ جی بھر کر باتیں کرنا چاہتی تھیں۔

ایک خوشی یہ بھی تھی کہ بھائی یہاں شادی کرنے کے لئے آیا ہے۔ پاکستانی عورت ان کی بھابی بنے گی۔ یہ خیال خوش کن تھا۔ کو وہ جانتی تھی کہ عنصر شادی کر کے گیا تو مدتوں کے فاصلے ان کے درمیان پھر حائل ہو جائیں گے۔

''اور چائے لیں گی'' مدیحہ نے ذکیہ کی کالی پیالی دیکھ کر کہا۔

''بنا دو'' اس نے کہا پھر بچوں کو مخاطب کر کے بولی'' آؤ بچو۔ کھانے کو کچھ لے لو۔''

''اچھا آنٹی'' عیشہ اٹھ کر آئی۔ ذکیہ نی ایک پلیٹ میں بسکٹ اور دوسری میں نمکین دال ڈال کر اسے دی۔

عیشہ مڑی تو وہ بولی'' لارہ اور حرا کو دال زیادہ نہ دینا۔ پہلے ہی ان کے پیٹ ٹھیک نہیں ہو رہے''

''وہ تو ہونا ہی تھے'' مدیحہ پیار سے دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی''۔ وہاں ایسی چیزیں تھوڑا ہی کھاتی ہوں گی۔ پھر یہاں کا پانی بھی''

''وہ تو ابال کر ہی دے رہی ہوں۔ کھانا بھی ان کے لئے الگ ہی بنتا ہے۔ اکثر ابلی ہوئی چیزیں ہی کھاتی ہیں''

مدیحہ نے پیار سے ان کو دیکھا اور بولی'' شکر ہے بھائی جان انہیں ساتھ لے آئے نہ لاتے تو ہم لوگوں نے انہیں کہاں دیکھنا تھا''

''بالکل'' وہ بولی۔

''آپا'' ذکیہ پیالی اٹھانے لگی تو مدیحہ بولی۔

''ہوں''

''یہ'' اس نے دونوں بچیوں کی طرف اشارہ کیا۔''ماں کو تو یاد کرتی ہوں گی''۔

''کچھ خاص نہیں۔ پہلے پہلے عنصر کہتا ہے دونوں بہت اداس ہوئیں بے چارے کو بہت مصیبت پیش آئی''

''کیسی مائیں ہیں۔'' مدیحہ نے کہا

''ہوں'' ذکیہ نے چائے کا گھونٹ لیا۔

''میرے بس میں ہو تو دونوں بچیوں کو یہیں رکھ لوں۔ کتنی پیاری ہیں دونوں''

''امارہ تو بالکل امریکن لگتی ہے''

''ماں پر ہو گی''

''عنصر کہتا ہے جینی بہت خوبصورت تھی''

''حرا میں مشرقیت ہے''

''ملیحہ سے کتنی مشابہت ہے''

''ہاں واقعی''

مدیحہ چند لمحے چپ رہی پھر مسکراتے ہوئے بہن کو دیکھا اور بولی حرا کو تو میں اپنی بہو بناؤں گی''

ذکیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔''بہت دور کی سوجھی''

''کیا ہوا''۔وہ اسی انداز میں بولی''وقت گزرتے کونسی دیر لگتی ہے آپا''

''وہ تو ٹھیک ہے''ذکیہ بسکٹ کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے ہنسی''

''لیکن جس ماحول میں حرا رہی ہے یا رہے گی۔وہ تمہارے بیٹے کو کہاں قبول کر پائے گی''

مدیحہ ہنس کر بولی۔''تو میں عنصر بھائی سے کہتی ہوں ثانی کو ساتھ ہی لے جائیں''

''اے ہے''ذکیہ بھی ہنسی''اتنا دل آ گیا حرا پر جو بیٹے سے بھی علیحدگی پر

آمادہ ہو گئیں''

''اچھا ہے امریکہ چلا جائے گا۔ پڑھ لکھ جائے گا اور''

وہ کچھ کہتے ہوئے رک گئی۔ ثانی اٹھ کر ان کی طرف آ گیا تھا'' چائے ہے آنٹی''

''ہاں پیو گے'' ذکیہ نے پوچھا۔

''آدھی پیالی'' وہ بولا

مدیحہ نے آدھی پیالی چائے بنا کر اسے دے دی۔

وہ پیالی اٹھائے پھر ادھر ہی آ گیا۔ جہاں لمارہ اور حرا کی لائی ہوئی گڑیوں اور کھلونوں سے سب کھیل رہے تھے۔

مدیحہ اور ذکیہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے پھر باتیں کرنے لگیں۔

وہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فون صوفے کے ساتھ والی چھوٹی ٹیبل پر رکھا تھا۔ مدیحہ نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اور ذکیہ کی طرف بڑھا دیا۔

ذکیہ نے ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی پکڑ رکھی تھی۔ دوسرے سے فون پکڑ لیا۔ کان سے لگاتے ہوئے بولی'' ہیلو''

کسی مسز عباسی کا فون تھا۔ مدیحہ چائے پینے لگی اور وہ مسز عباسی سے باتیں کرنی لگیں۔ ذکیہ کی باتوں سے مدیحہ کو اندازہ ہو گیا۔ کہ بات چیت رشتے کے متعلق ہو رہی ہے۔ وہ دلچسپی سے بہن کا منہ تکنے لگی۔

کچھ دیر فون پر گفتگو ہوتی رہی۔

''میں خود ہی آپ کو مطلع کر دوں گی۔ آپ تردد نہ کریں رشتہ تو وہیں ہو گا جہاں ان کی قسمت ہو گی۔ بہر حال جس دن آنا ہوا آپ کو بتلا دوں گی۔ یقین مانیں میں عنصر کو لے کر ابھی کہیں بھی نہیں گئی۔ ہاں۔ جی ہاں آپ کو بتا دوں گی۔ شکریہ۔ خدا حافظ''

اس نے فون واپس مدیحہ کو تھما دیا اور چائے ایک ہی لمبے گھونٹ میں ختم

کرتے ہوئے پیالی واپس میز پر رکھ دی۔

''یہ مسز عباسی کون ہیں۔'' مدیحہ نے فون واپس رکھتی ہوئے پوچھا۔

ذکیہ قدرے بیزاری سے بولی ''ہیں ایک خاتون''۔

''رشتے کی بات ہو رہی تھی''

''ہاں۔ کسی نے مجھے اس کی بیٹی کا بھی بتایا تھا۔ ایم اے پاس ہے، اچھی شکل وصورت کی ہے۔ گھر بار بھی اچھا ہے''

''تو پھر؟''

''پھر میں کیا کروں۔ کرنا تو عنصر نے ہی ہے۔ وہی پوچھ رہی تھی۔ کہ بھائی کو لے کر کب آئیں گی''۔

''عنصر بھائی کیا کہتے ہیں۔ آپ نے تو دو تین رشتے دیکھ رکھے ہیں''

''میں نے تو دیکھ رکھے ہیں۔ اب وہ بھی دیکھ کر اپنی پسند بتائے تو بات آگے بڑھے نا''

''تو لے کر جائیں نا انہیں''

''وہ جائے بھی''

''کیوں؟ وہ کیوں نہیں جاتے''

''بس کہتا ہے ابھی طبیعت ٹھیک نہیں۔ جب جانا ہو گا کہہ دوں گا''

''لو یہ کیا بات ہوئی۔ اتنے دن رشتے دیکھنے ہی میں ضائع کر دیئے۔ تو بات کیسے بڑھے گی''۔

''یہ تو اسی کو پتہ ہو''۔

''آپ ان سے کھل کر بات کریں نا۔ ویسے ان کا پروگرام کیا ہے''

''پروگرام تو یہی تھا۔ کہ رشتہ طے کر کے نکاح کر لیں گے۔ پھر وہ کاغذات اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ویزا ملنے پر رخصتی ہو گی''۔

''ویزا ملنے میں بھی تو کچھ دیر لگے گی''

''عنصر امریکن سیٹیزن ہے۔ ویزا تو شاید جلدی لگ ہی جائے۔ پہلے

بنیاد تو اٹھے''

''وہ آئے تو شادی ہی کے ارادے سے ہیں۔ پھر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے''

بس اب میں کیا کہوں۔ اچھا بھلا جانے اور رشتے دیکھنے پر رضامند تھا۔ اس دن کوئی پرانی دوست مل گئی۔ تب سے پریشان ہے ہاں نہ ہی نہیں کر رہا''۔

''پرانی دوست ہے''۔ مدیحہ بہن کے قریب آتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں بولی۔ کیا اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

''اے ہے وہ سولہ سال کی بیاہتا عورت ہے۔ بچے بھی ہوں گے شوہر بھی۔ ذکیہ بولی۔

''تو پھر ان کی پریشانی کیسی''

''اللہ جانے''

مدیحہ نے بار بار سوال کئے۔ تو ذکیہ نے عنصر کی ساری روئیداد اسے سنا ڈالی۔ مدیحہ سن کر حیران ہوئی۔ عنصر کے لئے دل میں جذبہ ترحم بھی ابھرا۔ لیکن اب کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ تو ناحق پریشان ہو کر اپنی شادی کا معاملہ التوا میں ڈالنے کی کیا تک تھی۔

دونوں بہنیں اسی موضوع پر باتیں کرنے لگیں۔

ذکیہ بولی ''جہاں جہاں میں نے رشتے کی بات کی ہے وہ سب مجھے فون پر فون کرتے ہیں میں نے کسی سے وعدہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تیس بتیس سال کی بیٹیوں کی بات طے ہو ہی جائے''

''یہ تو قدرتی سی بات ہے آپا۔'' مدیحہ بولی ''جن کی بیٹیاں اتنی عمروں کو پہنچ چکی ہوں ان کی لئے تو نصر بھائی کا رشتہ بہت بڑی نعمت ہے۔ ہینڈسم شریف اور امریکہ جیسی جگہ میں مالدار آدمی تو ان کے خوابوں کی تعبیر تو ہو گا ہی''۔

''بالکل۔ ان لوگوں کو تو جلدی جو ہے سو ٹھیک ہی ہے اب اس کا کیا

کروں"

"آج آئیں تو کھل کر بات کریں نا۔ کیوں وقت ضائع کر رہی ہیں۔ ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو کتنی پریشانی کا سامنا ہے"

"کہیں حامی بھر لے تو کسی ایک کی قسمت تو کھل جائے"

"بالکل"

"آج آئیں نا تو آپ ضرور بات کریں۔ معاملے کو یونہی طویل کرنا اچھی بات نہیں"۔

"ہوں"

مدیحہ پوری سنجیدگی سے باتیں کرنے لگی۔ ذکیہ اس کی باتیں سنتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ واقعی آج عنصر آئے تو وہ اس سے کھل کر بات کرے گی۔

☆☆☆

عنصر کو لونگ روم میں لا کر اس نے ماں کی طرف اشارہ کیا ''وہ امی بیٹھی ہیں''

عنصر نے سر کو اثباتی انداز میں جنبش دی۔

''انکل۔تشریف رکھئے'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔عصمہ نے نظریں اٹھا کر عنصر کی طرف دیکھا۔اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔چند لمحوں کے لئے وہ کمزور سی پڑ گئی۔

لیکن

جلد ہی اس نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔اپنے اوپر سولہ سال کی گزران محیط کر لی۔ایک یخ بستہ سی بے مہری اس پر مسلط ہو گئی۔ماضی کو جاتی ساری یادوں کی راہگزاریں اس نے ملیا میٹ کر دیں۔اب وہ حال کی گھڑی میں تھی۔

عنصر نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے رویے سے کچھ بجھتے ہوئے سلام کیا۔

اس نے جراءت مندانہ انداز میں سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا ''بیٹھیے''

''شکریہ'' وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

چند لمحے دونوں چپ رہے۔

پھر

عنصر نے ہی بات کرنے کو کہا ''یہ برخوردار یقیناً آپ کے صاحبزادے ہیں''

''جی'' اس نے کہا ''اسد میرا بڑا بیٹا ہے۔اس سے چھوٹی بیٹی ہے مومنہ''

''دو بچے ہیں''۔

''جی''۔

دونوں پھر چپ ہو گئے۔عنصر لمحوں بعد اسے دیکھ رہا تھا۔عصمہ اتنے آہنی حصار کے اندر مقید ہو گی اس کا اسے اندازہ نہ تھا۔وہ اتنے نپے تلے اور سرد مہری

میں لپٹے جواب دے رہی تھی کہ عنصر کھل کر بات کرنے کا حوصلہ نہ پا رہا تھا۔

پھر بھی

وہ آیا تھا تو باتیں کرنا ہی تھیں۔ ضروری تو نہیں تھا کہ یہ باتیں ماضی کے حوالے سے رومان پرور ہی ہوں۔ ویسے بھی اب وہ نوجوانی کی ہیجانی دور میں تو نہیں تھے۔ وقت اور حالات نے جذبوں میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا۔ ذمہ داریوں نے ذات کے اندر جھانکنے اور درد و اذیت کی کیفیات کو محسوس کرنے کے لئے چھوڑا ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی دونوں ایک دوسرے کے سامنے اپنے نارمل انداز ہی میں آنا چاہتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لگتا تھا دونوں ہی آئینوں میں اپنا عکس چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

''آپ کیسے آئے'' کافی توقف کے بعد عصمہ نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی وجیہہ و شکیل تھا۔ بلکہ عمر کے ساتھ سنجیدگی بھی اتر آئی تھی۔ وہ بہت ہی گریس فل لگ رہا تھا۔ ڈریس اپ بھی بہت عمدگی سے ہوا تھا۔ نظر چند لمحوں کے لئے اس پر ٹھہر ہی گئی۔

''میں'' وہ قدرے مسکرایا اور ہولے سے پہلو بدل کر ہاتھ صوفے کے بازو پر رکھ کر بولا ''بس آ گیا''

''میرا پتہ کہاں سے لیا'' وہ بولی۔

''پتہ لینا کوئی بڑی بات نہ تھی''

''بنک میں سے کسی نے بتایا''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر'' ۔ وہ حیران ہوئی۔

عنصر کا جی چاہا کہ کہے ''ڈھونڈ لیتے ہیں ڈھونڈنے والے'' لیکن اس وقت اس قسم کی گفتگو کے لئے فضا سازگار نہ تھی۔

اس لئے

سنجیدگی سے آگے کو جھکتے اور دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں الجھاتے

ہوئے بولا ''شاید میں نہ آتا''۔

وہ چپ رہا تو عصمہ نے پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں عصمی۔'' جانے اس نے دانستہ عصمی کہا یا منہ سے نکل گیا۔

''مجھے عصمہ کہتے ہیں'' وہ ہولے سے بولی۔

''کہتے ہوں گے'' وہ برجستہ بولا ''لیکن میں تمہارا یہی نام جانتا ہوں۔ پلیز مجھے اسی نام سے مخاطب کرنے پر آئندہ نہیں ٹوکنا۔ میں تمہارا اور کوئی نام نہیں جانتا''۔

عنصر قدرے بے تکلف ہو کر آپ سے تم پر بھی آ گیا تھا۔ عصمہ اپنی حصار میں مقید ہو کر بھی اس بے تکلفی کو برداشت کر گئی۔

''ہاں تو''۔ وہ چند لمحے اس کے خوبصورت سنجیدہ اور باوقار چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا ''میں شاید تمہارے ہاں نہ آتا۔ میں پہلے بھی ایک بار امریکہ سے پاکستان آیا تھا۔ میں نے تمہیں نہیں کھوجا تھا۔ لیکن اب''۔

وہ چپ ہوا تو عصمہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اب کیوں''۔

اس نے سر جھکا لیا۔ اور اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ''اس دن اتفاق ہی سے تمہیں بنک میں دیکھا۔ تمہارے رنگ ڈھنگ بدلے ہوئے تھے۔ تمہارا لباس بالکل معمولی تھا۔ تمہارے چہرے پر مایوسیوں کی گہری چھاپ تھی۔ تمہاری آنکھوں میں اداسی تھی۔ تم''۔

عصمہ نے ایک گہری سانس روکی۔ سر کو نفی کے انداز میں بے بسی کے عالم میں حرکت دی۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچیں اور پھر کھول دیں۔

عنصر اسے بغور تک رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت سے اسے دکھ ہو رہا تھا۔ وہ آہستگی سے بولا، تمہیں میں جن حالات میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ ان حالات کے برعکس تھے۔ تم ایک متمول گھرانے میں بیاہی گئی تھیں۔ تمہارا شوہر ایک بڑا سرکاری افسر تھا۔ تمہارے پاس گاڑی تھی۔ تمہیں ملازمت کرنے کی ضرورت

ہی کیا تھی تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھے ذہنی دھچکہ لگا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ شاید ان باتوں کا اب تم مجھے حق نہ دو۔ لیکن میں اپنی ذہنی اور دلی کیفیات نہیں چھپا رہا''۔

عصمہ نے سر جھکا لیا تھا وہ کچھ نہیں بولی۔

وہ پھر بولا ''میں تمہیں اسی حالت میں پاتا۔ جس میں تم تھیں۔ تو کبھی تمہارے متعلق جاننے کی کوشش نہ کرتا۔ ملنے کا تو سوچ بھی نہ سکتا۔ میں ازدواجی زندگی کے تقدس کو کبھی پامال نہ کرتا۔ لیکن تمہاری بدلی ہوئی حالت اور بدلے ہوئے حالات نے مجھے یقین مانو اتنا بے چین اتنا پریشان کیا اتنا دکھ دیا کہ بتا نہیں سکتا''

وہ اب بھی خاموش بیٹھی تھی۔

''مجھے رشید صاحب کے فوت ہونے کا بہت افسوس ہوا''۔ وہ افسردگی سے بولا۔

''آپ کو کس نے بتایا''۔ وہ رک رک کر بولی۔ اس کے آنسو بہانے کی عادی آنکھیں آپوں آپ جھلملا گئیں''۔

''علی رضا نے مجھے، علی رضا سے سب پتہ چلا۔''

''علی رضا؟''۔

''ہاں تمہارے چھوٹے بھائی کا دوست علی رضا۔ وہ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے''۔

وہ آپ کو کہاں ملا''

''اتفاق ہی سے مارکیٹ میں مل گیا۔ میرا ارادہ پہلے بنک ہی سے تمہاری کسی کولیگ سے پتہ پوچھنے کا تھا۔ لیکن جھجک تھی۔ لوگ یونہی باتیں اڑا دیتے ہیں۔ ایک عورت کے متعلق کسی سے پوچھنا گھر کا پتہ دریافت کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ قدرت کو شاید میری بے چینیوں کا خیال آ گیا۔ اتفاق ہی سے رضا مل گیا''۔

''ہوں''

اس نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا۔تمہارے ساتھ سسرال والوں کی جو زیادتیاں ہوئیں جو تمہارے بچوں کی حق تلفیاں ہوئیں اپنی بھابیوں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا اس نے سب کچھ بتا دیا''۔

عصمہ کی آنکھوں سے آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔ اس نے انہیں آنکھوں ہی میں پینے کی بہت کوشش کی تھی۔لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ دل بھرا ہوا تھا۔آنسو بہتے رہے۔عنصر گم صم سا بیٹھا رہا۔

پھر

آہستگی سے بولا''میں نے ساری باتیں بتا کر شاید تمہیں دکھ پہنچایا ہے''

اس نے دوپٹے کے آنچل سے آنکھیں پونچھیں اور گلوگیر آواز میں بولی

''دکھ سہنے کی عادت ہو چکی ہے''

''عصمی میں تمہارے بارے میں اتنا کچھ جان کر پھر بھی یہاں نہ آتا تو کیا یہ زیادتی قابل معافی تھی۔ یقین مانو تم سے الگ ہونے کا مجھے شاید اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ جتنا تمہارے حالات سن کر ہوا تم نے اکیلے اکیلے ہی اتنے دکھ جھیل لئے''۔

''ازلی بدنصیبوں کو دکھ جھیلنے کا ملال نہیں ہوتا۔نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا''

عنصر کا دل دکھ گیا۔اس کی آنکھوں میں اذیت لہریں لے رہی تھی۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے۔گزرے دنوں کا ماتم اسی طور ہی کیا جا سکتا تھا۔

پھر

عصمہ نے آنکھیں پونچھ ڈالیں اب اس میں کچھ اعتماد آ گیا تھا۔اس کے حالات سن کر عنصر کو آنا ہی چاہیے تھا۔کوان کا کوئی رشتہ استوار نہ ہو سکا تھا۔

لیکن

دونوں دوست تو تھے۔

پرانے دوست

اور پرانے دوستوں کو ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا احساس ہوتا ہی ہے۔

دونوں باتیں کرنے لگے۔

''سنا ہے رشید بہت اچھے انسان تھے۔''عنصر نے کہا۔

''بہت''۔وہ آہستگی سے بولی''اتنے اچھے تھے کہ انہیں کھونا میری سب سے بڑی بدقسمتی تھی۔وہ ایک جانثار کرنے والے شوہر اور باپ تھے۔ان کی بے وقت موت نے سب کچھ درہم برہم کردیا۔اس موت نے سب سے زیادہ میرے بیٹے کو متاثر کیا ہے۔اتنی محبتوں اور شفقتوں کے عادی بچے کو جو ٹھوکریں کھانا پڑیں۔''وہ پھر رونے لگی۔

عنصر سر جھکائے بیٹھا رہا۔

کچھ وقت گزر گیا۔پھر عصمہ نے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔اور ملائمت سے بولی''آپ پاکستان کب آئے؟ کہاں ہوتے ہیں امریکہ میں''

عنصر نے بتایا کہ وہ چند دنوں سے یہاں آیا ہوا ہے۔امریکی ریاست کیلیفورنیا میں رہ رہا ہے۔وہاں بزنس کرتا ہے۔

''اپنے بچوں سے تو ملاؤ''عنصر نے معمولی سی تفصیلات بتائیں اپنی مطلقہ بیوی کا ذکر کیا نہ بچیوں کا۔

عصمہ اٹھتے ہوئے بولی''بلاتی ہوں''

وہ اٹھ کر اسد کے کمرے میں گئی۔خلاف معمول اسد کا موڈ اچھا تھا اور وہ اور مومنہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

''بچو''۔وہ دروازے میں کھڑے کھڑی بولی۔

''جی''دونوں متوجہ ہوگئے۔

''باہر آؤ۔انکل سے ملو۔''وہ بولی

''یہ کون سے انکل ہیں امی۔میں نے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔''اسد

بول۔

''یہ میرے مدر کے عزیز ہیں۔ سولہ سال بعد امریکہ سے آئے ہیں۔ تمہارے ابو کی وفات کا انہیں یہاں آکر پتہ چلا ہے۔ اس لئے افسوس کرنے آئے ہیں۔ چلو تم چل کر ان سے ملو میں چائے بنواتی ہوں''۔

اچھا

دونوں بچے اٹھے۔ اسد نے بالوں میں برش کیا کپڑوں پر نگاہ ڈالی مومنہ نے بھی بال درست کئے۔ دونوں باہر آ گئے

عصمہ، کچن میں چلی گئی۔

دونوں عنصر کے قریب آئے اور مودبانہ انداز میں سلام کیا۔

عنصر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسد کے گلے ملا اور مومنہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا پیار کی ٹھنڈک نے اسد پر بڑا مثبت اثر کیا۔

''بیٹھیے'' اس نے عنصر سے کہا وہ بیٹھا تو خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ مومنہ قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اسد عنصر کی شخصیت سے بڑا متاثر ہوا۔ ویسے بھی اسے اونچی حیثیت کے لوگ اچھے لگتے تھے۔ خود بھی ان ک سا بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ عنصر تو اتنی محبت سے پیش آ رہا تھا ایسی محبت۔

جس کا مزہ اس نے بچپن میں چکھا تھا۔

دل میں اترنے والی بے لوث محبت۔

جو اس کے اندر خوشبو کی طرح پھیل گئی تھی۔

جس نے کھلی اور نرم پھوار کی طرح اسے اندر سے بھگو دیا تھا۔

محبت جس میں کوئی تصنع نہ ہو، کھوٹ نہ ہو، ملاوٹ نہ ہو انسان کو متاثر کئے بنا نہیں رہتی۔ اور وہ دل جو سوکھے سڑے کھیتوں کی کیفیت کا حامل ہو۔ اس پر تو جب محبت کی پھوار پڑے تو اس کی ہریالی اور شادابی لوٹ آتی ہے۔ یہی حال اسد کا ہوا۔ عنصر نے اسے گلے سے لگایا۔ تو تراوت اور ٹھنڈک اس کی اندر اتر

گئی۔ اور جب وہ اس سے پیار بھرے انداز میں باتیں کرنے لگا تو وہ سرشار سا ہو گیا۔ عنصر کو بھی تو دونوں بچے بہت پیارے لگے تھے۔ ان کے لئے اس کے دل میں پیار امنڈ آیا تھا۔ یہ یتیم بچے جو باپ کی محبت کو ترسے ہوئے تھے۔ عنصر نے انہیں پیار دیا تو کوئی احسان سمجھ کر نہیں بلکہ ان کا حق جیسے انہیں لوٹایا۔

بچے اس کی صحبت میں بہت خوش تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس سے بڑے گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ عنصر ان سے ان کی پڑھائی کے متعلق پوچھنے لگا۔

''آپ کس کلاس میں ہیں اسد''۔

''انکل میں میٹرک کا امتحان دوں گا اس دفعہ''

''اچھا۔ اور آپ مومنہ''

''میں ساتویں میں ہوں''

''اسد آپ کا امتحان تو سر پر آ رہا ہے؟''

''جی''

تیاری کیسی ہے''

''بس کر رہی رہا ہوں انکل''

''یہ کیا بات ہوئی۔ اب تو تمہیں ہر مضمون ازبر ہونا چاہیے''

وہ قدرے شرماتے ہوئے بولا ''میں اتنا اچھا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔ بس پاس ہو جاتا ہوں''

''بری بات'' عنصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''محنت نہیں کرتے''

وہ سر جھکا کر چپ ہو رہا تو مومنہ بولی ''انکل۔ امی انہیں بہت کہتی ہیں۔ سائنس سبجیکٹ کے لئے ٹیوشن بھی رکھ دی ہوئی ہے۔ لیکن موڈ ہو تو پڑھتے ہیں نہ ہو تو بس''۔

مومنہ۔ اسد کو اس پر غصہ آ گیا۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھانے کو لپکتا۔ عنصر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھما لیا اور مسکراتے

ہوئے بولا ''نہیں بھائی مومنہ آپ کی چھوٹی بہن ہیں''۔

''شکایت کیوں لگاتی ہے'' وہ مجوب سا ہو کر بولا۔

''شکایت کہاں'' عنصر نے اس کی گال تھپکی ''وہ تو مجھے بتا رہی ہے''۔

اسد چپ ہو گیا۔ تو مومنہ نے پھر شکایتی انداز میں کہا ''انکل ان کو غصہ بہت جلد آ جاتا ہے''۔ عنصر نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی اور بولا ''اب نہیں آئے گا۔ یہ مجھ سے وعدہ کریں گے''

اسد نے برا سا منہ بنایا۔ لیکن عنصر کو مسکراتے اور ہاتھ بڑھاتے پا کر وہ بھی مسکرانے لگا اس نے اپنا ہاتھ عنصر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''پکا وعدہ'' عنصر نے دوسرے ہاتھ سے اپنے ہاتھ پر رکھا اس کا ہاتھ ملائمت اور پیار سے دبایا۔ اسد وقتی طور پر بڑا مرعوب ہوا۔ اس کا جی چاہا عنصر کے ہاتھ چوم لے۔ محبت کی گرمی سے اس کے اندر برف کی منجمد تہیں از خود پگھلنے لگی تھیں۔

عنصر اسے نرم لہجے میں پڑھائی اور محنت کے متعلق لیکچر دینے لگا۔ اسے تلقین کی کہ وہ عہد کرلے کہ میٹرک اعزازی نمبروں سے پاس کرے گا۔

اسد اس کی باتیں ذہن نشین کرتا رہا۔ مومنہ بھی پوری طرح سے اس کی باتیں ذہن نشین کیئے گئے۔ دونوں بہن بھائی کو یہ اجنبی انکل بہت ہی اچھا لگا۔ ایسی محبت بھری باتیں اور نصیحتیں تو کبھی اپنوں نے بھی نہ کی تھیں، چچا تو کبھی ملتے ہی نہ تھے۔ ماموں جو کبھی کبھار آ جاتے تھے ان کا رویہ اور پیار کا اظہار کبھی بھی ایسا نہ رہا تھا۔

پڑھائی کی باتیں تو شاید ختم نہ ہوتیں۔ اسد ہی نے سلسلہ گفتگو دوسری طرف موڑ دیا۔

''انکل'' وہ بولا

''جی بیٹے''

''آپ امریکہ سے آئے ہیں''

''ہاں''

''وہیں رہتے ہیں''

''سولہ سال ہوئے پاکستان چھوڑے ہوئے''

''سولہ سال کے بعد آئے ہیں''

''نہیں۔ایک دفعہ پہلے بھی آیا تھا۔میری بڑی بہن جو یہاں رہتی ہیں ان کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔تین ہفتوں کے لئے آیا تھا''۔

''بس؟''

''ہاں''

''اور اب کتنے ہفتوں کے لئے آئے ہیں''مومنہ نے پوچھا

''آیا تو تین ماں کے لئے ہوں''

آہ۔وہ جلدی سے بولی''آپ تین مہینے یہاں رہیں گے''

''تین ہفتے تو گزر بھی گئے''

''آپ پہلے ہمارے گھر کیوں نہیں آئے''

''مجھے کب پتہ تھا کہ آپ لوگ بھی اسی شہر میں آگئے ہوئے ہیں''

''ہاں۔اسد بولا۔''امی کو نوکری یہاں جو ملی تھی۔''

عنصر نے دونوں بچوں کو دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔''مجھے تم لوگوں کے حالات جان کر بہت دکھ ہوا۔تمہارے ددھیال والے تو خاصے پیسے والے لوگ تھے۔صاحب جائیداد تھے''۔اسد کے اندر غصے کی لہر اٹھی جھٹ سے بولا انہوں نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔میں بڑا ہو جاؤں انکل تو ان سے ایسا بدلہ لوں گا کہ یاد رکھیں گے سب۔اور انکل ہمارے ماموں بھی تو بس ایسے ہی ہیں انہوں نے بھی ہمارے اور امی کے لئے کچھ نہیں کیا''

دونوں بچے بچپنے کی معصومیت کے ساتھ باری باری بولنے لگے۔اسد کی یادوں میں جو کچھ محفوظ تھا اس نے بلا کم و کاست عنصر کے سامنے کھول کر رکھ دیا''

عنصر کو دکھ تو ہوا۔ لیکن اس نے بچوں کو پیار کیا حوصلہ دلایا اور یہ دل شکن باتیں نظر انداز کر کے انہیں اچھا بننے کی تلقین کی۔ خاص کر اسد کو تو بہت سمجھایا۔ کہ وہ منفی سوچیں ذہن سے نکال دے اور خود کچھ بننے کی کوشش کرے۔

موضوع پھر دوسری طرف مڑ گیا۔ اب بچے اس سے امریکہ کے متعلق پوچھنے لگے۔ وہ ملک کیسا ہے وہاں لوگ کس طرح رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

عنصر انہیں آسان لفظوں میں وہاں کی زندگی کے متعلق بتانے لگا۔ بچے بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سننے لگے۔ انہیں لگ رہا تھا وہ خوابوں کی دنیا میں ہیں۔

اسد کا فی مرعوب و مسحور ہو رہا تھا۔ عنصر چند لمحوں کے لئے رکا۔ تو اسد بولا

''انکل میں امریکہ جا سکتا ہوں''

''ضرور جا سکتے ہو۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھ لو''

''کیا انکل''

''محنت کے بغیر وہاں کچھ نہیں ملتا''

''میں محنت کروں گا''

''تو اب سے محنت شروع کر دو۔ پہلے میٹرک کا امتحان اعزاز سے پاس کرو''

مومنہ ہنس کر بولی ''اب یہ کچھ نہیں بولیں گے انکل۔ امریکہ جانے کا شوق آ گیا لیکن محنت سے جی چرائیں گے''

''نہیں بیٹے'' عنصر بیشتر اس کے کہ مومنہ پر غصے میں آ کر ہاتھ اٹھاتا جلدی سے بولا ''اسد نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اب محنت کرے گا کیوں اسد؟''

''بالکل''

چند منٹ وہ تینوں باتیں کرتے رہے۔ پھر عنصر نے آستین قدرے اونچی

کر کے گھڑی دیکھی اور بولا ''کافی وقت ہو گیا اب مجھے چلنا چاہیے''۔

''امی چائے بنا رہی ہیں انکل۔'' مومنہ بولی۔

''ایسے ہی تکلف میں پڑ گئیں''۔ عنصر نے کہا۔ ''ہماری گپ شپ میں وہ بھی شریک ہوتیں تو اچھا تھا۔

''انکل'' اسد نے کہا ...... ''جی''

آپ پھر کب ہمارے گھر آئیں گے''

عنصر چپ ہو گیا۔ وہ تو روز ہی یہاں آنے کو تیار تھا۔ لیکن عصمہ کی رضا اور مرضی کے بغیر وہ یہاں بے دھڑک آ بھی تو نہیں سکتا تھا۔

اسد نے پھر بڑی محبت بھرے اصرار سے کہا ''انکل آپ روز آیا کریں نا ہمارے گھر''

عنصر نے اس کے کندھوں کے گرد بازو لے جاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ صرف مسکرایا اور بولا کچھ نہیں۔

مومنہ بولی ''انکل آپ ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''شکریہ بچے'' وہ مسکرایا۔ اور مومنہ کو بھی قریب بلا کر بازو میں بھر لیا۔

بچے تو اس کے شیدائی بن گئے۔

''بچو وہ بولا'' ...... ''جی'' دونوں نے کہا۔

''تم اپنی امی سے اجازت لینا۔ اگر وہ تمہیں اجازت دے دیں تو کل شام میں تمہیں گھمانے لے چلوں''

''ٹھیک ٹھیک'' دونوں خوش ہو گئے۔ مومنہ نے تو خوشی سے تالی بجائی۔

''ہم امی سے اجازت لے لیں گے''

اسد بولا ''امی کو بھی ساتھ نہ لے چلیں''

یہ تو ان کی مرضی پر منحصر ہے۔ جانا چاہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ رات کا کھانا بھی باہر کھائیں گے''

''کسی بڑے ہوٹل میں'' اسد کے اندر کی خواہش لبوں پر آ گئی۔

ضرور جہاں کہو گے۔ عنصر نے جواب دیا۔ ’’صرف اجازت لینے کی بات ہے‘‘

’’وہ ہم لے لیں گے‘‘

’’تو کل میں آؤں۔؟‘‘

’’ضرور۔‘‘

’’نہیں بھئی پہلے اپنی امی سے پوچھ لینا۔ پھر مجھے کہیں سے فون کر دینا۔ میں آ جاؤں۔ اور تمہاری امی رضامند نہ ہوں تو‘‘۔

’’یہ بھی ٹھیک ہے‘‘۔ مومنہ بولی۔ ’’آپ فون نمبر دے دیں‘‘۔

’’یہ کاپی لاؤ‘‘ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی کاپی کی طرف اشارہ کیا۔ اسد نے اٹھ کر کاپی اور پین اسے دے دیا عنصر نے ذکیہ کا نمبر لکھتے ہوئے کہا پانچ بجے کے قریب مجھے فون کر دینا۔ تمہارے ہاں تو فون نہیں ہے نا‘‘

’’ساتھ والی اماں جی کے پاس ہے وہاں سے کر لیں گے۔ اسد خوشی سے بولا۔

’’ٹھیک‘‘ عنصر نے کہا۔ اسد نے کاپی اور پین واپس میز پر رکھ دیا۔

پھر سب باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں عصمہ چائے کی ٹرے لے آئی۔ دوسری ٹرے اماں نے اٹھا رکھی تھی۔ اس میں برتن اور چائے تھی۔

’’یہ دونوں آپ سے گپ شپ لڑا رہے تھے بور تو نہیں کیا انہوں نے‘‘۔ عصمہ نے کھانے پینے کی چیزوں والی ٹرے درمیانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

’’بہت پیارے بچے ہیں تمہارے‘‘۔ عنصر نے عصمہ سے کہا۔ ’’بہت اچھی، اچھی باتیں کیں انہوں نے‘‘۔

’’ایسے ہی ان کی تعریف نہ کرو عنصر۔‘‘ عصمہ نے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی اماں نے چائے والی ٹرے بھی عصمہ کے قریب رکھ دی۔

’’شکریہ‘‘ عنصر نے پلیٹ لیتے ہوئے کہا۔ ’’ناحق تکلیف کی چائے کی۔ اور ساتھ یہ الم غلم، اتنا کچھ اٹھا لئیں‘‘۔

مومنہ معصومیت سے بولی ''انکل آج امی سودا سلف لائیں تو یہ چیزیں بھی آگئیں۔ کسی دوسرے دن آتے تو چائے کے ساتھ صرف بسکٹ ہی ملتے''۔

عنصر مسکرانے لگا۔ عصمہ نے گھور کر بچی کو دیکھا۔

اسد نے اٹھ کر عنصر کو کھانے کی چیزیں پیش کیں۔ مومنہ نے بھی پلیٹ اٹھائی اور سموسے کیچ اپ کے ساتھ مزے لے لے کر کھانے لگی۔

اسد نے کیک کا پیس لیا۔ عصمہ نے ایک بسکٹ اٹھا لیا۔

سب کھانے پینے میں لگ گئے۔ ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ عصمہ کی ان عنصر سے بلا جھجک باتیں کر رہی تھی۔ کتنی مدت کے بعد اسے کوئی اپنا ملا تھا۔ جس سے وہ اس طرح باتیں کر سکتی تھی۔

ان باتوں میں اپنائیت تو تھی۔ لیکن ماضی کے دفن شدہ رومان کا کوئی پرتو نہ تھا۔ عمر اور حالات کے ساتھ وہ شاید یہ حد پار کر چکی تھی۔ یا اس نے اپنے آپ کو حال کا پابند کر لیا تھا۔ لیکن عنصر کے ذہن میں ایک جھپک ماضی کی یادیں بکھر سمٹ رہی تھیں۔

☆☆☆

عنصر شام اترتے ہی عصمی کے گھر سے واپس آ گیا تھا۔ وہاں سے بھولی بسری یادوں کی تجدید کے عمل سے گزر کر آیا تھا۔ اس لئے سیدھے گھر جانے کو جی نہ چاہا۔ مارکیٹ چلا گیا اور اپنی بچیوں کے لئے چھوٹی موٹی چیزیں خرید نے کے لئے دو تین اسٹوروں میں گھومتا پھرتا رہا۔

ایک اسٹور سے باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے علی رضا کو آتے دیکھ لیا۔ علی رضا نے ہی اسے عصمہ کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔ لیکن اسے لگ رہا تھا یہ بہت کچھ، کچھ بھی نہیں۔ علی رضا کو دیکھتے ہی خواہش مچلی کہ اس سے عصمی کے متعلق مزید معلومات حاصل کرے۔ چنانچہ وہ اس کی طرف لپکا۔

''ہیلو'' اس نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''عنصر تم۔ اکیلے اکیلے''۔ اس نے معانقے کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے اس کے دائیں بائیں دیکھا۔

''اکیلا ہوں تو اکیلا ہی نظر آؤں گا''۔ عنصر نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''تم نے اس دن اپنے متعلق تو کچھ بتایا ہی نہیں تھا''

''تم نے اس دن اپنے متعلق تو کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔''

''اب بتا دیتے ہیں۔ ایسی کون سی مسحور کن کہانی ہے میری''

علی رضا خوشدلی سے ہنسا۔ وہ عنصر کا ہم عمر ہی تھا خاصہ صحت مند اور شگفتہ مزاج انسان تھا۔

''اچھا موقعہ ملا تم سے ملنے گا۔ وہ بولا ''میرے بیوی بچے پنڈی گئے ہوئے ہیں ایک دم فارغ ہوں''۔

تو چلو کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔

کہاں

عنصر نے گھڑی دیکھی اور بولا ''ابھی تو سات ہی بجے ہیں۔ گپ شپ

لگانے کو کافی وقت ہے"

''اس اسٹور میں بڑا اچھا ریسٹورانٹ بھی ہے وہیں چلتے ہیں''

''میرا ارادہ ہے کہ تمہیں کسی اچھی جگہ کھانا کھلاؤں''

''یار تم مہمان ہو۔ کھانا کھلانا میرا فرض ہے''

''چلو تم ہی کھلا دو''

''لیکن میں اس سامنے والے ریسٹورانٹ ہی میں کھانا کھلا سکتا ہوں بھئی۔ تمہاری طرح میری جیب میں ڈالر نہیں بھرے ہوئے۔

عنصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور ہنس کر بولا'' چلو ڈالروں والا نہ سہی روپوں والا کھانا ہی منظور''۔

''پھر چلو۔ پہلے وہاں چل کر بیٹھتے ہیں ڈرنکس وغیرہ لیں گے۔ پھر ساڑھے آٹھ کے قریب کھانا کھائیں''۔

''رائٹ'' عنصر نے کہا۔ دونوں برآمدے میں آنے جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے نکلے سامنے والے بڑی سے سٹور میں داخل ہو گئے۔ پہلے تو وہ گھوم پھر کر چیزیں دیکھتے رہے۔ اسے کئی چیزیں اسد کے حوالے سے اچھی لگیں۔ کچھ مومنہ کے لئے پسند آئیں۔ اس نے سوچا کل اگر دونوں بچوں کو عصمہ نے اس کے ساتھ آنے کی اجازت دے دی تو وہ انہیں یہاں سے شاپنگ ضرور کرائے گا۔

چیزیں دیکھنے کے بعد وہ اوپر کی منزل پر گئے اور وہاں ریسٹورانٹ میں جا پہنچے۔ وہاں اس وقت کچھ زیادہ رش تو نہ تھا۔ پھر بھی کچھ میزیں بھری ہوئی تھیں۔ شاپنگ کرنے کے لئے آئے ہوئے لوگ تھک کر یہاں آ بیٹھتے تھے اور ہلکی پھلکی چیزیں منگوا کر کھاتے پیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے میزوں کے ارد گرد گھوم گھوم کر شور مچا رہے تھے۔

وہ دونوں ایک طرف آ گئے۔ یہاں چند میزیں خالی تھیں۔ ایک میز پر وہ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ بچوں کا شور اور اچھل کود ڈسٹرب کر رہا تھا۔ عنصر نے

رضا سے کہا ’’کہاں لے آئے بھی۔‘‘

’’کوئی بات نہیں‘‘ علی رضا مسکرایا۔

’’یہاں تو آرام سے گپ شپ بھی نہیں ہو سکے گی‘‘

’’یہ لوگ ابھی چلے جائیں گے‘‘

’’پھر کچھ اور ایسے ہی لوگ آ جائیں گے‘‘

’’یہ تو چلتا ہے چلو تم ان کی طرف دھیان نہ دو‘‘

عنصر نے سر ہلایا۔ علی رضا اس کے چہرے پر ہلکی سی بیزاری دیکھ کر مسکرا دیا۔ پھر بولا ’’تم اپنے ماحول سے واقعی کٹ چکے ہو۔ یہ امریکہ نہیں ہے دوست پاکستان ہے۔ پاکستان بھی کیا لاہور ہے۔ ویسے تم لاہور کے رہنے والے بھی تو نہیں جو اس طرح کی ہماہمی اور گہما گہمی سے مانوس ہو۔ پنڈی تو شہر خاموشاں ہے لاہور کے مقابلے میں‘‘

’’تم بھی تو وہیں سے تعلق رکھتے ہو‘‘؟

’’اب کافی عرصہ سے لاہور میں ہوں بھئی۔ اور اس قسم کے ہنگاموں شور شرابوں کا عادی ہوں‘‘

’’خیر اتنا برا مجھے بھی نہیں لگ رہا۔ ویسے میں پرسکون ماحول میں تم سے باتیں کرنا چاہ رہا تھا؟

’’آواری یا پی سی میں‘‘

’’کہیں بھی‘‘

’’میرے گھر ہی کیوں نہیں چلتے۔ خالی پڑا ہے تمہیں بتایا نا بیوی بچے گئے ہوئے ہیں‘‘۔

’’چلو یہیں بیٹھتے ہیں‘‘

’’چائے منگواؤں‘‘۔

اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا ’’آج میں بہت اچھی چائے پی کر آیا ہوں‘‘

''کہاں سے'' رضا نے یونہی کہہ دیا۔ تو عنصر نے اس کی طرف دیکھا۔ ہولے سے بولا ''میں عصمہ سے ملنے گیا تھا''

''کیا واقعی؟''

''ہاں''

''ملی وہ''

''ہاں وہ بھی ملی اور اس کے دونوں بچے بھی ملے''۔

علی رضا نے بغور اسے دیکھا۔ علی رضا عنصر اور عصمی کے افیئر سے کچھ زیادہ تو نہیں لیکن واقف ضرور تھا۔ سولہ سالوں نے یادداشت پر دھول جما دی تھی۔ ویسے بھی عنصر منظر سے نکل گیا تھا اور عصمہ کی شادی ہوگئی تھی۔

لیکن

عصمہ سے ملنے کی طمانیت کے جو رنگ عنصر کے چہرے پر باتیں کرتے ہوئے لہرا رہے تھے۔ اس نے علی رضا کو چونکا ضرور دیا تھا۔

وہ بے دھڑک بولا۔ عصمہ سے مل کر تمہیں خوشی ہوئی'

''خوشی سے زیادہ دکھ''

''دکھ''

''ہاں رضا۔ حالات نے عصمہ کی شخصیت اس طرح مسخ کردی ہے کہ اس کا پہچان اور شناخت مشکل ہوگئی ہے''۔

اسے پہچان کر وہ شناخت کر کے اب تک تم نے کرنا بھی کیا ہے۔ دونوں کے راستے جا ہو گئے تھے۔ اپنی اپنی مسافتوں کا بوجھ اٹھائے تم لوگ چلے جا رہے ہو۔ اب مڑ مڑ کر اڑتی دھول میں دیکھنا اور کسی کو پہچاننے کی کوشش کرنا کہاں کی عقلمندی ہے''۔

''یار تم چند ہفتوں کے لئے یہاں آئے ہو۔ پھر اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ گے۔ ہاں تم نے شادی کر لی ہے نا؟''

''کر لی تھی۔ میری دو بیٹیاں بھی ہیں''

''ساتھ آئی ہوئی ہیں''

''بیٹیاں آئی ہوئی ہیں''

''اور بیوی''

''وہ مجھے چھوڑ چکی ہے''

علی رضا اچھل پڑا''کیوں کون تھی وہ''

''امریکن تھی۔بس نبھاہ نہ کرسکی بچے بھی چھوڑ گئی''

''اوہو۔''

''بچیاں میرے لئے اک مسئلہ ہیں۔دونوں ابھی چھوٹی ہیں۔''عنصر نے بچیوں کے نام اور عمریں بتائیں۔

''تو پھر''

''میں پاکستان شادی کرنے آیا تھا۔کسی ایسی عورت سے جو میری بچیوں کو سنبھال سکے''

''ہوں''

''میری بڑی بہن یہاں رہتی ہیں ان کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔انہوں نے میرے لئے رشتے دیکھے ہیں''۔

رضا نے عنصر کی طرف گہری نظروں سے دیکھا اور بولا۔''کوئی اچھی لڑکیاں ہی دیکھی ہوں گی''

''شاید''

''کہیں بات لگی''

''ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔وہ مجھے یہ رشتے دکھانا چاہتی ہیں۔میری پسند پر ہی بات طے کریں گی''۔

''تو پھر دیر کیسی''

وہ چپ ہوگیا۔میز کی سطح ناخن سے کھرچنے لگا۔تو علی رضا نے کہا''شادی تمہاری ضرورت ہے بھئی۔جلدی سے کر ڈالو۔بیوی کو وہاں لے جانے میں

بھی تو کچھ وقت لگے گا''۔

''ہاں''

''کچھ کومگو کے عالم میں ہو۔کوئی وجہ مانع ہے''

اس نے سر اٹھا کر اسی دیکھا اور اثباتی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا

''شاید اب تک سب کچھ ہو چکا ہوتا''

''تو''

''درمیان میں عصمی آ گئی''

''کیا؟ کیا تم عصمی سے شادی''

وہ ہولے سے بولا'' یہ مذہبا قانونا ساجاری بات تو نہیں۔لیکن میرا مسئلہ یہ نہیں۔ میں عصمی کو ان حالوں میں دیکھ کر پریشان ہوں۔وہ بہت دکھی لگتی ہے بالکل تنہا ہے دو بچوں کا بار ان حالات میں اٹھانا آسان تو نہیں''

''واقعی۔یہ بات ہے تو ٹھیک اس کے ساتھ بہت بہرا ہوا۔رشید کی زندگی میں تو بہت سکھی تھی۔اس کے مرنے کے بعد دکھوں کے پہاڑ اس پر آن گرے ہیں۔اکیلی جان ہر محاذ پر زندگی سے نبرد آزما ہے سگے بھائی تک پرسان حال نہیں۔مجھے تو شاہد پر حیرانی ہوتی ہے۔اس نے اپنی دوست اور عصمہ کے چھوٹے بھائی کا ذکر کیا۔'' بہن کی مہینوں خیر خبر نہیں لیتا۔بے چاری کے لئے ایک پرابلم تو نہیں۔سب سے بڑی پرابلم تو اس کا بیٹا ہے''

''کون۔اسد؟''

''ہاں''

'کیوں میں اس سے ملا ہوں۔ذرا غصیلہ ہے ویسے اچھا لڑکا ہے''

''مسئلہ ہے عصمہ کے لئے بہت بڑا''۔

''کیسے؟''

علی رضا نے اسد کے متعلق اسے تفصیل سے بتایا کیسے اس کی شخصیت منتشر ہوئی۔اور اب اس کا سلوک اور رویہ ماں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔وہ

خوابوں کی دنیا میں رہتا ہے۔ ہواؤں میں اڑتا ہے اور ماں سے وہ کچھ طلب کرتا ہے۔ جس کی اسے استطاعت نہیں۔ بہت پریشان رہتی ہے اس کی وجہ سے ۔میری بیوی اکثر اس کے ہاں جاتی رہتی ہے۔ میں بھی اسد سے ملتا رہتا ہوں۔ ضدی اکھڑ اور اذیت پسند بن چکا ہے۔ اس کی نفسیات بگڑ چکی ہے۔ اچھا ہوتو بہت اچھا اور نہ ہوتو بس۔ بیوگی سے زیادہ اس بچے نے عصمہ کو پریشان کرر کھا ہے''

وہ اسے باتیں بتاتا رہا۔ عنصر کو یہ باتیں سن کر دلی دکھ ہوا۔

باتوں کے دوران ہی علی رضا نے ویٹر کو بلایا۔ کھانے کی چیزیں عنصر سے پوچھ کر اسے لکھوائیں۔

''ساڑھے آٹھ تک کھانا لے آنا'' اس نے ویٹر سے کہا۔

''بہت بہتر سر۔'' ویٹر نے سر قدرے جھکا کر کہا اور مودبانہ بولا'' ڈرنک سر''

''میرے لئے تو پیپسی اور عنصر تم کیا لوگے؟'' اس نے پوچھا۔

''سیون اپ ۔ ٹین مل جائے تو بہتر'' وہ بولا

''ٹھیک'' رضا نے جواب دیا۔

''مل جائے گا'' عنصر نے کہا۔

''مل جائے گا سر۔'' ویٹر نے کہا۔

''ٹھنڈا ہو''

''ٹھیک سر''

وہ چلا گیا تو عنصر نے کہا'' یہاں کی کوک وغیرہ میں پی لوں تو پیٹ خراب ہو جاتا ہے''

''امریکن بن چکے ہو۔'' علی رضا ہنسا

''نہیں رضا۔ ہوں پکا پاکستانی ۔ بس وہاں رہ جو رہا ہوں ۔ اصلی اور خالص چیزیں کھانے کی عادت ہوگئی ہے''

پچھر

عنصر وہاں کی خالص غذا اور مختلف کیلیریز کی غذائی چیزوں کی باتیں اسے بتانے لگا۔ یہاں آ کر ہفتہ عشرہ اس کی بچیاں بھی پیٹ کی خرابی میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ وہ خود بھی اس عارضے میں مبتلا رہا تھا۔

☆☆☆

دونوں بچے آج گھر پر تھے۔ عصمہ بنک گئی ہوئی تھی۔

''مومنہ'' اسد نے کتاب میز پر اچھال کر پاس بیٹھی مومنہ کو پکارا۔

''ہوں'' وہ اپنی ہوم ورک کی کاپی پر خاکی کاغذ چڑھا رہی تھی۔ اسد کرسی پر بیٹھا تھا اور وہ قریب ہی میٹنگ پر بیٹھی اپنا کام کر رہی تھی۔

''مومنہ'' اسد نے پھر کہا

''کیا ہے؟'' وہ دوبارہ بلانے پر جھلائی۔

''آج شام عنصر انکل کی ساتھ جانا ہے نا''

''اے ہے'' مومنہ نے کام سے ہاتھ روک کر کہا ''امی سے اجازت ملے گی تب نا''

''امی آجائیں گی تو پوچھ لیں گے۔ انکل کو فون بھی تو کرنا ہے''

''فون تو کرنا ہے۔ لیکن اجازت ملی تو''۔

''تمہارا کیا خیال ہے امی جانے دیں گی''

''کیا پتہ؟''

''امی کے مزاج کا کچھ پتہ بھی تو نہیں چلتا''

''ویسے اسد''

''ہوں''

''انکل عنصر امی کے دور پار کے رشتہ دار ہیں۔ امی کہاں جانے دیں گی ان کے ساتھ۔ ماموں تو کبھی گھمانے پھرانے لے کر نہیں گئے۔ انہیں اتنی ہمدردی ہم سے کیوں ہو رہی ہے''

''اب یہ کیا بات ہوئی۔ ماموں کہیں لے کر نہیں جاتے تو کوئی دوسرا بھی نہیں لے جا سکتا۔ کتنے پیار سے عنصر انکل نے ہمیں دعوت دی ہے''

''وہ تو ہے۔ پر امی؟''

''امی سے اجازت لے کے رہوں گا۔ میں نے تو انکل کی ساتھ ضرور جانا

ہے۔ کیا مزہ آئے گا سیر سپاٹے کے بعد کسی بڑے ہوٹل میں کھانا۔ میرا تو خواب پورا ہو جائے گا"

''اونہہ'' مومنہ ہنسی۔ ''ایسے خواب مت دیکھا کرو۔

''تمہاری مرضی۔ تم نہ دیکھا کرو۔ میں تو دیکھوں گا۔ اور ان کی تعبیر بھی پاؤں گا'

مومنہ اس کی بات پر سر جھٹک کر پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ویسے انکل کے ساتھ جانے کو اس کا جی بھی چاہ رہا تھا۔ لیکن اسے امید ہی نہیں تھی کہ امی جانے کی اجازت دیں گی۔ اور وہ امی کی مرضی کے بغیر خواہ اس کا دل کتنا بھی چاہتا ہو۔ کوئی کام کرنے کی عادی نہیں تھی۔

اسد کی البتہ اور بات تھی۔

دونوں کچھ دیر سیر سپاٹے اور کھانے کے خیالی پلاؤ بناتے رہے۔ اسد ان باتوں سے بہت خوش ہو رہا تھا۔ اور اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ امی سے ضرور اجازت لے لگا۔ ضد کرے گا۔ الٹ پلٹ حرکتیں کرے گا۔ لیکن جا کر رہے گا۔ مومنہ امی کے سامنے سر جھکا بھی دے تو بھی وہ اپنی بات منوا کر ہی گا۔

''امی آئیں نا'' ''تو''

تو بات تم شروع کرنا آگے میں سنبھال لوں گا۔

''ٹھیک ہے'' وہ مسکرائی ''اللہ کرے امی کا موڈ خوشگوار ہو''

''موڈ خوشگوار ہوا پھر تو بات بن جائے گی'' وہ بولا ''اف کتنا مزہ آئے گا۔ میں تو رات آواری اور پی سی ہی میں پھرتا رہا نیند میں''

مومنہ ہنس پڑی۔ پھر کاپی کاغذ اور قینچی وغیرہ سمیٹ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

آج دونوں کو امی کی واپسی کا بے قراری سے انتظار تھا۔

اسد کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ ''اچھا ہوتا رات ہی امی سے پوچھ لیتے''

''ہاں۔ اب تک انکل کو فون بھی کر دیا ہوتا'' مومنہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ دونوں ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی باتیں کرتی رہے۔ پھر اسد بیرونی دروازہ کھول کر باہر لان میں نکل گیا۔ اور مومنہ کچن میں جھانک کر اماں سے پوچھنے لگی کہ آج وہ کیا پکا رہی ہے۔

''کوفتے بنائے ہیں بیٹے'' اماں آٹا گوندھ رہی تھی دونوں وقت کے لئے ہنڈیا دوپہر ہی کو بن جایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی رات کو چاول بنتے تو ساتھ میں گوشت سبزی یا دال کی الگ ہنڈیا بھی اماں پکا لیا کرتی تھی۔ آج کوفتے بنے تھے تو ظاہر تھا دونوں وقت یہی زہر مار کرنے تھے۔ مومنہ نے پہلے تو منہ بنایا پھر رات ڈنر کھانے کا خیال آیا تو خود ہی مسکرا دی۔ دل ہی دل میں امی سے اجازت ملنے کی دعائیں کرتی وہ باہر نکل آئی۔

عصمہ اڑھائی بجے کے قریب گھر پہنچی۔ تو اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ ایک تو اسے رکشے میں نہیں آنا پڑا تھا۔ عفت اپنی گاڑی میں لے آئی تھی۔ دوسرے آج اسے لون مل گیا تھا جس کے لئے مہینہ بھر پہلے اپلائی کر رکھا تھا۔ یہ قرضہ اس نے گھر کی چیزوں کے لئے لیا تھا۔ ہر چیز اب بدلنے والی ہوگئی تھی۔ پردے صوفے کا کپڑا اپنی اور بچوں کی کئی ضروری چیزیں چاہئے تھیں۔ بنک سے قرضہ بلا سود ملتا تھا اس لئے کافی سہولت تھی۔ تنخواہ سے تھوڑا تھوڑا قسط وار لوٹانا مشکل نہیں تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسد اور مومنہ نے بڑی گرمجوشی سے سلام کیا۔ اسد نے ماں کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر دیا اور مومنہ اس سے لپٹ گئی۔

''خیریت'' عصمہ اس غیر متوقع گرمجوشی پر مسکراتے ہوئے بولی۔ جانتی تھی اس گرمجوشی میں خوشامد شامل ہے۔ ''کیا بات ہے دونوں بہت تپاک سے مل رہے ہو مجھے'' ''لو'' مومنہ بولی ''کیا ہم روز ہی آپ سے ایسے نہیں ملتے کیوں اسد''

''اور کیا۔ امی آپ تو بہت بہت بلکہ بہت ہی اچھی ہیں۔ اسد نے ماں کی

گردن میں بازو حمائل کر دیا۔ اب وہ قد کاٹھ میں ماں کے برابر ہو چلا تھا۔ اس لئے آسانی سے ماں کی گردن میں بازو ڈال لیتا تھا۔

''مکھن مت لگاؤ'' عصمہ ہنسی ''کوئی خاص بات ہے؟''

''آپ یہ بیگ تو اتاریں کندھے سے'' اسد نے بیگ کا سٹریپ پکڑتے ہوئے کہا

''کمرے میں تو جانے دو بھئی'' ماں نے دونوں سے پیچھا چھڑ لیا۔ اور بیگ کندھے سے اتار کر ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

''اماں'' مومنہ نے نوکرانی کو آواز دی۔

''ہاں بیٹے'' وہ وہیں سے بولی۔

''کھانا تیار ہے'' مومنہ نے پوچھا ''امی آگئی ہیں۔ پھلکے ڈالو۔ میں برتن میز پر رکھتی ہوں''

''اچھا'' اماں نے کہا

مومنہ نے جھٹ پٹ میز پر تین پلیٹیں اور گلاس رکھے۔ روٹی کے لئے کوارٹر پلیٹیں بھی رکھ دیں۔ اماں نے سلاد کے طور پر ٹماٹر پیاز کاٹ رکھے تھے وہ بھی لاکر میز پر رکھ دیئے۔ سرمائی موسم تھا۔ اس لئے اس سے کھانا اچھی طرح گرم کرنے کا بھی کہہ دیا۔ عصمہ نے پیسے الماری میں لاک کر کے رکھے۔ کپڑے بدلے۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ ہاتھ دھوئے اور باہر آگئی اسد اور مومنہ میز پر بیٹھے تھے وہ بھی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اور بچوں سے آج کی کار گزاری پوچھنے لگی۔ دونوں نے بتایا کہ وہ اسکول کا کام ہی کرتے رہے تھے۔

''گڈ'' عصمہ خوش ہوئی۔

اماں ڈونگے میں گرم گرم سالن اور گول سی ٹوکری مین رومال میں لپٹے پھلکے لے آئی۔ عصمہ نے اماں سے بھی حال احوال پوچھا۔ سالن میز پر رکھا اور پھلکوں والی چھوٹی سی پلیٹ نما ٹوکری بھی اس سے لے لی۔

اماں اور پھلکے ڈالنے کچن میں چلی گئی۔

تینوں نے سالن اپنی اپنی پلیٹ میں نکالا۔ اور ایک ایک پھلکا اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔ اور کھانا کھانے لگے۔

''یہ اماں ہر دوسرے دن کوفتے بنا ڈالتی ہے'' اسد نے ناک منہ چڑھایا

''کوئی اچھی چیز اسے پکانا نہیں آتی''

عصمہ بولی ''تم آج گھر پر تھے اپنی من پسند ڈش بنوا لیتے''

''من پسند ڈش گھر میں تو بننے سے رہی'' وہ مومنہ کو کہنی مارتے ہوئے بولا۔

''تو کہاں بنتی ہے'' عصمہ نے پوچھا۔

''ہوٹل میں'' وہ مومنہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرایا۔ عصمہ کچھ نہیں سمجھی۔ لیکن دونوں کے اشاروں کنائیوں اور مسکراہٹوں سے سمجھی کہ ضرور کوئی بات ہے۔ اور

کوئی بات جو تھی۔ وہ مومنہ نے کہہ دی'' امی اگر آپ اجازت دیں تو ہم آج رات انکل عنصر کے ساتھ کھانے پہ جائیں''

''کیا؟'' وہ حیرانی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

''امی'' اسد لقمہ توڑتے ہوئے بولا'' آج رات انکل عنصر ہمیں باہر کھانے پر لے جانا چاہتے ہیں''

''اس سے پہلے گھمانے پھرانے لے جائیں گے'' مومنہ بولی

عصمہ نے توڑا ہوا روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں پکڑے پکڑے دونوں کو دیکھا اور بولی ''تم دونوں کیا کہہ رہے ہو''

''امی'' اسد کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولا

''آپ سن نہیں رہیں۔ کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سن تو رہی ہوں سمجھ نہیں رہی'' عصمہ نے روٹی کا ٹکڑا واپس رکھ دیا۔

''اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے۔ کوئی معمہ تو نہیں۔ پہیلی بھی نہیں جو آپ بوجھ نہ پا رہی ہوں۔ اسد نے اسی لہجے میں کہا'' کل انکل عنصر آئے تھے

نا۔ انہوں نے ہمیں آج سیر کرانے اور کھانا کھلانے کی دعوت دی تھی۔ یہ بھی کہا تھا کہ اگر امی اجازت دیں تو۔''

وہ چپ ہوگئی۔ اس کے ذہن میں کئی سوچیں رینگنے لگیں۔

''اب آپ اجازت دیں تو ہم ان کو پانچ بجے کے قریب فون کر دیں گے۔ وہ ہمیں لینے آجائیں گے''

''ہاں امی'' مومنہ پانی پیتے ہوئے ہولی سے بولی۔

عصمہ چند لمحے چپ رہی پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولی ''دیکھو بچو۔ یہ انکل عنصر کی مہربانی ہے۔ لیکن وہ ہمارے قریبی عزیز تو ہیں نہیں جو۔''

اسد اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخی سے بولا ''قریبی عزیز ہمارا ہے ہی کون۔ مانوں؟ ہونھ'' کبھی انہیں خالی خولی پیار کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ہماری کسی چھوٹی سی چھوٹی خواہش کو پورا کرنے کا انہوں نے کبھی تردد ہی نہیں کیا۔ یہ انکل دور کے عزیز سہی۔ لیکن امی کل جس طرح انہوں نے مجھے پیار کیا۔''

وہ رک گیا اس کی آواز بھرا گئی۔ ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ پھر وقفے کے بعد بولا'' مجھے پتہ نہیں کیوں ابو یاد آگئے۔ شاید مجھے ابو اسی طرح پیار کیا کرتے تھے''۔

عصمہ بے حد افسردہ ہوگئی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔ ''عنصر تم کہاں سے آگئے کیوں آگئے۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں کیوں پتھر پھینک رہے ہو۔ اس ہلچل کو میں کیونکر برداشت کروں گی۔''

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

اور اسد کا موڈ بگڑ رہا تھا۔

وہ جلے لہجے میں بولا۔ ''آپ خود ہمیں ایسی کوئی خوشی نہیں دیتیں۔ ہمارے نام نہاد عزیز ہمیں کسی خوشی کے قریب نہیں لائے۔ اب ایک انکل ہمیں

کچھ خوشی دینا چاہتے ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے۔

''کسی کا خواہ مخواہ احسان لینا اچھی بات نہیں۔'' عصمہ نے سر اٹھا کر اسد کو دیکھا۔ ''تم نے باہر گھومنا پھرنا یا کسی ہوٹل میں کھانا کھانا ہی ہے تو میں خود تمہیں لے جاؤں گی''۔

''ہونہہ'' وہ تمسخر سے ہنسا۔ پھر اس نے کھل کر قہقہہ لگایا۔ عصمہ بے چین ہو کر اسے دیکھنے لگی مومنہ نے سر جھکا لیا۔

قہقہہ لگانے کے بعد وہ سنجیدہ ہو گیا اور بولا ''نہیں جانے دیں گی انکل کے ساتھ'' عصمہ اس کی گھمبیر سنجیدگی سے ڈر گئی۔ وہ میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے'' اس کا لہجہ کھلا چیلنج تھا۔ وہ اکثر اسی انداز میں گفتگو کرنے کے بعد اپنے آپ کو ضرور اذیت دے کر ماں کو دکھ پہنچا کرتا تھا۔

وہ جانے لگا تو مومنہ نے جلدی سے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی ''امی'' عصمہ بے چین ہو گئی۔ ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی ''بیٹھو، بات سنو''

''اجازت دیں گی تو بیٹھوں گا'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

عصمہ نے چہرے پر مسکراہٹ کی لو بکھیرتے ہوئے کہا ''جانتے ہو۔ میں ہار جاتی ہوں''

''امی'' دونوں بچے اس کی طرف آئے اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ مومنہ نے خوشی میں ماں کا گال چوم لیا۔

''تم بھی اس معاملے میں اسد کی برابر کی شریک ہو؟'' عصمہ نے اس کا گال تھپکا۔

''ہم دونوں انکل کے ساتھ جائیں گے''۔ اسد نے ہاتھ ہوا میں لہرایا۔ پھر ماں سے بولا ''آپ بھی چاہیں تو ہمارے ساتھ چل سکتی ہیں''۔

''انکل نے مجھے بھی دعوت دی تھی؟'' عصمہ نے پوچھا تو اسد نے نفی میں سر ہلا کر کہا ''میں نے ان سے کہا تھا کہ امی بھی چلیں۔'' ''تو انہوں نے کیا کہا''

''کہنے لگے وہ بھی ساتھ چلیں تو مجھے خوشی ہوگی'' مومنہ جھٹ سے بولی۔

پھر ماں کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

''آپ بھی ساتھ چلیں نا''۔

''نہیں بیٹے'' وہ جلدی سے بولیں۔

''کیا فرق پڑے گا انکل کو'' اسد بولا ''اتنے امیر تو ہیں وہ''۔

عصمہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔ بات بدلنے کو بولی ''مجھے تو تم لوگوں نے پوری طرح کھانا بھی کھانے نہیں دیا۔''

اس نے روٹی کا ٹکڑا اٹھالیا۔ بچے پھر اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ تو اس اجازت ہی سے سیر ہو گئے تھے۔ ماں کا ساتھ دینے کو بیٹھ گئے تھے۔

عصمہ بچوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ ان کے چہروں پر لہلہاتی خوشیوں کے رنگ بکھر رہے تھے۔ اتنا خوش اس نے بچوں کو کبھی نہ دیکھا تھا۔

کھانے کے بعد تینوں میز سے اٹھ گئے۔ اسد باہر نکل گیا۔ مومنہ اسد کے کمرے میں آ کر کتابیں سمیٹنے لگی۔ عصمہ نے کچن میں جا کر اماں کو کھانا دیا اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر رکھ کر گردن کرسی کی پشت پر ڈال دی۔

گو اس نے ماضی کی رہگزاروں کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ شعوری کوشش سے اپنے حال کو ماضی کے ان گزرے خوبصورت دنوں سے کاٹ لیا تھا۔

لیکن

یہ اس کی بھول تھی۔ ماضی حال سے جڑا رہتا ہے۔ کبھی نہیں کٹتا۔ دھندلا جائے یا گم ہو جائے تب بھی نہیں مرتا۔ لاشعور کے پردوں میں چھپا رہتا ہے۔ حال میں آ دھمکنا اس کے لئے لمحے کے ہزارویں لاکھویں حصے کا کھیل ہے۔

عصمہ دامن بچا رہی تھی۔ لیکن ماضی روز روشن کی طرح یادوں میں اتر رہا تھا۔ اپنی زندگی کے وہ ایام جب وہ الہڑ نوجوان دوشیزہ تھی۔ بہنوں میں بڑی ہونے

کے ناطے ماں باپ اس کو زیادہ ہی لفٹ دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ اکثر کالج سے لیٹ گھر آیا کرتی تھی۔ دیری کے کئی معقول بہانے گھڑ لیا کرتی تھی۔ لیکن یہ دیری عنصر کی قربتوں کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ محبت میں جذباتیت بھی تھی جنون بھی تھا۔ عام نوجوان جوڑوں کی طرح وہ بھی ایک دوسرے کے لئے مرمٹنے کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ کبھی نہ بچھڑنے کا عہد کیا کرتے تھے۔ زمانے سے ٹکرانے کی اور رسم و رواج کی قیود توڑ دینے کی باتیں کیا کرتے تھے۔

لیکن

ایسا ہو نہ سکا

دونوں بچھڑ گئے۔ اتنی خاموشی سے کہ کسی کو احساس تک نہ ہوا۔ دل ٹوٹ گئے۔ کرچیاں لہولہان کر گئیں دکھ سے کراہے بلکتے رہے روتے رہے۔ لیکن ایک دوسرے کی مجبوریوں کو سمجھ لیا۔ خاندانوں کے وقار پر آنچ نہ آئی۔ دونوں جدا ہو گئے۔

جدا ہونے سے پہلے دونوں جب آخری بار ملے تو عصمہ کے آنسوؤں سے عنصر کی قمیض بھیگ گئی۔ عنصر کی آنکھیں اذیت سے پھٹنے کو ہوئیں۔ لیکن دونوں اپنے اپنے فرائض پر قربان ہو گئے۔

کرسی پر آنکھیں بند کئے گردن اس کی پشت پر ڈالے بیٹھی عصمہ کی آنکھیں اب بھی سیلاب اشک بہا رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں نہیں پونچھیں۔ کبھی کبھی گزرے غموں کا ماتم کرنے کو بھی تو جی چاہتا ہے

وہ اسی طرح پڑی رہی۔

اس کی آنکھوں میں ماضی کے متحرک سائے اترتے رہے۔ اسے اپنی شادی کا دن یاد آ گیا۔ پہلی بیٹی کی شادی ماں باپ خاصے دھوم دھڑکے سے کر رہے تھے۔ کئی دنوں سے ڈھولک بج رہی تھی۔ لڑکیاں بالیاں شادی کے جذباتی گیت گا رہی تھیں۔ عصمہ کے لئے خوبصورت عروسی جوڑا بنا تھا۔ دونوں طرف

سے شاندار جوڑے اور قیمتی زیورات بنائے گئے تھے۔ عصمہ کوشش کے باوجود شادی کی رسوم میں خوشی کا کھلم کھلا اظہار نہ کر پائی تھی۔ جبراً مسکرائی بھی تو آنکھیں چھلک جاتیں۔

اس کی سہلیوں نے اسے بڑے شوق اور پیار سے دلہن بنایا تھا۔ عروسی جوڑے اور زیورات سے سجادیا تھا۔ میک اپ بھی کیا تھا بال بھی سنواری تھے۔ سارا وقت عصمہ کو لگتا رہا تھا۔ جیسے کسی میت کو بڑے اہتمام سے سنوارا جارہا ہے۔ سب سہلیاں اس کی گھمبیر اداسی کو بابل کی دہلیز چھوڑنے کے غم سے تعبیر کر رہی تھیں۔ ہاں شائستہ اصل معاملے سے آگاہ تھی۔ اس لئے جب بھی موقع ملتا۔ اسے ڈانٹتی۔ خوشی کا اظہار کرنے کا کہتی۔

''ہلسی نہیں آتی تب بھی ہنسو لوگوں کو شک ہوگیا تو کہیں کی نہ رہوگی۔ اب تم نے نئی زندگی شروع کرنی ہے۔ سب کچھ بھلا کر آنے والے دنوں کا خیر مقدم کرو۔ اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ عقل و ہوش سے کام لو۔ راستہ کٹھن ہے۔ پوری استقامت سے اس پر چلنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو''۔

شائستہ جب بھی ایسی باتیں کہتی وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگتی۔

عصمہ ماضی میں گم تھی۔ اسے یاد آرہا تھا۔ کہ جب بارات آئی تھی۔ تو اس کی سہلیاں دولہا کو دیکھ کر بھاگی بھاگی اس کے پاس آئی تھیں۔

''اللہ۔ تم کتنی خوش قسمت ہو۔ اتنا ہینڈسم دولہا۔ جوڑی بہت اچھی رہے گی۔''

''سفید شیروانی تو اس پر اتنی جچ رہی ہے میں نے بہت کم لوگوں پر سفید شیروانی سجے دیکھی ہے''

''خوش مزاج بھی لگتا ہے۔ دوستوں کے جھرمٹ میں گھرا قہقہے پر قہقہے لگا رہا ہے''

سب اپنی اپنی کہہ رہی تھیں۔ لیکن وہ پتھر کا تراشا ہوا بت تھی۔ جسے زیور

کپڑے سے سجا دیا گیا تھا۔

وہ وداع ہوئی تھی۔ تو بالکل نہیں روئی تھی

سسرال کے آنگن میں اتری تب بھی چپ تھی۔

رات حجلہ، عروسی میں جب اس کا دولہا آیا تھا۔ تو اس پر عجب سی وحشت اور گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بیڈ سے اٹھ کر بھاگ جائے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ وہ اپنے آپ کو بیڈ پر زنجیروں میں جکڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ ان زنجیروں میں اب اسے جکڑا ہی رہنا تھا۔ جانے کون سے حساس لمحے تھے۔ جنہوں نے یہ حقیقت اس کی ذہن نشین کرادی۔ تب وہ ایکدم ہی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اور

اس نے اپنا آپ حالات کے حوالے کر دیا تھا۔ اک نئی زندگی کا سورج طلوع ہوا۔ اک نئی دنیا کی راہ دکھائی دی۔ دولہا کو دلہن اتنی پسند آئی کہ وہ اس کا دیوانہ ہو گیا۔

عصمہ نے کرسی کی پشت سے سر اٹھایا دوپٹے کے آنچل سے آنکھیں پونچھیں۔ اس نے چاہا ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کے لئے اٹھ کر کسی کام کاج میں لگ جائے۔ لیکن

وہ بے جان سی کرسی پر پڑی رہی۔ اب اسے اپنی ازدواجی زندگی کے واقعات یاد آ رہے تھے۔ یہ زندگی رشید کی طرف سے بڑے ہی خوشگوار اور رومانوی انداز میں شروع ہوئی تھی۔ عصمہ نے دانستہ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس کے اندر ماضی کا خوف چھپا تھا۔ جسے مستور رکھنے کے لئے وہ اپنے آپ کو رشید کے زیادہ قریب لے آئی تھی۔ حکم کا بندہ بن گئی تھی۔ اس کی ہر الٹی سیدھی بات مان لیتی تھی خدمت گزاری شعار بنا لیا تھا۔

رشید کبھی کبھی کہتا تم بالکل مشین ہو۔ کبھی تو میری بات رد کیا کرو۔ کبھی تو جھگڑا کرو۔ کبھی تو غلط بات کو غلط کہا کرو۔"

تب وہ اندر سے بے طرح خوفزدہ ہو جایا کرتی۔ لیکن سنبھل کر کہتی "اگر

ایسا کروں تو آپ برا مان جائیں گے۔ ویسے بھی میری عادت ہی ایسی ہے۔ مجھے لڑنا جھگڑنا آتا ہی نہیں اور۔“

’’اور کیا؟‘‘ وہ اشتیاق بھرے لہجے میں کہتا۔

’’اور آپ اتنے اچھے ہیں۔ مجھے اتنا احترام دیتے ہیں عزت دیتے ہیں۔ محبت دیتے ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں تو۔“

وہ اس کو بانہوں میں بھر لیتا۔

عصمہ کو گھٹن سی محسوس ہوتی۔ لیکن وہ مسکراتی رہتی۔

عصمہ رشید کی محبتیں اور چاہتیں یاد کر رہی تھی۔ اس نے عصمہ کو واقعی ان زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ گزرے دنوں کو لاشعور میں دفن کرتی گئی۔ حالات سے مفاہمت کرلی۔

یوں زندگی بغیر کسی تلخی کے گزرتی گئی۔

اسد کی پیدائش پر تو جیسے عید کا چاند صحن میں اتر آیا۔ عصمہ کے ساس سسر اور رشید تو اتنے خوش تھے کہ زمین پر پاؤں نہ پڑتا تھا۔ عصمہ کی قدرومنزلت اور بڑھ گئی۔ بچے کے ساتھ وہ بھی سب کی راج دلاری بن گئی۔

عصمہ کی آنکھوں میں تسلسل سے واقعات کی پرچھائیاں اتر رہی تھیں۔

پھر

اسے رشید کی موت کا دن یاد آگیا۔ کیا قیامت کا دن تھا۔ عصمہ جو سوچ بھی نہ سکتی تھی اس پر حقیقت بن کر گزر گیا۔ یہ اس کے دکھوں پریشانیوں اور مایوسیوں کا نقطہ آغاز تھا۔ رشید کو کھو کر اس نے چین سکھ اور ہر آسائش کھو دی تھی۔

عصمہ نے کرسی سے سر اٹھایا اور ہاتھوں پر چہرہ گرا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ روتی رہی تلخیاں اور دکھ جو اس نے بھوگے تھے۔ اسے رلاتے رہے۔ کافی دیر بعد اس نے سر اٹھایا، آنکھیں صاف کیں، اور کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ رشید کی تصویر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ وہ اسے کچھ دیر دیکھتی رہی۔

لوری سے لوری اب بھی جڑ رہی تھی۔ اور

اب اس کی سوچیں عنصر کے گرد گھوم رہی تھیں۔ عنصر اس کے ہاں آیا تھا۔ اس نے بچوں کو اس کی ساتھ جانے کی اجازت دے کر ٹھیک قدم اٹھایا ہے یا غلط۔

وہ۔ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ صرف اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ وہ امریکہ میں ہے۔ اور یہاں چند ماہ کے لئے آیا ہے۔ اس کے وہاں بزنس ہے اور وہ کیلیفورنیا میں رہتا ہے۔ یہاں کس سلسلے میں آیا ہے؟

اور اس کے یہاں کیوں آیا ہے۔ بچوں کے ساتھ التفات محض خلوص ہے۔ یا وہ پھر سے مراسم بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے"۔

"نہیں" اس نے سر کو نفی کے انداز میں زور سے ہلایا۔" ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی ہونا چاہیے"۔

گھبرا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غسل خانے میں جا کر اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے سر ادھر ادھر جھٹکا وہ عنصر کے متعلق ہر سوچ کو ذہن سے نکال دینا چاہتی تھی۔ تجدید مراسم کے خیال ہی سے کوفزدہ ہو گئی تھی۔ اب اس کا عنصر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر

اس نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دی۔ کہ عنصر یقیناً شادی کر چکا ہوگا۔ بیوی بچے ہوں گے۔ ہمارے ہاں صرف رشید کا سن کر افسوس ہی کے لئے آیا تھا۔ اور

بچوں پر مہر و محبت اور التفات لٹانا مروت و خلوص کے زمرے ہی میں آتا ہے وہ۔ اندر سے تو مطمئن نہ ہوئی۔ لیکن بڑی حد تک اس کی خیالی یلغار کا رویہ بدل گیا۔

☆☆☆

بچوں کو ڈراپ کر کے وہ واپس لوٹا تو پونے گیارہ ہو چکے تھے۔ واپسی پر وہ کچھ مایوس سا ہوا تھا۔ وہ جب بچوں کو لینے گیا تھا۔ تو عصمی باہر نہ آئی تھی۔ دونوں بچے پہلے ہی سے اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

''امی سے بخوشی اجازت ملی تھی نا؟'' اس نے ان کو گاڑی میں بٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی انکل'' وہ دونوں بہت خوش تھے۔

عنصر چند لمحے وہیں کھڑا رہا تھا۔ لیکن جو آس تھی وہ ٹوٹنے ہی کے لئے تھی۔ عصمہ باہر نہیں آئی تھی۔ دروازہ بند ہی رہا تھا۔

وہ بچوں کو لے کر چلا گیا۔ لبرٹی اسٹیڈیم اور مال روڈ پر گھمایا پھرایا، دو ایک دوسرے بڑے سٹوروں کی بھی سیر کروائی۔ پلے لینڈ بھی لے گیا۔ شاپنگ بھی کروائی۔ امپورٹڈ چاکلیٹس دلائیں۔ ٹافیوں چاکلیٹوں کی حد تک تو ٹھیک تھا۔ بچوں نے خوشی خوشی یہ چیزیں لے لیں۔ لیکن

جب اس نے مومنہ کے لئے سویٹر اور اسد کے لئے پل اوور خریدا تو دونوں بچے اڑ گئے۔

''انکل۔ ہم یہ نہیں لیں گے'' وہ دونوں بولے

''امی غصے ہوں گی؟'' وہ ہنس کر بولا۔

''جی انکل۔'' اسد نے کہا۔ ویسے امپورٹڈ خوبصورت پل اوور دیکھ کر وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا تھا۔

''امی کچھ نہیں کہیں گی''۔ عنصر نے بچون کے ہراساں چہروں سے چھلکتی خوشی کی لہریں بھی دیکھ لی تھیں۔

''کہہ دینا انکل نے زبردستی لے دیئے ہیں''۔

دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ عنصر نے انہیں تھپکی دی اور مسکراتے ہوئے بولا ''یہ میری طرف سے تحفہ ہے اور تحفہ خوشی سے قبول کرلیا

کرتے ہیں۔ آپ کی امی بھی یہ سیدھی سی بات جانتی ہوں گی۔"

دونوں نے اپنے اپنے ڈبے اٹھا رکھے تھے۔ وہ سب کافی دیر گھومتے پھرتے رہے۔ کون بھی کھائی اور کوک بھی پی۔

نو بجے کے قریب وہ انہیں آواری لے آیا۔

"آواری میں کھانا پسند کریں گے یا پرل میں" عنصر نے گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"یہیں ٹھیک ہے انکل"۔ اسد بولا۔ وہ بڑا متجسس تھا۔ اتنے بڑے ہوٹل میں کھانا کھانے کا اس نے تصور تو کئی مرتبہ کیا تھا۔ لیکن حقیقت میں اتفاق آج ہوا تھا۔

وہ گاڑی سے نکل کر صدر دروازے کی طرف آئے۔ شیشے کا دروازہ مغلئ طرز کے لباس والے گرانڈیل آدمی نے ان کے لئے وا کر دیا۔ تینوں اندر داخل ہوئے۔ اس عزت افزائی پر اسد کا سینہ پھول سا گیا۔ وہ اپنے کو اچھا خاصہ محترم انسان سمجھنے لگا۔

وہ لابی سے ہوتے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف بڑھے۔ جہاں سرخ سرخ اجالے اندھیروں کا غبار پھیلا تھا۔ میزیں لگی تھیں۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ کچھ کھانے کے سٹینڈوں سے اپنی من پسند چیزیں اپنی پلیٹوں میں ڈال ڈال کر لا رہے تھے۔ ہر قسم کا کھانا وہاں سجا تھا۔ آواری کے سلاد تو لاجواب تھے۔ میٹھے کی ڈشیں بھی ایک طرف سجی تھیں۔

دونوں بچے اس خوابناک ماحول میں کچھ اجنبیت سی محسوس کر رہے تھے۔ پہلی بار یہ ماحول دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ دل ہی دل میں ڈر بھی رہے تھے۔ کہ ان سے کوئی غلط حرکت سرزد نہ ہو جائے۔ وہ تینوں ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ گئے۔

عنصر نے جو ان کی ذہنی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھا مسکرا کر پوچھا۔ "کیسا لگ رہا ہے"

"بہت اچھا" مومنہ بولی۔

''اور تمہیں اسد''

''انکل میں نے تو یہ سب کچھ آج پہلی بار دیکھا ہے''

''امی کبھی نہیں لائیں یہاں'' اس نے جان بوجھ کر کہا۔

''ہونہہ'' اسد بولا ''امی ہمیں یہاں لائیں گی۔ وہ خود بھی شاید کبھی نہیں آئیں''

''آئی تھیں'' مومنہ جھٹ سے بولی۔

''کب؟'' اسد نے اس کی طرف دیکھا۔

''آنٹی عفت نے ایک دفعہ سب آنٹیوں کو یہاں کھانا کھلایا تھا۔ اور امی کی بنک کی میٹنگ بھی تو یہاں ہوئی تھی۔ ایک دفعہ کسی کی شادی میں بھی آئی تھیں۔''

''ہاں۔'' اسد بولا۔ لیکن ہم تو کبھی نہیں آئے نا''۔

''ہاں ہم آج پہلی بار آئے ہیں۔''

عنصر مسکراتا رہا۔ پھر بولا ''میں تمہیں بار بار یہاں لانا چاہوں تو امی آنے دیں گی''۔

''اف توبہ'' اسد نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج بھی بس پتہ نہیں کیسے آنے دیا ہے؟''

وہ ہنس کر بولا۔ عنصر انکل کی دعوت وہ نہیں ٹال سکتیں۔

''سچی؟'' اسد نے خوشی کا اظہار کیا۔

''ایسے ہی کہہ رہا ہوں'' وہ بولا۔ وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

چند لمحے تینوں باتیں کرتے رہے۔ پھر عنصر نے کہا ''چلو کھانا کھائیں۔ یہاں سیلف سروس ہے۔ وہاں پلیٹیں پڑی ہیں۔ اٹھا کر جو کھانا ہے ان میں ڈال لو۔ چلو''

عنصر اٹھا۔ اسد اور مومنہ بھی اس کے ساتھ چلے۔ تینوں کھانے کے سٹینڈ

تک جا پہنچے۔ ہچکچا رہے تھے۔ عنصر نے پلیٹیں چمچ اور کانٹے انہیں پکڑا دیئے۔

اتنے ڈھیر ساری ڈشیں تھیں۔ بچوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کہ وہ ایک ڈش میں سے کھانا لیں یا ساری ڈشوں سے۔

بہر حال انہوں نے عنصر انکل کی نقالی کی۔ جو جو کچھ انہوں نے اپنی پلیٹ میں ڈالا وہ بھی لیتے گئے۔

کھانا لے کر تینوں واپس میز پر آ بیٹھے۔ اور چھوٹی چھوٹی پیاری پیاری باتوں کے درمیان کھانا کھانے لگے۔

''ختم ہو جائے تو اور لے لینا۔ عنصر نے کہا۔

بچے خوش خوش کھانا کھانے لگے۔ وہ اردگرد کی میزوں کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ جو لوگوں سے بھری تھیں۔ اور جہاں لوگ خوش گپیوں میں مصروف کھانے کا لطف لے رہے تھے۔

ہال کتنا سجا ہوا تھا۔ پیتل اور تانبے کے بڑے بڑے واز جن میں سدا بہار پھول اور پودے لگے تھے چمک رہے تھے۔ روشنیاں خوابناک تھیں۔ لوگوں کی باتوں کی بھنبھناہٹیں ماحول میں رس گھول رہی تھیں۔ سرگوشیاں بھی ہو رہی تھیں۔ اور ہلکے پھلکے قہقہے بھی لگ رہے تھے۔

عنصر گاہے گاہے بچوں کے چہروں پر نظریں جما دیتا۔ وہ کتنے خوش تھے۔ اسے اس بات سے روحانی اور دلی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ اس نے آج دو یتیم بچوں کے لئے خوشی کا یہ موقع فراہم کیا تھا۔

یا

شاید اس لئے بھی کہ وہ عصمی کے وجودی ٹکڑوں کو لئے بیٹھا تھا۔ اور ان کے لئے جی بھر کر خوشیاں سمیٹنے کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے تقریباً سارا ہوٹل بچوں کو دکھایا۔ لفٹ کے ذریعے اوپر بھی لے گیا۔ بڑے بڑے شادی ہال بھی دکھائے۔ جہاں لوگوں کے ہجوم تھے۔ کہیں بارات آئی تھی۔ کہیں ولیمے کی تقریب تھی۔

اس نے بچوں کو سوئمنگ پول بھی دکھایا۔ جو ہوٹل کی چھت پر بنا تھا۔ اور بچوں کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں ٹھہرے رہے۔ انکل سے طرح طرح کے سوال کرتے رہے۔ لوگوں کو سوئمنگ کرتے دیکھتے رہے۔

وہ بڑے پیار سے ان کے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔

''اب چلنا چاہیے''۔ عنصر نے گھڑی دیکھی

''چلئے'' بچے کافی سیر کر چکے تھے اور ان کی معلومات میں بھی خاصہ اضافہ ہو چکا تھا۔ عنصر نے انہیں گھر پہنچایا۔ ہارن دیا۔ توقع تھی کہ عصمہ دروازہ کھول کر ضرور باہر آئے گی۔ لیکن دروازہ عصمہ کی بجائے اماں نے کھولا۔ عنصر اندر ہی اندر اداسی کا شکار ہو گیا۔

بچوں نے گاڑی سے اتر کر اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ ''تھوڑی دیر کے لئے اندر آئیے نا انکل''

اسد نے پر زور اصرار کیا۔

لیکن عنصر نے گھڑی دیکھی اور بولا۔ اب تم لوگ اندر جاؤ۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔ میں چلوں گا۔

بچوں نے ایک بار پھر اظہار تشکر کے طور پر انکل کا گاڑی کی کھڑکی میں رکھا ہاتھ چھوا اور مودبانہ سلام کر کے ایک طرف ہو گئے۔

عنصر نے گاڑی چلا دی۔ بچوں نے ہاتھ ہلائے۔ انہیں خوشیوں سے روشناس کرانے والا یہ انکل بہت ہی اچھا لگا تھا۔

عنصر گاڑی نکال لے گیا تو بچے اندر چلے گئے۔

عصمہ ان کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ بچے اپنے اپنے ڈبے اور لفافے اٹھائے ادھر ہی چلے گئے۔ امی کو بڑے پر زور اور پیار بھرے انداز میں سلام کیا۔

''اتنی دیر لگا دی'' عصمہ بیڈ میں تکئے کے سہارے بیٹھی تھی۔

''اوہ امی'' دونوں بچے اس سے لپٹ گئے۔ ''آج تو ہماری عیش ہو گئی''۔

''کہاں کہاں گئے؟'' اس نے پوچھا۔ بچے پوری کہانی سنانے لگے تو عصمہ نے پیکٹس کی طرف دیکھ کر پوچھا

''یہ کیا ہے''

''تحفے'' اسد بولا۔

''کیا؟''

''تحفے امی'' مومنہ بولی'' انکل نے یہ چیزیں ہمیں دلائیں''

''یہ کیا؟'' وہ اٹھ کر آگے کو ہوگئی۔

''مزے مزے کی چاکلیٹس، ٹافیاں، سوئیٹس اور۔'' اسد نے بات ادھوری چھوڑ دی اور مومنہ کی طرف دیکھا۔

''اور کیا ہے'' اس نے بڑے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

''مومنہ کے لئے سویٹر'' اسد بولا۔

''اور اس کے لئے پل اوور۔'' مومنہ ماں کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ولائتی ہیں امی''۔

عصمہ کا چہرہ سنجیدہ ہوگیا بولی'' یہ تم نے کیوں لئے''۔

اسد نے پل اوور نکال کر اپنے ساتھ لگایا اور امی کی بات کا جواب دینے کے بجائے بولا۔ دیکھیں تو کتنا خوبصورت ہے''۔

''تم انکار تو کرسکتے تھے'' وہ بولی۔

''کہا تھا۔ وہ مانے ہی نہیں۔ انکار نہ کرتے تو جانے اور کیا کیا چیزیں ہمیں لے کر دیتے''۔

''اور تم بے دھڑک لے بھی لیتے'' عصمہ نے قدرے ناراضگی کا اظہار کیا۔

دونوں بچے چپ ہو گئے

چند لمحوں کے بعد مومنہ بولی۔'' آپ ناراض ہیں۔ تو ہم یہ چیزیں انکل کو واپس کر دیں گے''۔

اسد ڈھٹائی سے حریصانہ انداز میں بولا۔ ''تم کرتی ہو تو کر دینا۔ میں تو نہیں کروں گا۔ اتنے پیار سے انہوں نے ہمیں یہ چیزیں لے کر دی ہیں۔ واپس کرتے اچھے لگتے ہیں''

عصمہ چپ رہی۔ واقعی اب یہ چیزیں واپس کرنا تو اخلاقی حدود کے اندر نہیں آتا تھا۔ لیکن عنصر نے یہ چیزیں بچوں کو کیوں دلائیں؟ سیر تفریح اور کھانا پینا بھی بہت تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا یہ احسان کیسے اتارنا چاہیے۔

''امی نے تو سارا موڈ ہی خراب کر دیا'' اسد نے غصیلے انداز میں کہا۔ وہ بیڈ سے اٹھنے لگا تو عصمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے قریب کرتے ہوئے بولی ''بیٹے ایکدم موڈ آف نہ کر لیا کرو۔ ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انہوں نے تم پر اتنا خرچ کیا۔ اب ہمیں بھی کچھ نہ کچھ ان کے لئے کرنا پڑے گا''

''تو کیا ہوا۔ آپ بھی ان کو کوئی تحفہ دے دیں۔ امریکہ لے جائیں گے'' اسد بولا۔ عصمہ مسکرا دی پھر بچوں کا انداز خوشگوار کرنے کو بولی'' کھانا کہاں کھایا''

''آواری میں'' بچے بولے۔

''کیسا لگا؟''

''بہت اچھا۔ انکل نے ہمیں سارا ہوٹل دکھایا اوپر سوئمنگ پول پر بھی لے گئے''

''ہوں'' عصمہ نے مسکراتے ہوئے لمبی سی ہوں کی۔

دونوں ساری باتیں امی کو بتانے لگے۔ کبھی دونوں باری باری بولتے۔ کبھی اکٹھے ہی بول اٹھتے وہ اپنی خوشی کا پورا پورا اظہار کر رہے تھے۔

عصمہ نے دونوں کو ساتھ لپٹا لیا۔ وہ انہیں خوش دیکھ کر خوش ہو رہی تھی تینوں کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر

عصمہ نے مومنہ سے کہا ''تم بھی تو اپنی سویٹر دکھاؤ''

مومنہ نے جھٹ سے اپنا ڈبہ کھولا۔ اور سویٹر نکال کر ماں کو دکھائی۔ بہت

خوبصورت سویٹر تھی۔ ہلکے پنک رنگ کی۔

عصمہ کو سویٹر دیکھتے ہی یاد آ گیا۔ کہ عنصر کو یہ رنگ کتنا اچھا لگتا تھا۔ اس کے پاس بھی اس رنگ کی ایک سویٹر ہوا کرتی تھی۔ وہ جب بھی یہ سویٹر پہنتی تھی عنصر کہتا تھا لگتا ہے گلابوں کے رنگ نکھر آئے ہیں۔ تم روز یہی سویٹر پہنا کرو۔ تمہارے رنگ کے ساتھ یہ رنگ بہت میچ کرتا ہے۔ لگتا ہی گلاب گلابوں میں گھر گیا ہو۔"

"کیا اس رنگ کی سویٹر عنصر نے یاد دہانی کے لئے مومنہ کو دلائی ہے؟" وہ سوچوں میں ڈوب گئی بچے اپنی اپنی چیزیں سمیٹنے لگے۔ اسد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مومنہ ماں کے پاس لیٹ گئی۔ چند منٹوں بعد مومنہ گہری اور پرسکون نیند سو رہی تھی۔ لیکن عصمہ جاگ رہی تھی۔

☆☆☆

حرا سوتے میں اٹھ گئی تھی۔خدا جانے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔یا ویسے ہی ڈر گئی تھی۔جب سے اٹھی تھی روئے جارہی تھی۔ذکیہ آپا اسے گود میں لئے بیٹھی تھیں۔پیار کر رہی تھیں۔چپ کرا رہی تھی۔دھیان بٹانے کو گڑیوں اور کھلونوں کی باتیں کر رہی تھیں۔لیکن وہ جیسے کچھ سن ہی نہ پا رہی تھی۔آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھی۔جنہیں وہ پوری طرح کھول کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہو۔

مدیحہ بھی اٹھ کر ذکیہ آپا کے کمرے میں آگئی۔

''اسے کیا ہوا آپا'' وہ ذکیہ کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔سائیڈ ٹیبل کا لیمپ روشن تھا۔لیکن مدیحہ نے چھت کی بتی بھی روشن کردی تھی۔اب کمرے میں خاصی روشنی تھی۔ذکیہ آپا کا کمرہ خاصہ بڑا تھا۔فرش پر ہلکے پیازی رنگ کی میٹنگ پڑی تھی۔کھڑکیوں پر اس کے ہمرنگ پردے لٹک رہے تھے۔ایک طرف گدے دار دو کرسیاں تھیں۔ساتھ ایک ٹیبل پڑی تھی۔جس پر گلدان میں کئی دنوں کے مرجھائے پھولوں کی ڈنڈیاں پڑی تھیں۔دائیں دیوار کے ساتھ ان کا ڈبل بیڈ تھا۔وہ اپنے کمرے میں اکیلی ہی رہتی تھیں۔لیکن جب زیادہ مہمان آجاتے تو ایک طرف فوم کا گدا ڈال کر ان کا کوئی بیٹا ان کے کمرے میں سو جاتا تھا۔آج ادھر راحیل نے سونا تھا۔لیکن وہ ابھی تک لاؤنج میں ہی تھا۔ ڈش پر فلم آرہی تھی وہ اپنے بھائی اور مدیحہ کے دونوں بچوں کے ساتھ فلم دیکھ رہا تھا۔عنصر کی دونوں بیٹیوں کے لئے بھی ایک پلنگ اس کمرے میں ڈال دیا گیا تھا۔دونوں جب تک جاگتیں عنصر کے پاس اس کے کمرے ہی میں رہتیں۔ سونے کے لئے ذکیہ کے کمرے میں آجاتیں۔ذکیہ سے وہ کافی مانوس ہو چکی تھیں۔ذکیہ بھی انہیں ماں جیسا پیار دے رہی تھی۔

مدیحہ بھی لاؤنج سے اٹھ کر ادھر آگئی تھی۔بچی کے مسلسل رونے سے وہ پریشان ہو کر ادھر آئی تھی۔

''یہ دونوں تو دس بجے سو جاتی ہیں'' ذکیہ نے کہا۔

''آج کیا ہوا'' مدیحہ نے بچی کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرا

''پتہ نہیں۔'' ذکیہ اسے ساتھ لگا کر تھپتھپاتے ہوئے بولی ''ایک دم ہی اٹھ گئی ہے۔ جب سے اٹھی ہے روئے جا رہی ہے''

''یہ دراصل ابھی نیند ہی میں ہے''

''ہاں یہی بات ہے اسی لئے کچھ سمجھ نہیں پا رہی''

''مجھے دیں۔ میں بہلاتی ہوں''

مدیحہ نے اسے اپنی طرف کر لیا۔ اس کا چہرہ اونچا کیا۔ آنسو پونچھے اور بہلانے پھسلانے لگی۔ لیکن......

وہ چپ نہ ہوئی۔۔

''بہتیرے جتن کر چکی ہوں'' ذکیہ نے کہا

''عنصر بھائی آئے نہیں ابھی'' مدیحہ نے بچی کو ساتھ لگاتے ہوئے بہن سے پوچھا۔

''کہاں آیا ہے ابھی'' ذکیہ نے ماتھے پر بل ڈالے

''بچی شاید باپ ہی کے لئے رو رہی ہے''

''کیا پتہ''

''حرا'' مدیحہ نے پیار سے اسے پکارا اور پھر انگریزی میں پوچھا ''پپا کے پاس جانا ہے''

''پپا'' حرا نے آنکھیں کھول دیں اور بازو پھیلائے۔

''دیکھا آپا باپ ہی کے لئے ضد کر رہی ہے'' مدیحہ نے کہا۔ ''وہ ابھی آئے ہی نہیں''۔

''جانے کہاں گیا ہے۔''

''کل بھی دیر ہی سے آئے تھے''

''دوست یار مل جاتے ہیں۔ انہیں کے ساتھ وقت گزار کر آتا ہے''

''کم از کم بچیوں کا تو خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی یہ پوری طرح ہم لوگوں سے مانوس کب ہوئی ہیں''۔

''مانوس تو خیر ہوگئی ہیں۔ آج ہی ضد کر رہی ہے''

''عنصر بھائی آئیں۔ تو ان سے کہیے گا۔ سارا دن تو جہاں چاہیں گزارا کریں۔ رات کو جلدی گھر آجایا کریں''۔

''مجھے تو اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ کیا کرتا پھر رہا ہے''

''کرنا کیا ہے آپا۔ اتنی دیر کے بعد دوست ملتے ہیں تو گپ شپ میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ صبح بتا رہے تھے کہ ان کا ایک دوست انہیں پورے سولہ سال بعد ملا ہے''

''پرانی دوست بھی سولہ سال بعد ملی ہے'' آپا نے منہ بنا کر بیزاری سے کہا۔

''مدیحہ چند لمحے چپ رہی مگر اب اس کے سینے سے سر لگائے ہولے ہولے سسک رہی تھی۔

''آپا''

''ہاں''

''آپ اس کی بات کر رہی ہیں۔ جس کے ساتھ عنصر بھائی کا رومانس تھا۔''

''اسی کا بتایا تھا۔ ملی تھی اس سے''

''لیکن وہ تو آپ بتا رہی تھیں شادی شدہ ہے۔ بچے بھی ہوں گے''

''پتہ نہیں۔ یہی بتایا تھا۔ اس کی شادی تو اچھے گھرانے میں ہوئی تھی۔ لیکن ان دنوں نوکری کر رہی ہے۔ حالات اچھے نہیں''۔

''خاوند سے ان بن تو نہیں ہو چکی؟''

''اب اتنی تفصیلات تو مجھے معلوم نہیں۔ عنصر ہی کو پتہ ہوگا''۔

دونوں بہنیں نسوانی سرشت کے مطابق مشکوک قیاس آرائیاں کرنے

لگیں۔ بچی اب سسکتے سسکتے سوگئی تھی۔ لیکن مدیحہ نے اسے اپنے ساتھ ہی لگا رکھا تھا۔ ہلانے جلانے سے مبادا اٹھ جائے۔

وہ باتیں کر رہی تھیں۔ کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ مدیحہ نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی گیارہ بجنے میں دو چار ہی منٹ تھے۔

''آپا'' مدیحہ بولی

''جی''

''آج عنصر بھائی آئیں تو ان سے کھل کر بات کیجئے گا۔ آخر ان کے ارادے کیا ہیں۔ آپ کے دیکھے ہوئے رشتے بھی ابھی تک دیکھنے نہیں گئے''۔

''شادی تو اس نے کرنی ہے'' وہ بولیں۔ ''اور ظاہر ہے اپنی مرضی ہی سے کرے گا۔ ہم لوگ تو محض وسیلہ ہیں۔ اسے مجبور تو نہیں کر سکتیں''۔

''یہ بات تو ہے۔ لیکن کوئی قدم بھی تو اٹھائیں نا''

جب بھی بات کرتی ہوں کہتا ہے چند دن انتظار کیجئے''۔

''ضرور کوئی بات ہے'' مدیحہ نے آنکھیں مٹکائیں۔ ورنہ جب آئے تھے۔ تو جلدی میں تھے''

''ہاں''

''آپ بھی تو ان سے پوچھتی نہیں ہیں۔ جو بات بھی ہے صاف صاف کہہ دیں'۔ معاملہ ادھر ہو یا'' ادھر ذکیہ چپ ہو گئیں

عنصر گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے اندر آ رہا تھا۔ وہ خوشگوار موڈ میں نہیں تھا۔

باہر رات تاریک تھی۔ خنک بھی تھی۔ عنصر کو یوں لگ رہا تھا۔ رات کی ساری تاریکیاں اور خنکیاں اس کے اندر اتر آئی ہیں۔ عصمہ کے رویے سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

وہ شاید سیدھا باہر والے گیسٹ روم میں جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا چلا جاتا۔ لیکن اپنے کمرے میں جانے سے پہلے دونوں بچیوں کو دیکھنے آپا کے کمرے

میں ضرور آتا تھا۔ سوئی ہوئی بچیوں کے ماتھے چومتا۔ انہیں پیار کرتا اور آپا سے ادھر ادھر کی چند باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا جاتا۔ کئی دن ہو گئے تھے اس نے بہنوں اور بھانجے بھانجیوں کے ساتھ شب کی محفل نہیں سجائی تھی۔ شروع شروع میں تو ایسی محفل بھرپور انداز میں سجتی اور رات کے ایک ایک بجے تک سب باتوں میں مصروف رہتے۔ وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا تھا۔

وہ لاؤنج میں نہیں رکا۔ سب کے سلام کا جواب دیتے ہوئے ذکیہ آپا کے کمرے میں آ گیا۔ جہاں ان کے بیڈ پر حرا کو ساتھ لگائے مدیحہ بھی بیٹھی تھی۔

اس نے دونوں کی طرف دیکھا سلام کیا اور جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے بولا ''یہ حرا کو کیوں لئے بیٹھی ہیں''

''شکر ہے آپ آ تو گئے'' مدیحہ نے کہا۔

''کیوں۔ کیا ہوا۔'' اس نے حرا کی طرف ہاتھ بڑھائے، ''یہ ٹھیک تو ہے نا''۔

''رو رو کر اب سوئی ہے''۔ مدیحہ نے کہا۔

''گھنٹہ بھر روتی رہی ہے۔ مجھ سے تو سنبھلی ہی نہ تھی''۔ ذکیہ نے کہا ''تھک کر سوگئی ہے''۔

عنصر اور پریشان ہو گیا۔ جھک کر بچی کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی''۔

''پتہ نہیں کیا ہوا۔ سوتے میں اٹھ گئی اور رونا شروع کر دیا''۔ مدیحہ نے بچی اس کے حوالے کر دی وہ حرا کو بازوؤں میں بھر کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''حرا'' اس نے پیار سے اسے پکارا۔ پھر انگریزی میں اس سے پیار دلار کی باتیں کرتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

''پپا'' بچی نے زور سے کہتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر انگریزی میں پوچھا ''آپ کدھر تھے۔ میں آپ کو مس کر رہی تھی''۔

وہ پھر رونے لگی تو باپ نے چمکارا پیار کیا اور بولا'' روتے تو نہیں ہیں نا۔

چپ ہو جاؤ دیکھو امارہ سو رہی ہے۔ تمہارے رونے سے وہ بھی اٹھ جائے گی۔"

حرا کو بہلا پھسلا کر وہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کر امارہ کے بیڈ کی طرف آیا۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

وہ بے خبر سو رہی تھی۔

وہ پھر حرا کی طرف آیا۔ اور اسے ساتھ لگا کر سلانے کی کوشش کرتے ہوئے بہنوں کی طرف دیکھا

"سوری آپا۔ ان کی وجہ سے آپ لوگ ڈسٹرب ہوئیں"۔

مدیحہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور ہولے سے بولی "عنصر بھائی خالی خولی سوری کہنے سے کچھ نہیں بنے گا"

"تو کیا کہوں" عنصر نے بچی کو چھاتی سے لگا کر تھپکتے ہوئے کہا۔

"دل کی بات" وہ مسکرائی۔

"کیا؟" عنصر نے حیرانگی سے دونوں بہنوں کو دیکھا۔

"کہیں نا آپا" مدیحہ نے ذکیہ سے کہا۔

"کیا کہوں" ذکیہ آپا نے کہا۔ "جو میں نے کہنا تھا کہہ دیا تھا اب اس کی مرضی جو چاہے کرے"۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔" عنصر نے بچی کے بالوں پر لب رکھتے ہوئے کہا دونوں بہنیں چپ رہیں۔

پھر

مدیحہ نے کہا "عنصر بھائی۔ آپ پاکستان شادی کرنے آئے ہیں"۔

"ہاں تو۔"

"پھر آپ نے جو رشتے دیکھے ہیں۔ وہ دیکھ کیوں نہیں رہے آپ۔ شادی کرنی ہے تو کر ڈالیں۔

عنصر نے سر اثباتی انداز میں ہلایا۔ لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

ذکیہ بھی چپ بیٹھی رہی۔

ہاں

مدیحہ ہی بولے گئی۔ ''عنصر بھائی آپ کے پاس وقت کم ہے۔ بات چیت چلتے بھی تو کچھ وقت لگے گا۔ پھر بیوی کو امریکہ لے جانے کے لئے بھی ٹائم لگے گا۔ ویزا ملتے بھی تو کچھ دیر لگے گی۔ جانے سے پہلے نکاح یا رخصتی جو کچھ بھی کرنا ہے بتا تو دیں۔ بچیوں کو ماں نہ سہی ماں کا کچھ بدل تو مل جائے''۔

وہ بچی کے بالوں پر منہ دھرے بیٹا سنتا رہا۔

بچی سوگئی تھی۔ اس لئے اسے بیڈ پر ڈالنے کے لئے اٹھا۔ تو بچی پھر جاگ گئی۔ ''پپا۔ میں آپ کے پاس سوؤں گی۔ آپ مجھے اکیلا نہ چھوڑیں''۔

''اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ عنصر''۔ ذکیہ نے ملائمت سے کہا۔ ''یہ ڈسٹرب ہوگئی ہے۔ رات بھر ایسے ہی کرتی رہے گی۔ اسی اپنے پاس ہی سلا لو''

عنصر نے اچھا کہا پھر لمارہ کی طرف دیکھ کر بولا ''اسے بھی لے جاؤں''

''نہیں۔ وہ تو سو رہی ہے گہری نیند۔ اٹھ گئی تو میں اپنے پاس لٹا لوں گی۔''

''جو حرا کی طرح رونے لگی تو'' مدیحہ نے کہا

''کوئی بات نہیں۔ اوّل تو وہ اٹھے گی نہیں اٹھ کر پپا کے پاس جانے کی ضد کی تو دے آؤں گی عنصر کو''

عنصر کچھ متاسف کچھ مجوب سا کھڑا رہا۔ حرا اس کے بازوؤں میں تھی۔

''یہ دو تین دن سے لیٹ آرہا ہے نا۔ اس لئے بچی اکیلا پن محسوس کر رہی ہوگی۔ ورنہ اتنے دن ہوگئے آرام سے سو جاتی ہیں میرے کمرے میں''

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔ عنصر نے بچی کو کندھے سے لگایا......اور دونوں بہنوں کو شب بخیر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بچی کو اٹھائے وہ اپنے کمرے میں آیا۔

حرا کو پیار کرتے ہوئے اس نے اپنے بیڈ پر لٹایا اور بولا ''جان پپا میں چینج کرکے ابھی تمہارے پاس آکر لیتا ہوں۔ آج تمہیں اپنے پاس سلاؤں گا''

بچی کو جیسے سکون آ گیا۔ عنصر لباس شب خوابی لے کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ کپڑے تبدیل کئے باتھ روم میں گیا۔ منہ ہاتھ دھویا برش کیا اور واپس کمرے میں آ گیا۔ یہ گیسٹ روم کچھ بہت بڑا نہیں تھا۔ لیکن ایک طرف ڈبل بیڈ اور دوسری طرف صوفہ رکھنے کی گنجائش تھی۔ باقی گھر کی طرح یہ کمرہ بھی آراستہ تھا فرش پر نیلا پھولدار کارپٹ تھا پردے آسمانی رنگ کے تھے صوفہ بھی گہرے اور ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ بیڈ کور بھی نیلا پھولدار تھا۔ اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے لیمپ بھی نیلے تھے۔ جن سے ہلکے نیلے رنگ کی روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔

عنصر بیڈ کی طرف آیا۔ حرا کو دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر آنسوؤں کی خشکی ابھی تک تھی۔ آنکھوں کے گرد سرخیاں پھیلی تھیں۔ جانے وہ کب سے رو رہی تھی؟

عنصر نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ ہاتھوں سے اس کے بال ٹھیک کئے۔ اس کا سر اونچا کر کے نرم تکیے پر رکھا۔ پھر آہستگی سے کمبل اس پر ڈال دیا۔

اور

خود

قریب پڑے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ وہ خاصہ بے چین ہو رہا تھا۔ بار بار حرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ بن ماں کی بچیاں اب اس کی ذمہ داری تھیں۔ لیکن وہ چند دنوں سے ان کی طرف سے لاپرواہ ہو کر اپنے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ وہ عصمی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس لئے آج اپنے بچوں کو ذکیہ آپا کے پاس چھوڑ کر مومنہ اور اسد کو خوشیوں کے تحفے بانٹتا رہا تھا۔

یہ اس کی خود غرضی تھی؟

انسان کے اندر احساس ندامت و جرم اترنے لگے۔ تو شکست و ریخت کا سلسلہ آپوں آپ شروع ہو جاتا ہے۔ مثبت سوچیں رک جاتی ہیں اور منفی بہاؤ

بہالے جاتا ہے انسانی شخصیت کی توڑ پھوڑ ایسے میں ہی ہوتی ہے۔ وہ ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔ اور تعمیر نہیں غلط ملط قسم کا غیر تعمیری سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس وقت عنصر بھی ایسے ہی جذبات سے دوچار تھا۔ کبھی وہ خود کو اپنے خول میں بند پاتا کبھی خودغرضی کی حد تک اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو اندھادھند بھاگتا محسوس کرتا۔ وہ بچوں کے لئے اپنے رویوں سے نادم ہونے لگا۔ ان بچیوں ہی کے اچھے مستقبل کے لئے وہ پاکستان آیا تھا۔ ان کے لئے اسے ایسی عورت کی ضرورت تھی۔ جو مشرقی قدروں کی امین ہو۔ جو ان کی اچھی دیکھ بھال کر سکے۔ جو ماں نہ سہی ماں کا بدل نہ سہی لیکن صحیح جذبات رکھنے والی عورت ہو۔ عورت کے سوتیلے پن سے وہ خائف اس لئے نہیں تھا کہ وہ بچیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال سے خود کو الگ کرنے والا نہیں تھا۔

لیکن

یہاں آکر

عصمہ کو دیکھ کر

اس کے اندر ایسی تبدیلی آئی تھی۔ کہ وہ اپنے ہی جھمیلوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ صوفے میں نیم دراز ہو گیا۔ گدیاں اوپر تلے رکھ کر ان پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن سے ہر منفی و مثبت سوچ نکل گئی۔ اب وہ صرف اور صرف عصمہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی جوانی کا وہ دور یاد آ رہا تھا۔ جب وہ اور عصمہ ایک دوسرے کے لئے جیتے تھے۔ ان کی محبت بے مثال تھی۔ وہ جذباتی اور ہیجانی دوروں سے بھی گزرے تھے۔

لیکن

ان کی محبت بے لوث تھی۔ بے ضرر تھی۔

اس محبت نے انہیں دیوانہ نہیں کیا تھا بیگانہ نہیں کیا تھا۔ ہوش و حواس میں رہ کر ایک دوسرے کو چاہا تھا۔

''عصمی'' وہ اکثر کہتا'' اگر ہم ایک دوسرے کے ہمیشہ کے لئے نہ ہو سکے تو کیا ہوگا''

عصمی کھلکھلا کر ہنس پڑتی اور کہتی'' تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہیں؟''

''میرا مطلب ہے ہماری شادی نہ ہو سکی تو''

''تو کیا فرق پڑے گا۔ ہم ایک دوسرے کے لئے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے رہیں گے۔ شادی تو دنیاوی جوڑ ہوتا ہے''

''سچ کہتی ہو''

''جو محسوس کرتی ہوں وہی کہتی ہوں''

''ہم بچھڑ بھی گئے تو۔''

وہ بات کاٹ دیتی'' پھر بھی ایک دوسرے کے لئے رہیں گے''۔

''ہمارے حالات ایسے ہیں کہ ہماری شادی نہیں ہو سکے گی عصمی۔ میں اس قابل ہی نہیں۔ کہ تمہارے والدین کے سامنے دست سوال دراز کر سکوں۔ میری معمولی حیثیت اس پر چار بہنوں کی ذمہ داری اور بوجھ۔ تمہارے والدین کی جگہ کوئی بھی ہو اپنی بیٹی کی شادی مجھ جیسے جکڑے ہوئے اور معمولی تنخواہ دار سے کرنے پر آمادہ نہ ہوگا''

''ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو''۔

''تو پھر؟''

''کیا فرق پڑے گا عنصر۔ وقتی طور پر ہمیں دکھ کی راہگذاروں سے گزرنا پڑے گا۔ پھر تم بھی سیٹ ہو جاؤ گے۔ اور شاید میں بھی''

''اپنے لئے شاید کا لفظ استعمال کر رہی ہو۔ اور مجھ پر تطقیق سے فیصلہ صادر کر دیا''

''یہ اس لئے کہ عنصر تم مرد ہو۔ مردوں میں حوصلہ اور ہمت عورتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

وہ چپ ہو جاتا۔

اب وہ اپنے اور عصمی کے انہیں خیالات و جذبات کا تجزیہ کر رہا تھا

کیا وہ عصمی سے بچھڑ کر سیٹ ہو گیا تھا؟

کیا عصمی پر شاید والی بات لاگو تھی؟

وہ اپنے آپ کو ٹٹولتا رہا۔ سولہ گزرے سالوں کا تجزیہ کرتا رہا۔

اس نے ان سولہ سالوں سے مفاہمت کر لی تھی۔ دکھ اور رنج برداشت کر لیا تھا لیکن کیا وہ سیٹ ہو گیا تھا؟

وہ پوری ایمانداری سے اپنے جذبات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ اور اس کے روئیں روئیں سے نفی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ حالات نے اسے سنبھالا دیا تھا۔ ماضی پر گرد کی تہیں جم گئی تھیں۔

لیکن

جو شخص دل کی دھڑکن بن چکا ہو۔ وہ کبھی دل سے جدا ہوا ہے۔ وہ دھڑکن دل سے جدا ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ وہ مر نہیں گیا تھا۔ زندہ تھا۔ حواس قائم تھے دل کی دھڑکن قائم تھی۔ یہ دھڑکن عصمی ہی تو تھی۔

عصمی اس کی یادوں میں اس کے خیالوں میں ایک زندہ حقیقت کی طرح جی رہی تھی اسی لئے تو جسمانی تقاضوں اور تنہائیوں سے تنگ آ کر اس نے جب جینی سے شادی کی تھی......تو

وہ جینی جیسی عورت کو مطمئن نہ کر سکا تھا۔ وہ پیار کی شدتوں کی وسعتوں کی خواہاں تھی۔ پوری توجہ چاہتی تھی۔ ایک ڈمی بن کر نہیں بیوی بن کر رہنا چاہتی تھی۔ عنصر اب سوچ رہا تھا کہ اس بیچاری عورت کو وہ اس کا حق ایمانداری سے نہیں دے سکا۔

یہ نفی اس سے کون کرواتا تھا؟

عصمی کا خیال۔

اس کے وجود کا احساس

اس کے ہونے کی حقیقت۔

وہ دل پر ہاتھ رکھے کتنی ہی دیر پڑا رہا۔

پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔صوفے میں نیم دراز تھا۔اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

عصمی

اس کو پورے سولہ سالوں بعد ملی تھی۔جن حالوں میں ملی تھی۔اس کا اسے دکھ تو بے شک ہوا تھا۔لیکن اس کے اندر کی بے سکونی اسے ان حالوں میں دیکھ کر چین پا گئی تھی۔

وہ بیوہ ہو چکی تھی۔

قدرت نے شاید اس سے میل اسی لئے کروایا تھا۔کہ وہ اسے پا سکے۔اس کھوئی ہوئی دل کی دولت کو پھر سے حاصل کر سکے۔اس کے جذبوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا ماضی پر جمی دھول اور مٹی کی تہیں اتر گئی تھیں۔ایک بار پھر عصمی اس کی دسترس میں آ رہی تھی۔اسے پرواہ نہیں تھی۔کہ وہ جوانی کے شوخ و شنگ دور سے گزر چکی ہے۔وہ بیوہ عورت ہے اور اس کے دو بچے ہیں۔

لیکن !!!

وہ کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اپنے جذبات سے تو اسے قطعی آگہی تھی۔

لیکن

عصمی !

اس کا رویہ تو یکسر بدلا ہوا تھا۔اسے آج کا واقعہ یاد آ رہا تھا۔وہ اس کے بچوں کو لینے گیا تب بھی اور جب چھوڑنے گیا تب بھی وہ اس کے سامنے نہ آئی تھی۔اس نے تو رسمی طور پر اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی؟

تو ...... کیا ......

عصمی اندر سے بالکل کھوکھلی اور خالی ہو چکی تھی۔ اس کی وہ ساری باتیں جو وہ ابھی یاد کر رہا تھا رسمی تھیں۔ رٹی رٹائی سنی سنائی باتیں۔

وہ سوچ تو رہا تھا۔ لیکن اس کا دل مان کے نہیں دے رہا تھا۔ عصمی کا یہ رویہ حالات سے فرار تھا۔ وہ ایک مجبور اور پابند رسم و رواج بیوہ تھی۔ وہ کس طرح کوئی استقبالی قدم اٹھا سکتی تھی۔

وہ نہیں اٹھا سکتی تو میں اٹھاؤں گا۔ عنصر نے زیر لب کہا۔

اور پھر

پھر

اس نے ارادہ کر لیا۔ کہ وہ عصمی سے ملے گا اب وہ دونوں سنجیدگی کے دور میں ہیں۔ جذباتی اور ہیجانی باتین نہیں ہو سکتیں۔ اس نے شادی تو کرنا ہی ہے۔ تو پھر کیوں نا وہ جان تمنا ہی پہلو کی زینت بنے۔ جس کی یادیں وہ سولہ سالوں سے دل میں سینت سینت کر رکھے ہے۔

اسے ذکیہ آپا اور مدیحہ کی باتوں کا بھی خیال آ رہا تھا۔ انہیں تذبذب میں مبتلا رکھنا زیادتی تھی۔ اب ان کو اعتماد میں لینے کی ضرورت تھی۔ رشتے جو آپا ذکیہ نے دیکھ رکھے تھے اب انہیں اس کے متعلق واضح حکمت عملی آپا کے سامنے پیش کرنا تھا۔

اور

ایسا

وہ عصمی سے ملے بغیر تو نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے عصمی سے ملنے اور کھل کر بات کرنے کا عزم کر لیا۔

عصمی ہی اس کی اور بچیوں کی زندگی میں آنے کے لئے موزوں تھی۔ وہ خود بھی بچوں والی تھی۔ اس لئے کسی ایسی عورت سے جو ان منزلوں سے گزری ہی نہ ہو۔ زیادہ بہتر ثابت ہو سکتی تھی۔

بچوں کے معاملے میں وہ ذرا سا جذباتی ہو گیا اور اس نے سوچا کہ یہ لو اور

دو کا معاملہ ہو گا وہ عصمی کے بچوں کو چاہے گا پیار کرے گا تو عصمی لازماً اس کی بچیوں پر پیار شفقت نچھاور کرے گی۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ سوچوں کی دنیا سے نکل آیا۔ اور انگڑائی لیتے ہوئے بڑبڑایا "یہ سب کچھ تو تب ہو گا جب عصمی کا عندیہ ملے گا"۔

"اور خدایا اب تو مجھ پر رحم فرما" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر بیڈ کی طرف بڑھا اور آہستگی سے حرا کا کمبل تھوڑا اٹھا کر اس میں گھس گیا۔ بچی بدستور سو رہی تھی۔



بازار میں رش کافی تھا۔ گاڑیاں ویگنیں تانگے ریڑھے سبھی آ جا رہے تھے۔ وہ بڑے محتاط انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔ امریکہ میں باضابطہ باطریقہ اور اصولوں کے مطابق ڈرائیو کرنے والوں کو یہاں آ کر گاڑی چلانے کا مسئلہ ہی ہوتا ہے۔ ٹنشن اور دردسری محسوس ہوتی ہے۔ عنصر ایسے علاقوں میں کم ہی آتا تھا۔ آج ایک پرانے دوست نے بلایا تھا۔ اس کا گھر اندرون شہر تھا۔ وہ آ تو گیا تھا۔ لیکن پھر ادھر آنے سے توبہ کر لی تھی۔ اب واپسی پہ بڑے محتاط انداز سے گاڑی چلاتے ہوئے آ رہا تھا۔

ان رش والی اور گندی ٹریفک والی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے وہ نکل کر مین روڈ پر آیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ ٹریفک یہاں بھی تھی۔ لیکن تانگے ریڑھے وغیرہ نہ تھے۔ ٹریفک یہاں بھی جس انداز سے رواں دواں تھی۔ اس کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ جس کا جی چاہتا جس طرف سے چاہتا نکل جاتا۔ آنے جانے والوں کے لئے دورویہ سڑک تھی لیکن کئی لوگوں کو اس نے یہاں بھی خلاف ورزی کرتے دیکھا اور تو اور اکثر لوگ ٹریفک اشاروں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ پتہ نہیں کیوں ان لوگوں میں قانون کے احساس کا فقدان تھا۔ کیا جلدی پڑی تھی کہ اشاروں کو بھی دھڑلے سے کراس کر جاتے تھے۔ یہ بات امریکہ میں کہاں تھی۔ معمولی سی بات پر ٹکٹ تھما دیا جاتا جرمانہ ادا کرنے پڑتا تھا۔ عنصر یہاں ہی سے گیا تھا انہیں حالات میں پلا بڑا تھا۔ آنکھیں کھولیں تھیں تو یہی حالات تھے شعور کو پہنچا تھا تو ویسے ہی حالات تھے۔ جوانی میں بھی وہی کچھ تھا لیکن امریکہ میں ایک طویل مدت رہنے سے اس نے وہاں کی اچھی عادتیں اپنائی تھیں۔ اب ان کھلم کھلا قانون کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی حد بندیوں کے تار تار ہونے پر اسے دکھ ہوتا تھا۔

وہ گاڑی احتیاط ہی سے چلاتے ہوئے اب نسبتاً صاف ستھری اور کم ٹریفک والی سڑک پر آ گیا۔ وہ اب ذہنی دباؤ میں نہیں تھا۔ آرام سے ڈرائیو کر

رہا تھا۔

اچانک ہی اس کی نظر فٹ پاتھ پر پڑی۔ جہاں اسد اور عصمہ کھڑی تھے۔ شاید یہاں ویگن اسٹاپ تھا۔ اور وہ کسی سواری کا انتظار کر رہے تھے۔ عصمہ نے پھولدار سوٹ پر کالی شال اوڑھ رکھی تھی۔ اور اسد نے جینز کے ساتھ اس دن جو پل اوور اس نے اسے خرید کر دیا تھا پہن رکھا تھا۔ وہ خاصہ سمارٹ جوان لڑکا لگ رہا تھا۔

عنصر نے گاڑی فٹ پاتھ کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دی۔ تو پہلی اسد نے پھر عصمہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہیلو'' عنصر نے کالا چشمہ اتارتے ہوئے دونوں کو خوشدلی سے دیکھا۔

اسد نے تو جمپ لگائی اور گاڑی کے قریب آتے ہوئے بولا۔ ''السلام علیکم انکل''۔

''وعلیکم السلام'' عنصر نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ مصافے کے لئے تھام لیا۔

عصمہ وہیں کھڑی رہی۔ اس نے دوبارہ نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا۔ صاف کترائی کترائی سی کھڑی دیکھتی رہی۔

''کدھر؟'' عنصر نے ایک نیم وانگاہ عصمہ پر ڈالتے ہوئے اسد سے پوچھا۔

''امی کے ساتھ آیا تھا۔ انہیں اپنی کسی کولیگ کی عیادت کے لئے آنا تھا۔ اسد نے کہا اور پھر پوچھا'' آپ کدھر؟''

''میں بھی بس آوارہ گھوم پھر رہا ہوں'' اس نے زیر لب متبسم لہجے میں کہا

اسد نے ماں کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''امی انکل عنصر ہیں''

''دیکھ رہی ہوں'' وہ ہولے سے بولی۔

''آپ ان کا شکریہ ادا نہیں کریں گی'' وہ بولا

''کس بات کا بھئی'' عنصر بول اٹھا

''اس دن جو آپ نے ہمیں اتنی سیر کرائی۔ چیزیں دلائیں''۔ پھر وہ

ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا ''انکل اس دن ہمیں امی سے ڈانٹ بھی پڑی۔''

''کیوں'' عنصر نے حیرانی سے اسے اور پھر عصمہ کو دیکھا۔

''امی کہتی تھیں۔ کہ ہم نے آپ سے چیزیں کیوں لیں۔ اسد چپکا تو عصمہ نے ڈانٹ کے انداز میں کہا ''اسد''

''جی امی''

''ادھر آؤ''

''آتا ہوں''

''ویگن آ رہی ہے''

اسد نے دائیں جانب دیکھا واقعی ویگن آ رہی تھی۔ ''اچھا انکل۔ ہماری ویگن آ رہی ہے''۔ عنصر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا ''میرے پاس گاڑی ہوتے ہوئے تم لوگ ویگن پر نہیں جاؤ گے''

اس کا انداز تحکمانہ تھا۔

''لیکن انکل امی''۔ وہ جلدی سے بولا۔

''وہ بھی میرے ساتھ جائیں گی۔ میں انہیں کھا نہیں جاؤں گا۔''

اسد کو ہنسی آ گئی۔ عصمہ نے اس کی بات سن لی تھی۔ لیکن وہ کسی طور اس کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ تھی۔

''میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔ راستے میں تم لوگوں کو ڈراپ کر دوں گا۔''

''لیکن انکل''۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں ادھر آؤ۔ اس نے گاڑی کے پچھلے دروازے کا لاک کھول دیا۔

''بیٹھو''

''اور امی''

''وہ ادھر بیٹھیں گی''۔ اس نے اپنی برابر والی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''آئیں امی'' اسد نے دروازہ کھولا۔ عصمہ نے گھور کر اسے دیکھا تو

عنصر گاڑی سے باہر نکل آیا۔''اور عصمہ کے قریب جا کر بولا۔''میں اتنا ہی اجنبی ہو چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کر رہیں''

''ویگن آ رہی ہے۔ ہمارے گھر کے سامنے رکتی ہے۔آپ خواہ مخواہ کا تردد نہ کریں۔

''جو میں تردد کروں تو۔''

وہ چپ ہو گئی۔

''عصمی آؤ۔میں تمہیں پہنچا دوں گا۔بغیر کوئی تکلیف پہنچائے۔مجھ پر اعتماد کرو۔میں جانتا ہوں اسد ساتھ ہے۔''اس نے پر معنی انداز میں کہا۔تو وہ کچھ تذبذب کے عالم میں بولی''آپ ناحق تکلیف اٹھا رہے ہیں''۔

وہ دلدوز سے تمسخر سے مسکرایا اور بولا''اتنی اجنبی بھی نہ بنو۔کہ دل اندر سے جل اٹھے عصمہ نے ایکدم نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔پھر بولی''چلئے''

''شکریہ''عنصر کے اندر حوصلے کی مضبوط لہر اٹھی۔

''عصمہ گاڑی کی طرف آئی۔اسے دیکھتے ہی اسد بڑی شان تفاخر سے پچھلی سیٹ پر ڈٹ کر بیٹھ گیا۔

عنصر نے عصمہ کے لئے دروازہ کھولا۔وہ سیٹ پر آ بیٹھی۔بٹوہ اس نے گود میں رکھ لیا۔اور سامنے شیشے پر نظریں جما دیں۔ویگن ادھر ہی سے آ رہی تھی۔

عنصر بھی اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر اس کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔''اسد تمہاری امی پتہ ہے کیوں گاڑی میں نہیں بیٹھ رہی تھیں''۔

عصمہ نے چونک کر اسے دیکھا جانے وہ کیا کہنے والا تھا۔

اسد نے تجسس سے پوچھا۔''کیوں''

''انہیں ڈر ہے۔کہ میں انہیں ڈراپ کرنے گیا۔تو اخلاقاً انہیں مجھے چائے کے لئے روکنا پڑے گے گا۔''

اسد ہنس پڑا۔ عصمہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''لیکن اسد۔'' وہ بولا۔

''جی''

''یار چائے کے لئے میں ضرور رکوں گا۔ سمجھے؟'' اس نے کہا تو اسد سے لیکن دیکھا عصمی کو۔

''جی ضرور'' اسد نے پرتپاک لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔ ''انکل آپ مجھے ہمارے گھر کے باہر والی سڑک پر ہی ڈراپ کر دیجئے گا۔ میں آپ کے لئے گرم گرم سموسے لے کر آؤں گا۔''

عنصر ہنس کر بولا۔ ''تمہیں ڈراپ کیوں کریں گے پہلے سموسے لے آئیں گے۔ پھر چائے ہو جائے گی''۔

''ٹھیک ہے''

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چند منٹ کی ڈرائیو تھی۔ وہ گھر کی مین روڈ پر پہنچ گئے تھے۔ اسد نے اسے سموسوں والی دکان کا پتہ بتایا۔ عنصر اسے ادھر لے گیا۔ یہ چھوٹا سا بازار تھا۔ جہاں کچھ دکانیں تھیں۔ ایک بیکری بھی تھی۔

اسد کے ساتھ عنصر بھی گاڑی ایک طرف روک کر اترا۔ دونوں دکان کی طرف بڑھے۔

''یہ ساتھ والی بیکری کیسی ہے'' عنصر نے پوچھا۔

''اچھی ہے۔ اسد بولا۔ اس کے کئی پف بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ مومنہ کو بہت پسند ہیں''

''مومنہ ہے کہاں؟ تمہارے ساتھ نہیں آئی۔ گھر پر ہوگی؟''

وہ ساتھ والی اماں جی کے ہاں ہے۔ امی نے جب کہیں جانا ہوتا ہے تو مومنہ کو اکیلا گھر چھوڑنے کے بجائے ان کے پاس چھوڑ دیتی ہیں''۔

''ٹھیک'' وہ بولا ''تو مومنہ کے لئے کئی پف لے لئے جائیں''

اسد ہچکچایا۔ پھر سادگی سے بولا۔ ''میرے پاس صرف پندرہ روپے ہیں۔

امی سے اور پیسے لے آؤں"۔

"حد ہوگئی یار" عنصر نے اس کی پیٹھ تھپکی "تمہارے ساتھ تمہارے انکل ہیں پیسوں کی فکر مت کرو۔ چلو تم سموسے تلواؤ۔ میں بنی پف لیتا ہوں"۔

عنصر اسے دکان پر چھوڑ کر بیکری کے اندر چلا گیا۔ بیکری دکانوں کی نسبت صاف ستھری ہی تھی۔ شیشے کے شوکیسوں میں مختلف قسم کی پیسٹریاں کیک اور بنی پف وغیرہ پڑے تھے۔

عنصر نے ایک چاکلیٹ کیک خریدا۔ درجن بھر بنی پف، کچھ پیسٹریاں، چپس کے پیکٹ اور نمکین دال سویوں کے پیکٹ لئے۔ بچے آئسکریم پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے دو پیکٹ آئس کریم کے بھی لے لئے۔

اسد چھ سموسے لے کر گاڑی کی طرف آ گیا تھا۔ عنصر لدا پھندا آیا تو اس نے حیرانگی سے کہا "آپ اتنا کچھ لے آئے"

عنصر نے لفافے اور کیک کا ڈبہ اسے پکڑایا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"امی" اسد نے ماں کو مخاطب کیا "دیکھیں انکل کیا کچھ لے آئے"

"یہ زیادتی ہے عنصر" عصمہ نے عنصر کی طرف دیکھا۔

"کیوں۔؟" وہ بولا "بچوں کے لئے تھوڑی سی کھانے پینے کی چیزیں ہیں"۔

"میرے بچے اتنی چیزوں کے عادی نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی "اس دن بھی آپ انہیں ساتھ لے گئے اور سیر و تفریح کے علاوہ بھی انہیں اتنا کچھ دلا دیا۔"

"معمولی بات تھی" وہ مسکرایا۔

"آپ کے لئے ہوگی۔ ہمارے لئے نہیں"۔

"عصمی۔"

"عنصر شاید آپ کو ہماری کم مائیگی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ یہ جو ہم پر

احسانات کر رہے ہیں۔ آپ اچھا نہیں کر رہے۔ آپ میرے بچوں کو وہ راہیں دکھا کر ان کا بھلا تو نہیں کر رہے۔ جن پر چلنا میں افورڈ نہیں کر سکتی۔''

عنصر نے ایک بھر پور نگاہ اس پر ڈالی اور ہولے سے بولا۔ ''مجھے تمہارے بچوں کے لئے کچھ کر کے خوشی ہوئی تھی۔ تم نے برا مانا۔ معذرت خواہ ہوں''۔

وہ چپ ہو گئی۔

عنصر بھی چپ رہا۔

گھر کے بیرونی دروازے کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ وہ اترا اور عصمہ کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ اسد بھی چیزیں لے کر اترا۔

عنصر واپس مڑا اور اپنی سیٹ پر آ بیٹھا

''انکل۔ کہاں جا رہے ہیں۔ چائے نہیں پئیں گے'' وہ دونوں ہاتھوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے لفافے اور کیک کا ڈبہ پکڑے پکڑے بولا

''نہیں'' عنصر نے سٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا'' پھر کبھی سہی''

عصمہ سمجھ گئی۔ کہ عنصر نے اسکی باتوں کا برا منایا ہے۔ چند لمحے ساکت سی کھڑی رہی۔ پھر اسد سے کہا'' چلو چیزیں اندر لے چلو''

وہ مڑا۔ تو عصمہ کھڑکی کے قریب آ کر بولی ''عنصر شاید میری باتوں کا آپ برا مان گئے۔''

''نہیں تو'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنسا

''تو پھر آیئے۔ چائے پی کر جایئے گا''

چند لمحے دونوں چپ رہے۔

پھر عنصر نے اس کی طرف دیکھا اور بولا'' میرا بار بار آنا بھی ناگوار نہ گزرے تمہیں''۔

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی'' میری طرح کی عورت کی مجبوریاں شاید آپ نہیں سمجھ سکتے''۔

''اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔ بلکہ سمجھتا ہوں''

''تو پھر؟''

''چلا جاتا ہوں''

''نہیں اب آ ہی گئے ہیں تو چائے پی کر جائیں۔''

''آئندہ نہ آؤں؟''

''آئندہ کی آئندہ دیکھیں گے''

''اور جو'' وہ چند لمحے چپ رہ کر بولا'' میں بار بار بلکہ روز روز آنا چاہوں تو''۔

عصمہ جانے کیسے مسکرا دی۔ اس قسم کی باتیں وہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ جی تو چاہا کہہ دے وقت نے تمہیں بدلا نہیں۔

وہ کچھ نہ بولی۔ عنصر کے گاڑی بند کر کے باہر نکلنے تک وہیں کھڑی رہی۔ وہ باہر نکلا تو اس کے ساتھ ساتھ چلتی اندر آ گئی۔ اسد نے چیزیں ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔

''مومنہ کو بلا لاؤں۔ اس نے ماں سے پوچھا۔

''ہاں لے آؤ اسے'' وہ صوفے کے پاس کھڑی تھی۔ بیگ میز پر رکھتے ہوئے عنصر سے بولی'' بیٹھیے''

''اتنے تکلف کے ساتھ مجھ سے مت بولو عصمی۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔'' اس دن تم نے مجھے تم کہہ کر بلایا اور اس انداز مخاطب سے باتیں کی تھیں۔ تو مجھے خوشی ہوئی تھی۔''

عصمہ کے لبوں پر بے نام سی مسکراہٹ آ گئی۔ اسد مومنہ کو بلانے چلا گیا تھا۔

''بیٹھو تم بھی'' عنصر نے کہا

''میں چائے کے لئے اماں کو کہہ دوں''

''ہو جائے گی چائے بھی۔ تم بیٹھو تو سہی''

وہ سمٹ کر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ عصمہ سر تقریباً

جھکائے بیٹھی تھی۔ بار بار ہاتھ مسلتے ہوئے اپنی انگلیوں کو تکے جا رہی تھی۔ عنصر ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''عصمی'' بالآخر اس نے سکوت توڑا۔

''ہوں'' عصمی نے اسے دیکھے بنا کہا۔

''تم کب سے ملازمت کر رہی ہو۔'' عنصر نے پوچھا۔

عصمی نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ ڈر رہی تھی۔ کہیں عنصر بھولی بسری رومانوی داستان کا کوئی سرا نہ چھیڑ دے۔

''مجھے'' اس نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا'' تقریباً نو برس ہو چکے؟''

اس سے پہلے؟

''دھکے کھاتی رہی'' اس نے تلخی سے کہا۔

''تمہاری ازدواجی زندگی گو مختصر تھی۔ لیکن اچھی تھی؟''

''ہاں'' وہ دکھ سے بولی۔ میرے مسبنڈ بہت اچھے انسان تھے''

''اب بھی یاد آتے ہیں''۔ عنصر نے خلاف توقع یہ سوال کر دیا۔

تو

عصمہ نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں کے بعد بولی۔

''جب اکیلی دکھ سہتے سہتے تھک جاتی ہوں۔ تو ان کا یاد آنا ناگزیر ہو جاتا ہے''۔

''تم اب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو۔ دو پیارے پیارے بچے تمہارے ساتھ ہیں۔ پھر کون سے دکھ ہیں جو تمہیں تھکا دیتے ہیں''۔

''ہونہہ'' وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''آپ کیا سمجھیں گے''

''سمجھ سکنے کی صلاحیت ہے مجھ میں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''چھوڑیئے ان باتوں کو۔'' وہ اٹھنے لگی تو عنصر نے جلدی سے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا ''بیٹھو بھی''

''چائے؟''

''بچے آجائیں تو پئیں گے۔ یہ تھوڑا سا جو وقت ملا ہے۔ کچھ اپنی کہو۔ کچھ میری سنو''۔

وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ ''بچے آنے ہی والے ہیں''......

''آئے تو نہیں ابھی''

''آ گئے۔ تو ہمیں اس طرح بیٹھے دیکھ کر اسد کا موڈ خراب بھی ہو سکتا ہے''

''کیا مطلب؟ ہم دور دور بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔''

''میرا بیٹا۔''

''کچھ موڈی سا ہے''

''کچھ نہیں۔ اچھا خاصہ''

''مجھ سے تو اس کی ابھی دوستی ہے''

اسے بگڑتے دیر بھی نہیں لگتی۔ میری پریشانیوں کی ساری اور اصل وجہ تو اسد ہی ہے''

''وہ کیونکر''

عصمہ نے اسد کے متعلق اسے تفصیل سے بتایا۔''وہ میرے لئے مسائل پیدا کرتا رہتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تا کہ آپ نے اسے باہر گھما پھرا کر اور قیمتی چیزیں دلا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ ایسی ہی زندگی کا خواہاں ہے۔ جس کی جھلک آپ نے اسے دکھائی۔ اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا پہننا، سیرو تفریح، ہمہ وقت یہی کچھ چاہتا ہے۔ میں افورڈ نہیں کر سکتی۔ سمجھاتی ہوں تو الٹا ناراض ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو اذیتیں دینا شروع کر دیتا ہے۔ بہن کو مارتا پیٹتا ہے۔ مجھ سے دنوں نہیں بولتا۔ پڑھائی کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ اب تو ایسی حالت میں گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا ہے۔ رات گئے واپس لوٹتا ہے۔ میں بھلا اسے کہاں ڈھونڈتی پھروں۔ پتہ نہیں کن لوگوں سے اس کی دوستی

ہے۔ کچھ بتاتا تو ہے نہیں۔ مجھے تو اب یہی فکر کھائے جا رہی ہے۔ کہ وہ کسی خراب کمپنی میں نہ چلا جائے۔ ایسا ہو گیا تو میں کیا کروں گی''

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور آنکھیں بھر آئیں۔ عنصر پوری سنجیدگی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

عصمہ نے س کی اذیت پسندی کے چند واقعات بھی بتائے۔

''اوہو'' عنصر نے تاسف سے کہا۔

''اس کی الٹی سیدھی باتیں اسی خوف سے مان بھی لیتی ہوں۔ وہ تو چاہتا ہے جو خواہش وہ کرے وہ پوری ہونی چاہیے۔ اب وہ آپ کے ساتھ آواری میں کھانا کھا آیا ہے۔ مجھے مجبور کرے گا۔ کہ وقتاً فوقتاً میں اس کی وہاں کھانے کی فرمائش پوری کیا کروں۔ اس کی دوستی بھی بڑی گھروں کے لڑکوں سے ہے۔ وہ بھی اس کے آئیڈیل ہیں''۔

وہ گہری سانس لے کر چپ ہوئی تو عنصر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''پرابلم چائلڈ۔ اس کا علاج ہونا چاہیے''۔

''میرے لئے تو ممکن نہیں''۔

''ہوں'' عنصر نے ایک لمبی سی ہوں کی۔ چند لمحے رکا پھر بولا۔ تم اجازت دو تو میں اسے اعتماد میں لے کر کچھ سمجھانے کی کوشش کروں''

وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔ ''کوشش کر دیکھئے۔ لیکن میرا خیال ہے وہ کچھ سمجھنے کی بجائے آپ کا ہی بیری ہو جائے گا''۔

''یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اس کا کمپلیکس سمجھ چکا ہوں۔ وہ جیسی زندگی چاہتا ہے اسے مل سکتی ہے''

''کیونکر'' عصمی نے حیرانگی سے عنصر کی طرف دیکھا۔

''بتاؤں گا'' وہ زیر لب مسکرایا۔ پھر بولا۔ بچوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اب چائے بن جائے''۔

وہ اٹھی ہی تھی کہ مومنہ اور اسد آ گئے۔ وہ اپنے ساتھ کوٹھی کی مالکن اماں جی

کو بھی لے آئے تھے بیسٹھ ستر سالہ عورت نے ہلکے بادامی رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ سفید گرم کشمیری شال کی بکل ماری ہوئی تھی۔ دبلی پتلی سی تھی۔ چہرے پر عمر کی چھاپ کے ہوتے ہوئے بھی بڑی شفقانہ تازگی تھی۔ بال تقریباً سفید تھے۔ آنکھوں پر عینک تھی۔

آیئے اماں جی۔ ''عصمہ نے خوشدلی سے خیر مقدم کیا''۔ السلام علیکم۔

اماں جی نے جواب دیتے ہوئے دعا دی۔

بچے اماں جی کو صوفے کی طرف لے آئے۔ عنصر اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سر قدرے جھکا کر اسے سلام کیا۔

عینک کو ٹھیک کرتے ہوئے اماں جی نے بغور عنصر کو دیکھا۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''بیٹھو بیٹا''

وہ آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

''آپ عصمہ کے عزیز ہیں''۔ اماں جی نے پوچھا۔ وہ اب بھی بغور اسے تک رہی تھی۔

''جی'' وہ مودبانہ بولا۔

''ہمارے انکل عنصر اماں جی''۔ اسد صوفے کے بازو پر بیٹھتے ہوئے عنصر کے گلے میں بانہہ ڈال کر بڑے پیار سے بولا۔

عنصر نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ مومنہ بھی صوفے پر عنصر کے پہلو میں آبیٹھی۔ ''دونوں بچے تو آپ کے شیدائی ہو چکے ہیں''۔ وہ بولی۔ ''اس دن آپ کے ساتھ شاید کھانے پر گئے تھے۔ ایک ایک بات کوئی سو بار بتائی مجھے۔

''یہ ان کی محبت ہے اماں جی۔ ورنہ کھانا کونسی بڑی بات ہے۔'' عنصر نے مومنہ کے سر پر بھی ہاتھ پھیر کر کہا۔ اماں جی نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔

''پیار کو ترسے ہوئے بچے ہیں۔''

''اب نہیں ترسیں گے''۔ عنصر نے مستحکم لہجے میں کہا اور پھر دونوں بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''کیوں بچو''۔

''ہاں انکل۔'' اسد بولا ''لیکن۔'' ...... ''لیکن کیا؟''

''آپ واپس چلے گئے تو۔''

'وہ تو میں نے جانا ہی ہے بیٹے۔ لیکن تم افسردہ نہ ہو۔ انکل عصر نہیں بھلائے گا

''نہیں''

''مجھے تو آپ امریکہ ہی بلا لیں'' اسد بولا

''لو سنو'' اماں جی ہنسیں

''میں سو رہا ہوں'' عصر نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ کچھ اور کہنے ہی کو تھا۔ کہ عصمہ نے اسد اور مومنہ کو آواز دی۔

دونوں کچن کی طرف چلے گئے۔ اسد کو امی نے چائے کے لوازمات پلیٹوں میں لگانے کو کہا اور مومنہ سے پیالیاں نکالنے کو۔

عصر اور اماں جی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ اماں جی کوٹھی کے مین پورشن میں اکیلی رہتی تھی۔ ایک پرانا نوکر اور اس کی بیوی سرونٹ کوارٹر میں رہتے تھے۔ دو بچے تھے بڑا بیٹا امریکہ میں ڈاکٹر تھا۔ بیوی بچے بھی وہیں تھے۔ چھوٹا سوئٹزر لینڈ میں تھا۔ اس کی انگریز بیوی اور بچے بھی وہیں تھے۔

اماں جی نے بیوگی کے اٹھائیس سال گزار لئے تھے۔ بچوں کو پڑھایا لکھایا۔ وہ دونوں دیارِ غیر میں جا بسے دو تین سال بعد چکر لگا جاتے تھے۔ اماں جی بھی باہر تین چار بار ہو آئی تھیں۔ بچے بہت مجبور کرتے کہ وہیں رہیں۔ لیکن انہیں اپنی سرزمین سے پیار تھا اپنے گھر بار سے انس تھا۔ وہ یہ ماحول یہ فضا چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتی تھیں۔ جب سے عصمہ کو یہ پورشن کرائے پر دیا تھا وہ بہت خوش تھیں۔ گویا اک مخلص اور پیار کرنے والی خدمت گزار بیٹی مل گئی تھی۔

عصمہ کا بھی اور تھا ہی کون۔ اپنا ماں باپ تھا نہ ساس سسر، نہ ہی خاوند۔ بھائی بہن نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس لئے اس کا وقت اماں جی کے ساتھ بہت اچھا گزرتا تھا اماں جی بھی اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ عصمہ کے لئے بیوگی میں کسی بزرگ کا سایہ نعمت تھی۔ دونوں کا وقت اچھا گزر رہا تھا۔

وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔

باتوں کے دوران اماں جی نے اس سے وہ بات پوچھی جو ابھی تک عصمہ نے بھی نہ پوچھی تھی۔ وہ بولیں "بیوی بچے بھی ساتھ آئے ہوئے ہیں۔"

وہ بیوی بچوں کا انکشاف ابھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات وہ عصمی کو اعتماد میں لینے کے بعد ہی بتانا چاہتا تھا۔

"چائے آ گئی" اس نے اماں جی کی بات کا جواب دینے کی بجائے اسد کی طرف دیکھا جو ٹرے میں کیک، پیسٹری، پنی پف اور سموسے رکھے ادھر آ رہا تھا۔

چائے کی ٹرے عصمی اٹھائے آ گئی۔ اماں جی کی بات کا جواب از خود ہی گول ہو گیا۔

☆☆☆

عنصر کا عصمی کے گھر آنا تقریباً روز ہی ہونے لگا۔ کبھی وہ باہر ہی سے خیریت دریافت کر کے چلا جاتا۔ کبھی اندر آتا تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزار لیتا۔ دو تین بار بچوں کو باہر لے گیا۔ ایک دو دفعہ عصمی اکیلی ہی گھر پر ملی۔

اسد سے اب اس نے خوب دوستی بنائی تھی۔ پچھلی دفعہ وہ اکیلے اسد ہی کو گھمانے لے گیا۔ مومنہ کسی سہیلی کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ اسے خوب سیر کروائی۔ پھر بڑی خوبصورت ریسٹورانٹ میں چائے پلائی۔ وہ اسد کو اس ڈھب پر لا رہا تھا۔ کہ اس سے کھل کر بات کر سکے۔ اسے سمجھائے۔ اس کی شخصیت میں جو جھول تھے انہیں دور کرنے کی کوشش کرے۔ آج وہ اس کے ساتھ اکیلا آیا تھا۔ تو عنصر نے سوچا بات چیت کی ابتدا کر ہی لی جائے۔ چنانچہ اس نے چائے منگوائی اور بیرے سے اسد کی من پسند چیزیں بھی لانے کو کہا۔ اسد بہت خوش تھا۔

لیکن امی کا خوف بھی دامن گیر تھا۔

''انکل'' اس نے عنصر کے سامنے میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے کہا۔

''جی''

''بہت خوبصورت ریسٹورانٹ ہے''

''تمہیں اچھا لگا''

''ایسی جگہیں تو میری کمزوری ہیں انکل۔''

''کبھی پہلے آئے ہو''۔

''ایک دفعہ دوستوں کے ساتھ چائے پی تھی یہاں''

''تمہارے دوست ہیں؟''

''جی انکل''

''کتنے ہیں۔''

''ہیں تو بہت سارے۔ لیکن عمران اور زوبی بہت ہی اچھے ہیں''۔

''تمہارے کلاس فیلو ہیں۔''

''جی عمران ہے۔وہ دوسرے اسکول میں پڑھتا ہے۔ایچسن میں''

''اور دوسرا''

وہ عمران کا ہمسایہ ہے''

''کیسے لوگ ہیں۔میرا مطلب ہے مالی لحاظ سے کیسے ہیں؟''

''بہت امیر ہیں انکل ۔زوبی تو بہت ہی امیر ہے''

''کس کلاس میں پڑھتا ہے۔''

''نویں میں۔وہ بھی ایچسن میں پڑھتا ہے''

''ہوں''

''انکل زوبی کے پاس اپنی گاڑی ہے۔ہر وقت لئے پھرتا ہے''۔

''نویں میں ہے؟ اور ہر وقت گاڑی لئے پھرتا ہے؟''

''جی ہاں ۔اس کے ابو بہت بڑے افسر ہیں۔ان کے پاس بہت پیسہ ہے''

''لیکن یہ کوئی اچھی بات تو نہ ہوئی بیٹے ۔نویں کا بچہ گاڑی لئے پھرے۔ لائسنس کے بغیر گاڑی؟''

''اسے کوئی نہیں پوچھتا انکل۔اس کے ابو کو سب لوگ جانتے ہیں۔''

''اگر کوئی ایکسیڈنٹ کر بیٹھے تو۔''

''ایک دفعہ کیا تھا''

''پھر''

''کچھ بھی نہیں۔ابو نے پیسے دے کر اور اپنے اثر رسوخ سے بات ختم کروائی تھی''۔

''پھر بھی گاڑی دیتے ہیں اسے''

''ہاں''

''کتنی غلط بات ہے''

یہاں کچھ نہیں ہوتا انکل"

''نہیں اسد۔ کم از کم تمہارے منہ سے یہ بات سن کر مجھے اچھا نہیں لگا''۔

اسد کچھ شرمندہ سا ہوا۔

''قانون کی پاسداری کرنا ہر فرد کو سیکھنا چاہیے۔ غلط کو غلط کہنا چاہیے۔ برائی کو برائی سمجھنا چاہیے۔ امریکہ میں ایسا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہاں لوگ قانون کا احترام کرتے ہیں۔ خلاف ورزی کا سوچتے بھی نہیں۔"

وہ امریکہ میں قانون اور اخلاقی تقاضوں کے متعلق اسد کو بتانے لگا۔ اسد کو اس کی باتیں حیران کن لگ رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کاش وہ بھی امریکہ دیکھ سکے۔

''عمران اور زوبی پڑھائی میں کیسی ہیں؟''عنصر نے پھر اس کے دوستوں کی بات چھیڑی۔

''بس۔ ایسے ہی ہیں۔'' وہ ندامت سے بولا۔''عمران اس دفعہ فیل ہوگیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر تو اس کا داخلہ ہی نہیں بھیجتے تھے"

''پھر''

''اس کے ابو نے بہت بڑی سفارش کروائی۔"

''ہونھ۔ تو ایسے ہیں تمہارے دوست''۔

وہ چپ رہا۔

''ان کی کونسی بات تمہیں اچھی لگتی ہے۔'' اسد نے کوئی جواب نہ دیا تو عنصر خود ہی بولا''شاید وہ امیر لوگ ہیں۔"

''جی''

''اس لئے تمہیں اچھے لگتے ہیں۔"

''ان کے پاس بہت کچھ ہے انکل۔ اتنے بڑے بڑے خوبصورت گھر ہیں۔ کاریں ہیں۔ پیسے ہیں۔"

عنصر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر

بولا ''تمہارے پاس تو یہ سب کچھ نہیں''۔

اسد کا موڈ آف ہونے لگا۔ ''نہیں میرے پاس نہ اچھا گھر ہے نہ گاڑی ہے اور نہ ہی ان کی طرح پیسہ ہے اس پر امی۔''

وہ چپ ہو گیا تو عنصر نے پیار سے پوچھا ''امی؟''

''امی خود تو مجھے یہ سب کچھ دے نہیں سکتیں۔ اس پر ان سے ملنے کو بھی برا کہتی ہیں۔ ان کا بس چلے تو میرے ان دوستوں کی چھٹی کرا دیں''

''لیکن تم ایسا کرنے والے نہیں۔''

''تو اور کیا انکل۔''

''امی کا دل دکھاتے ہو''

وہ چپ ہو گیا۔ پھر قدرے غصیلے لہجے میں بولا ''یہ زیادتی نہیں انکل۔ وہ مجھے خوشی نہیں دے سکتیں۔ تو خوشی حاصل بھی کرنے نہیں دیتیں۔''

اسد

''جی''

''وہ ٹھیک کرتی ہیں۔ وہ ایک اکیلی عورت ہیں۔ تمہیں پالنے پوسنے کے لئے انہوں نے کتنی محنت کی۔ تم جس زندگی کے لئے خواب دیکھتے ہو وہ تمہیں نہیں دے سکتیں۔ اور جب تم ایسی زندگی کے لئے ضد کرتے ہو تو کبھی سوچا ہے انہیں ذہنی اور قلبی اذیت ہوتی ہے۔ وہ کتنے دکھوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں کبھی تم نے سوچا ہے۔''

اسد کچھ کہنے کو تھا۔ کہ چائے مع لوازمات کے آ گئی۔ عنصر نے چیزیں اس کی سامنے کر دیں۔ اسد کا مسرور چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے یہاں اس انداز سے بیٹھ کر چائے پینے سے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ ہال میں اور لوگ بھی تھے جو چائے اور مشروبات کے ساتھ کھا پی رہے تھے۔ اسد ان سب پر بڑی تفاخرانہ نگاہیں ڈالتے ہوئے اپنی پلیٹ میں کھانے کی چیزیں رکھ رہا تھا۔

عنصر کے لئے اسد کو سمجھانے کا اچھا موقع تھا۔ وہ اسد کو کرید بھی رہا تھا۔ اس کی چھپی ہوئی نا آسودہ خواہشات کا بھی پتہ چلا رہا تھا۔ اسے اس سے باتیں کر کے احساس ہو گیا۔ کہ وہ ایک ٹوٹی پھوٹی بکھری ہوئی شخصیت کا لڑکا ہے۔ اس کی نفسیات بھی بگڑی ہوئی ہے۔ عصمی سچ ہی کہتی تھی۔ کہ وہ اس کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔

اسد کی نا آسودگی اس کے مالی حالات کی وجہ سے تھی۔ وہ اپنے حالات سے مطابقت پیدا نہیں کرتا تھا۔ مسائل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ اور جو وہ چاہتا تھا۔ ان حالات میں عصمی اسے دے نہیں سکتی تھی۔

عنصر بڑے دوستانہ انداز میں اسے سمجھاتا رہا۔ محنت پر زور دیا۔ اسے بتایا کہ وہ بھی اپنے خواب پورے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ محنت کرے۔ لگن سے پڑھے اور آنے والے خوشگوار دنوں کے لئے اس طرح راہ ہموار کرے۔

عنصر نے مختصراً اسے اپنی بیتی زندگی کے حالات بتائے۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد اس کے پاس چار بہنوں کے بوجھ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے حالات سنوارنے کے لئے ان تھک محنت کی تھی۔ محنت کا یہ عمل ایسا لمبا تسلسل تھا برسوں اس نے دن رات محنت کی تھی تب کہیں وہ اس مقام پر پہنچا تھا۔ اسد اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس پر خاصہ اثر بھی ہو رہا تھا۔

لیکن

پھر بھی اس نے پوچھا۔ انکل سچ بتائیں جب آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کے دل میں اچھی اور خوبصورت زندگی کی خواہش نہ تھی''

وہ جھٹ سے بولا'' کیوں نہ تھی۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ میں نے اسی لئے تو محنت کو اپنا شعار بنایا تھا۔ بیٹے محنت کے بغیر اونچے خواب دیکھنا حماقت ہوتی ہے۔ کچھ نہیں ملتا بغیر محنت کے''

''انکل۔ میرے ابو نہ مرتے تو مجھے یہ سب کچھ محنت کے بغیر ہی مل جاتا۔ میرے ابو کے پاس تو سب کچھ تھا''۔

''بالکل ٹھیک۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور ان کا سارا اثاثہ تم لوگوں کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ بیٹے ماضی کی باتیں ذہن سے نکال دو۔ تم حال میں جی رہے ہو۔ اور مستقبل میں قدم رکھنا ہے۔ صرف حال اور مستقبل کا سوچا کرو۔''

وہ چپ ہو گیا۔

''چلو کچھ کھاؤ پیو۔'' عنصر نے پیسٹری سٹینڈ اس کی طرف کیا۔ ''چھوڑ دو ان باتوں کو۔ ہاں امی کو دکھ نہ دیا کرو۔ نہ انہیں ستایا کرو۔ تم ابھی صرف پندرہ سال کے ہو۔ لمبی عمر سامنے پڑی ہے محنت کرو گے۔ تو سب کچھ پالو گے۔ اپنے خیالی حصار سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں رہا کرو۔''

وہ پیسٹری کھانے لگا۔

عنصر نے اپنے لئے چائے بنائی۔ اسد کے لئے بھی پیالی میں قہوہ ڈالا۔ دودھ اور چینی اسد نے خود ہی ڈالی باتوں کے درمیان چائے پی جانے لگی۔

''انکل'' اسد شامی کباب لیتے ہوئے بولا۔

''جی'' وہ چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اسد کی طرف دیکھنے لگا۔

''ایک بات کہوں''

''کہو''

''آپ مجھے امریکہ لے جا سکتے ہیں؟''۔

عنصر اسے دیکھ کر مسکرا یا۔ اور بولا ''پہلے میٹرک کا امتحان دو۔ اعزاز کے ساتھ پاس کرو۔''

''پھر لے جائیں گے''۔

''جی تو چاہا ہے''

''واقعی''

''ہاں۔''

''تو پھر میں امتحان کے لئے بہت محنت کروں گا۔'' وہ بولا۔ پھر کچھ سوچ کر افسردگی سے کہا'' امی کہاں جانے دیں گی''

''کیوں''

''وہ یہاں آپ کے ساتھ جانے آنے پر ناراض ہوتی ہیں۔ امریکہ تو۔''

عنصر چپ ہو گیا۔ پھر پیالی واپس رکھتے ہوئے بولا۔'' عزیز من امریکہ جانا ایک لمبا مرحلہ ہے۔ اس کے لئے تمہاری امی کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ میں کوشش ضرور کروں گا۔''

عنصر کے ذہن میں جانے کیا تھا۔ جو اس نے یہ بات کہہ دی تھی۔

ہاں

اسد خوش ہو گیا۔ اس نے عنصر سے وعدہ کیا۔ کہ وہ اب امی کو نہیں ستائے گا۔ ضدیں چھوڑ دے گا۔ اور ہر لمحہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے گا۔

''شاباش'' عنصر نے اس کی طرف دیکھا'' اب ان الفاظ پر کاربند رہنا۔ خواہ مخواہ موڈ خراب کر لینا بری بات ہے۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس سے خوشی کشید و۔ جو نہیں اسے صحیح طریق سے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔''

چائے ختم ہو گئی۔ عنصر نے ویٹر کو بل لانے کے لئے کہا۔

''انکل وقت کیا ہوا ہے'' اسد نے پوچھا

''کیوں؟'' عنصر نے آستین کھینچ کر گھڑی دیکھی۔

''امی دیر ہو جانے سے ناراض ہوں گی''

''نہیں ہوتیں''

''انکل آپ امی کو نہیں جانتے''۔

عنصر ہنس پڑا۔ بھلا اس سے زیادہ عصمی کو اور کون جانتا تھا۔

اسد نے پھر ٹائم پوچھا۔

عنصر نے وقت بتایا۔ اور اسد سے پوچھا۔'' تمہارے پاس گھڑی نہیں ہے''

''ہے ایک مردار سی گھڑی۔ میں نے وہ کبھی پہنی ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

''کبھی وقت صحیح دیتی ہی نہیں۔ انکل نوے روپے کی تو گھڑی ہے۔ وقت کیا خاک صحیح دے گی''۔

''نہیں یار۔ بہت سی سستی گھڑیاں بھی ٹھیک ٹھاک چلتی ہیں''

''اپنی تو نہیں چلتی۔ میں نے امی سے کہا بھی تھا۔ کہ لے کر دینی ہے تو ذرا اچھی گھڑی لے دیں۔ پر وہ کب سنتی ہیں میری۔''

''پھر وہی بات'' عنصر نے مسکرا کر اسے دیکھا ''یہ تو سوچو امی کے پاس ہو سکتا ہے اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہ ہو''۔

''نہیں انکل۔ امی کے پاس اچھے بھلے پیسے تھے۔''

''اور ضرورتیں بھی ہوں گی''

اسد چپ ہو گیا۔

بل آ گیا۔ پیمنٹ اور ٹپ دے کر عنصر بولا۔ ''اب چلیں''

''چلیے''۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ باتیں کرتے ریسٹورانٹ سے باہر نکلے اور پارک کی ہوئی گاڑی کی طرف آ گئے۔

اسد کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ گو جی تو چاہ رہا تھا رات تک انکل کے ساتھ ہی رہے۔ امی کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔ دو ایک دفعہ اس نے کہا تھا بھی۔ لیکن عنصر اسے مارکیٹ میں گھماتا رہا۔ اسے اچھی اچھی باتیں بتاتا رہا۔ اچھا بننے کی تلقین کرتا رہا۔ امی کو ستانے سے باز رکھنے کے لئے بہت کچھ کہا۔ محنت اور لگن سے کام کرنے کی اہمیت پھر گوش گزار کی۔ اور اس سے ایک اچھا محنتی لڑکا بننے کا وعدہ لیا۔

اسد ہر بات سے متاثر تھا۔ اس وقت عنصر کی ہر بات پر تہہ دل سے ایمان لا رہا تھا۔ اچھا بننے کی نیت اس نے پوری طرح کر لی تھی۔

عنصر اور وہ گھومتے پھرتے ایک گھڑیوں کی دکان پر آ گئے۔

''گھڑی لو گے اچھی سی'' عنصر نے گھڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں انکل'' وہ گھبرا گیا۔

''تمہیں ضرورت تو ہے''

''نہیں انکل نہیں۔ مجھے ضرورت نہیں''

''چلو میری طرف سے تحفہ ہی سہی''

''امی سخت ناراض ہوں گی''۔

''انہیں میں سمجھا لوں گا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے زبردستی لے کر دی ہے''

''نہیں۔ وہ پل اوور لینے پر بہت بگڑی تھیں۔ وہ جو چیزیں خود لے کر دینا افورڈ نہیں کر سکتیں وہ۔''

''شاباش بیٹے''۔ عنصر نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ ''تم نے اپنی امی کی مجبوری کا احساس تو کیا۔ چلو اسی خوشی میں میری طرف سے گھڑی''

وہ نہ نہ کرتا رہا۔ لیکن عنصر اس کے لئے درمیانی سی قیمت کی گھڑی دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک سکہ بند کمپنی کی خوبصورت گھڑی اس کے لئے خرید لی۔

''لو'' اس نے ڈبی اسد کی طرف بڑھائی۔

''شکریہ انکل۔ لیکن مجھے پتہ ہے یہ گھڑی واپس کرنا پڑے گی۔ امی کبھی رکھنے نہیں دیں گی۔'' پھر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''انکل آپ بقول امی ہماری عادتیں واقعی خراب کر رہے ہیں۔''

عنصر اس کی بات پر خوب ہنسا پھر بولا ''قطعاً نہیں۔ تمہیں گاڑی تو نہیں لے کر دے رہا۔ گھڑی ہی ہے یہ تمہاری ضرورت کی چیز ہے''۔

اسد نے ڈبہ کھول کر گھڑی دیکھی۔ ایسی ہی گھڑی تو زوبی کے پاس بھی تھی۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ لیکن امی کا خوف اپنی جگہ تھا۔

''پہن لو''عنصر بولا۔

''آپ ہی پہنا دیں''

''لاؤ''

عنصر نے اس سے گھڑی لی اور اس کی کلائی پر باندھ دی۔ ''مبارک ہو''۔ عنصر نے اس سے ہاتھ ملا کر زور سے ہلایا۔

''شکریہ''

''امی کا فکر نہ کرو۔ میں انہیں سمجھا دوں گا۔ مجھے تو افسوس ہوتا ہے۔ کہ مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔ کہ تم لوگ لاہور میں ہو۔ نہ ہی یہ پتہ تھا کہ عصمی کے دو بچے بھی ہیں۔ ورنہ میں امریکہ سے تمہارے لئے خوبصورت تحائف لاتا۔ وہ تو اچانک ہی تمہاری امی بنک میں مل گئیں''......

''انکل''اسد نے اچانک ہی کہا۔

''کیا''

''آپ امی کے بہت قریبی عزیز ہیں۔ ماموؤں سے بھی قریبی''

''یہی سمجھ لو۔''عنصر کچھ دل گرفتہ سا ہو گیا۔ اسد نے بغور اسے دیکھا اور کم سنی کے باوجود اس کے اندر واہمہ کا شک سا لہرا گیا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر عنصر کو دیکھا۔

''چلیں بھئی''عنصر نے کہا۔ آج میں نے شام کو کہیں جانا بھی ہے''۔

اچھا

''کل آؤں گا تمہارے ہاں''

وہ چپ رہا

''سرپرائز دوں گا تم سب کو''عنصر نے مسکرا کر اسد کو دیکھا۔

''سرپرائز''

''کل آج کچھ نہیں بتاؤں گا۔ امی کل شام پانچ چھ بجے کے درمیان گھر پر ہی ہوں گی نا''

اسد پھر لاشعوری طور پر چونکا۔

''جی''اس نے ایسے ہی کہہ دیا۔

''بس ٹھیک ہے۔کل پانچ ساڑھے پانچ میں آؤں گا سرپرائز، سرپرائز، سرپرائز۔

اسد نے کوئی جواب نہ دیا۔

عنصر۔اسد کو باہر ہی اتار کر واپس مڑنے لگا تھا۔کہ چمن میں بچوں کے ساتھ کھیلتی مومنہ بھاگی آئی انکل کو بڑے تپاک سے سلام کیا۔

انکل نے شفقت سے جواب دیا۔

''آئیں نا انکل''۔وہ کھڑکی کے قریب آ کر بولی۔عنصر کو افسوس ہوا کہ وہ مومنہ کے لئے کوئی چیز نہیں لایا تھا۔

''کل آئیں گے''عنصر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسد بولا اور پھر پوچھا۔ امی گھر پر ہیں۔

''ادھر ہیں اماں جی کی طرف۔''مومنہ بولی۔

''اچھا بیٹے میں چلتا ہوں۔''عنصر نے دونوں کو خدا حافظ کہا اور گاڑی نکال لے گیا۔

''تمہیں امی ٹھیک کریں گی۔''مومنہ نے عنصر کے جاتے ہی اسد سے کہا۔

''کیوں؟''

''انکل کے ساتھ امی کی اجازت کے بغیر ہی چلے گئے تھے نا''

''تو کیا ہوا؟ امی تو ان سے پتہ نہیں کیوں چڑتی ہیں''

چڑتی کہاں ہیں۔صرف ہمیں ان کے ساتھ جانے سے منع کرتی ہیں۔ کبھی کبھار تو ہو گیا۔اب روز روز ہی ان کے ساتھ جانا اچھی بات تو نہیں''

''بری بھی کیا ہے''

''یہ تو امی سے پوچھنا''۔

''پوچھوں گا''۔اس نے ڈھٹائی سے کہا اور پھر ایک دم ہی ملائمت سے

مومنہ کے سامنے اپنی کلائی کرتے ہوئے کہا "یہ دیکھو"۔

"کیا ہے"

"نظر نہیں آتا" ...... "گھڑی ہے" ...... "نئی نئی اور قیمتی ہے"

"کہاں سے لی"

"انکل نے دلائی ہے"

"ہائے اللہ" مومنہ نے آنکھیں پھیلا کر کہا "اسد اس دن کی بات یاد نہیں۔ امی کتنی غصے ہوئی تھیں۔ سویٹر اور پل اوور لینے پر"۔

"یاد ہے" وہ ہنسا ...... "آج یہ گھڑی لے آئے"

"بس کیا کرتا انکل نے زبردستی دلادی۔ اب وہ ہم پر مہربان ہیں تو ہم کیا کریں"

"اسد۔ تم نے نہیں لینی تھی۔"

"کیوں نہ لیتا۔ امی کے رشتے دار ہی نے تو لے کر دی ہے"

"اب وہ امی کے اتنے قریبی رشتہ دار بھی نہیں"۔

"کچھ تو ہیں"۔ اسد نے کہا۔ پھر اپنی بات پر خود ہی کچھ پریشان سا ہوگیا۔ امی سے عنصر کا کیا رشتہ تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ لیکن جان نہ سکا۔

رات گھر میں اچھا خاصہ ہنگامہ ہوا۔ عصمی کو بلا اجازت اسد کے جانے کا غصہ تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ کہ عنصر کے ساتھ وہ ضرورت سے زیادہ ہی وابستہ ہوا جارہا ہے۔ یہ بات اس کی نظر میں قطعاً ٹھیک نہ تھی۔ وہ کچھ عرصے کے لئے یہاں آیا ہوا تھا۔ اس نے چلے جانا تھا۔ لیکن اس کے بچوں کے لئے وہ کچھ بھلا نہیں کررہا تھا۔ ان کی ناآسودہ خواہشوں کو ہوا دے رہا تھا۔ انہیں وہ دنیا دکھا رہا تھا جو وہ افورڈ نہ کرسکتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے جانے کے بعد مومنہ اور خاص کر اسد اس کے لئے مسائل کھڑے کردیں گے۔

بات صرف سیر و تفریح تک ہوتی۔ تو بھی قابل برداشت تھی۔ لیکن اس نے تو قیمتی تحائف دے کر اسد کا دماغ خراب کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ ایسا

کیوں کر رہا تھا؟

کیا بچوں کی وساطت سے عصمی کی قربتیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کیوں؟ کس لئے؟ خفتہ اور مردہ خواہشوں کو جگانے کے لئے کوئی جواز نہ تھا۔

عصمہ اسد کی کلائی پر گھڑی دیکھ کر پہلے تو ششدر رہ گئی۔ پھر پریشان، اور آخر میں وہ غصے میں آ گئی۔

تم نے اس سے گھڑی لینے کی جرات کیونکر کی۔ کیوں لی گھڑی۔ کیا لگتا ہے وہ تمہارا۔ جو تم پر اس طرح پیسے لٹا رہا ہے۔'' عصمہ نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ تو اسد کو بھی غصہ آ گیا۔ واہمہ جو اس کے ذہن میں رینگتا تھا شک جو لہرایا تھا۔ وہ پھنکار اٹھا۔ بے دھڑک ہو کر غصے سے بولا۔'' مجھے کیا پتہ وہ میرا کیا لگتا ہے۔ آپ کو پتہ ہوگا۔ آپ ہی کا رشتہ دار ہے''

''میرا کوئی رشتہ نہیں اس سے'' وہ دبی آواز میں بولی۔

'تو پھر کیوں آتا ہے وہ ہمارے ہاں۔ کیوں بیٹھا رہتا ہے گھنٹوں آپ کے پاس۔ کیا باتیں کرتا ہے۔ کیوں مہربان ہے ہم پر۔ کیوں پیسے لٹاتا ہے بے دریغ۔ یہ ہم نہیں۔ آپ جانتی ہوں گی آپ۔''

اس نے غصے میں کلائی سے گھڑی اتار کر میز پر پھینک دی۔

مومنہ سہمی سی کھڑی تھی۔ یہ کیا تماشہ ہو رہا تھا اس کی سمجھ سے بالا تھا۔

اسد کی باتوں نے عصمی کو ہلا کر رکھ دیا تھا؟ وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ رنگ اڑ گیا تھا اور ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔

وہ کرسی کی پشت پکڑے کھڑی تھی۔

اسد بک بک کرتا باہر نکل گیا۔

عصمی دھم سے کرسی میں گر پڑی۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ بے اختیارانہ رونے لگی۔ مومنہ بھی زور زور سے رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

''ذکیہ آپا''

''ہوں''

''کیا ہو رہا ہے''

''بیکار بیٹھی تھی سوچا دوپٹے کا فیتہ ہی ٹانک دوں''

''مدیحہ اور بچوں کے جانے سے خاصی بے رونقی ہو گئی ہے''

''ہاں''

''دو چار دن اور رک جاتی''

''پھر کیا ہوگا'' ذکیہ آپا نے ناگوار سے لہجے میں کہتے ہوئے سوئی دوپٹے میں ٹانکتے ہوئے عنصر کی طرف دیکھا جو ان کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اخبار دیکھ چکنے کے بعد وہ آپا سے باتیں کر رہا تھا۔

''آپا لگتا ہے کچھ ناراض ہیں مجھ سے'' وہ آگے کو جھکتے ہوئے مسکرایا۔

''ناراض ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے تمہیں'' وہ پھر اپنا کام کرنے لگیں

''کیوں نہیں پڑتا'' وہ ہنس کر بولا ''میری اتنی اچھی آپا ناراض ہو جائے اور مجھے فرق ہی نہ پڑے......''

''اتنا ہی خیال ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔''

''کس بات کی''

''جیسے جانتے نہیں۔ تنگ آ کر میں نے دو رشتوں کو تو جواب دے دیا ہے''

وہ بغیر کوئی اثر لئے ہنس کر بولا۔ ''ابھی ایک تو باقی ہے نا وہی غنیمت''۔

''سنجیدہ تو تم ہو گے ہی نہیں۔ یہ بات تھی تو امریکہ ہی بیٹھے رہتے۔ رشتوں کے لئے دہائی کیوں مچا رکھی تھی۔ شادی کا پروگرام کیوں بنایا تھا''

''آپا'' وہ اٹھ کر ذکیہ کے قریب صوفے پر آ بیٹھا۔

ذکیہ کچھ نہ بولی تو وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولا ''آپ خفا نہ

ہوں۔شادی میں نے کرنی ہے۔ان دو بچیوں کو سنبھالنا میرے بس کا روگ نہیں''۔

''تو پھر دیر کیوں کر رہے ہو۔رشتہ دیکھتے کیوں نہیں۔''

وہ قدرے خجالت سے مسکرایا۔بہن کی گردن سے بازو نکالا اور ہاتھ الجھاتے ہوئے بولا''رشتہ ہی تو دیکھ رہا ہوں''

''کیا مطلب؟''آپا کا ہاتھ کام کرتے رک گیا۔

وہ ہنس پڑا۔

آپا سر ہو گئیں بولیں۔''کہیں اپنی پسند کی۔''

''آپا''وہ ان کی طرف منہ کر کے بولا۔''پسند نئی نہیں بہت پرانی ہے''

''کیا کہہ رہے ہو۔کھل کر بات کرو۔میری سمجھ میں بھی کچھ آئے''

وہ چند لمحے چپ رہا۔

پھر

آہستگی سے بولا''چند دن انتظار کریں۔میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا''

''ابھی کیوں نہیں بتاتے''وہ قدرے ناراضگی سے بولیں۔''میں راہ تو نہیں روکوں گی تمہاری۔اپنی پسند کی لڑکی سے کرو۔تو مجھے کیا اعتراض۔کم از کم مجھے تو ذمہ داری کے جنجال سے نکالو میں تو لوگوں سے بہانے بناتے بناتے تنگ آ گئی تھی۔اس لئے دو کو تو کول مول جواب بھی دے دیا ہے۔جہاں کرنا چاہتے ہو بتا دو۔بات تو ختم ہو۔''

''ابھی میں ٹھیک سے کچھ نہیں کہہ سکتا''

''کیوں''

''میری ابھی اس سے اس سلسلہ میں بات ہی نہیں ہوئی''۔

''وہ ہے کون؟''

وہ سر اثباتی انداز میں ہلاتے ہوئے بولا''ہے کوئی''

پھر

آپا کو ایک دم ہی اس عورت کا خیال آیا جو عنصر کی جوانی کی پسند تھی۔ جو حالات کی بھینٹ چڑھ کر اس سے بچھڑ چکی تھی۔ اور جسے سولہ سال بعد دیکھ کر وہ کئی دن پریشان رہا تھا۔

لیکن ...... لیکن ...... وہ تو شادی شدہ تھی۔!!!

نہیں وہ عورت نہیں ہو سکتی۔ شادی شدہ عورت !! نہیں وہ نہیں ہو سکتی۔

پھر

کون تھی وہ

''بتاتے کیوں نہیں'' آپا نے قدرت ملائمت سے عنصر سے پوچھا۔ ''آخر ہے کون وہ''

عنصر چند لمحے چپ رہا۔

کہنے اور کہنے کے مابین ڈولتا رہا۔ ابھی تو اس نے اس سلسلے میں عصمی سے بات تک نہ کی تھی۔ کیا خبر اس کے خیالات و احساسات کیا ہوں۔ اتنے سال کی بیوگی کے بعد وہ شادی پر آمادہ ہو بھی یا نہیں۔ اس کے دو بچے ہیں۔ اس کی دو بیٹیاں ہیں۔ پتہ نہیں چار بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھانا اس کے لئے ممکن بھی ہو یا نہیں۔

یہ سب باتیں تو عصمی کے ساتھ طے کرنے کے بعد ہی کچھ کہنا مناسب تھا۔

آپا نے بہت کریدا

بہت پوچھا

لیکن اس نے یہی جواب بہتر سمجھا۔ کہ چند دن انتظار کریں۔ وہ کسی حتمی نتیجے اور فیصلے پر پہنچ جائے تو خود ہی بتا دے گا۔

آپا کے چہرے سے ناراضگی کے آثار ہویدا تھے۔

لیکن

عنصر نے دل کی بات آشکارنہ ہونے دی۔

وہ اٹھ کر پھر دوسرے صوفے پر جا بیٹھا۔ اور آپا فیتہ ٹانکنے لگیں۔ ماحول کچھ بوجھل سا ہو گیا اسی لئے آپا نے چند لمحوں کے بعد پوچھا۔

''چائے پیو گے''

عنصر نے اخبار دیکھتے ہوئے کہا ''بنوا دیں''

آپا نے نوکرانی کو آواز دی۔ ''سیداں''

سیداں کچن سے نکل آئی۔ ادھیڑ عمر کی عورت سیداں اس گھر کی پرانی ملازمہ تھی۔ اس وقت دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

''جی بیگم صاحب جی۔ وہ ہاتھ دوپٹے کے آنچل سے پونچھتے ہوئے بولی

''صاحب کے لئے ایک کپ چائے بنا دو'' ذکیہ نے کہا

''جی بہتر'' وہ مڑنے کو ہوئی تو ذکیہ نے کہا ''ذرا ادھر کمرے میں جھانک آؤ۔ دیکھو بچیاں کیا کر رہی ہیں''۔

''صاحباں ان کے ساتھ ہے جی'' سیداں نے اپنی بارہ چودہ سالہ بیٹی کا نام لیا۔

''میں خود دیکھتا ہوں انہیں'' عنصر نے سیداں سے کہا ''تم چائے بناؤ''

''اچھا جی'' وہ بولی پھر ذکیہ سے پوچھا آپ کے لئے بھی بناؤں بیگم صاحبہ۔ ''بنا دو'' وہ بولی۔

سیداں پھر کچن میں چلی گئی۔

عنصر اٹھ کر اس کمرے میں چلا گیا جس میں بچیاں صاحباں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔

''پپا'' اسے دیکھتے ہی عمارہ بھاگ کر اس کی طرف آئی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر انگریزی میں بولی ''ہم نے گڑیوں کا گھر بنایا ہے''۔

''گڈ'' عنصر نے اسے پیار کیا۔

''پپا۔ صاحباں بہت اچھی ہے''۔ حرا گڑیا کو اس کے بیڈ پر لٹاتے ہوئے انگریزی میں بولی''۔ اس نے ہمیں بہت اچھا گھر بنا کر دیا ہے''

عنصر نے مسکرا کر گڑیوں کا گھر دیکھا۔ تکیئے اور کشن جوڑ کر صاحباں نے ان کے لئے گڑیوں کا گھر بنایا ہوا تھا۔

''شاباش'' عنصر نے صاحباں سے کہا ''اب مدیحہ اور ان کے بچے چلے گئے ہیں۔ عمارہ اور حرا کا تم دھیان رکھا کرو۔ ان کو اچھی اچھی کھیلیں کھلایا کرو۔''

''اچھا صاحب جی۔ میں ان کو بہت کھلاتی ہوں۔''

''ہاں پپا'' حرا اردو میں بولی ''یہ ہمارے ساتھ اچھا کھیل کھیلتی ہے'' بچیوں نے صاحباں سے اس کی اردو پنجابی ملی جلی زبان سیکھ لی تھی۔ وہ صرف پپا سے انگریزی میں بات کرتی تھیں۔ باقی سب سے صاحباں ہی کی زبان میں بات کرتی تھیں۔

عنصر نے چند لمحے ان کے پاس ٹھہرا۔ پھر بچیوں سے انگریزی میں پوچھا۔ ''یاد ہے نا آج تم دونوں نے پانچ بجے میرے ساتھ جانا ہے''

''ہاں پپا'' دونوں بولیں۔

''ٹھیک پانچ بجے تیار ہو جانا۔''

''آل رائٹ''

عنصر دونوں کو کھیلتا چھوڑ کر پھر لاؤنج میں آ گیا۔ جہاں ذکیہ آپا بیٹھی فیتہ ٹانک رہی تھیں۔

''ذکیہ آپا'' عنصر نے کہا

''ہوں۔''

''آج بچیاں میرے ساتھ جائیں گی۔ پانچ بجے کے قریب انہیں تیار کر دیجیے گا۔''

''اچھا''

''اچھی طرح تیار کیجیے گا''۔

''کہاں لے جا رہے ہو انہیں''

عنصر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "ایک عزیز دوست کے گھر"

آپا چپ ہوگئی۔ سیداں چائے لے آئی تھی۔ اس نے ایک پیالی ذکیہ کو دی دوسری عنصر کو۔ دونوں نے اپنی اپنی پیالی میں چینی ڈالی۔ سیداں ٹرے درمیانی میز پر رکھ کر چلی گئی۔

عنصر اور ذکیہ گھونٹ گھونٹ چائے پینے لگے۔

چائے کے دوران دونوں نے بہت کم باتیں کیں۔ ذکیہ کے ذہن میں وہی سوچ جاگزیں تھی۔ کہ عنصر نے کسے پسند کرلیا ہے۔ کیا وہ اس کی کوئی جان پہچان والی ہے۔ کسی پرانے دوست کی بہن ہے۔ یا سرراہ ہی دیکھ کر اس پر لٹو ہوگیا ہے؟ ذہن پابند تو نہیں ہوتا۔ ضروری تو نہیں اس میں مثبت سوچوں ہی کے تانے بانے بنے جائیں۔ ذہن تو بے کناروں کا دریا ہے۔ جدھر پانی بہہ نکلا بہہ نکلا۔

عنصر نے خالی پیالی صوفے کے ساتھ والی ٹیبل پر رکھدی۔ "سیداں چائے اچھی بناتی ہے" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں" ذکیہ نے بھی پیالی درمیانی میز پر رکھدی۔ پھر عنصر کی طرف دیکھ کر بولی "کہیں جارہے ہو"

"ایسے ہی۔ مارکیٹ جانا تھا ذرا۔"

"کہاں لبرٹی"

"شاید ادھر ہی چلا جاؤں"

"کھانے پر آجاؤ گے نا"

"ہاں آپا۔ گھنٹہ بھر تک آجاؤں گا"

"اچھا۔"

"گاڑی شکیل تو نہیں لے گیا؟"

"نہیں۔ وہ تو اسکوٹر پر جاتا آتا ہے۔ گاڑی تمہارے لئے چھوڑ جاتا ہے"

"سوری۔ میری وجہ سے آپ کے بچوں کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔"

ذکیہ آپا برا مان کر بولیں۔ ''اتنے تکلف میں کیوں آجاتے ہو۔ تمہارے لئے گاڑی چھوڑ کر وہ کوئی احسان نہیں کرتے۔ انہیں پتہ ہے تم مدتوں بعد آئے ہو۔ تمہیں باہر جانا ہوتا ہے''۔

عنصر نے ممنونیت سے سر کو قدرے خم دیا۔ اور پھر دیوار کے ساتھ ٹانگی گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلا گیا۔

وہ سیدھا لبرٹی ہی گیا۔ شام اس نے اپنی بیٹیوں کو عصمی کے گھر لے جانا تھا۔ کل اس نے اسد سے کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو سرپرائز دیگا۔ سرپرائز ہی تھا۔ ان لوگوں مین سے کسی کو پتہ نہ تھا۔ کہ اس کی دو عدد بیٹیاں بھی ہیں۔ کسی نے بھی تو پوچھا نہیں تھا۔ اور تو اور عصمی نے بھی اتنی دفعہ ملنے کے باوجود یہ بات نہ پوچھی تھی۔ کہ آیا اس نے شادی کرلی ہوئی ہے اور بال بچے دار بھی ہے؟

عصمی کو تو یہ بات پوچھنا چاہیے تھی۔

خیر

آج وہ اپنی بیٹیوں کو اس کے ہاں لے جائے گا۔ بچے تو ان سے مل کر یقیناً خوش ہوں گی۔ وہ عصمی کے رد عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

وہ لبرٹی گیا۔ کل اس نے اسد کو گھڑی دلائی تھی۔ لیکن مومنہ کے لئے کچھ نہیں لیا تھا آج وہ مومنہ کے لئے بھی کوئی تحفہ لے کر جانا چاہتا تھا۔ وہ دانستہ بچوں سے میل جول بڑھا رہا تھا۔ یہ تحفے تحائف گھمانا پھرانا اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ بچوں کی اجنبیت دور ہونی چاہیے تھی۔ ان کے دل میں اس کے لئے اچھے جذبات اور خیالات ہونا چاہیے تھے۔ کیونکہ جو بڑا قدم وہ اٹھانے کو تھا اس کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔

وہ لبرٹی کے مختلف سٹوروں پر گیا۔ چیزیں تو بہت تھیں۔ لیکن وہ سمجھ نہ پا رہا تھا۔ کہ بارہ تیرہ سالہ بچی کے لئے وہ کیا چیز خریدے۔ سویٹر وہ لے کر دے چکا تھا۔ کپڑوں کا اسے علم نہ تھا کہ کیسے خریدے۔ آرٹیفشل جیولری؟ پتہ نہیں یہاں

اس عمر کی لڑکیاں یہ پہنتی تھیں کہ نہیں۔سونے کا لاکٹ یا بندے؟ اگر عصمی نے قبول نہ کئے تو۔

ہیر پھیر کر اس کی نظر گھڑی پر ہی ٹھہری۔ اسد کو گھڑی لے کر دی تھی۔ مومنہ کے لئے بھی اس نے چھوٹی سی رسٹ واچ خرید لی۔

اب اسے یہاں اور کوئی کام نہ تھا۔گھڑی، پر وقت دیکھا۔ابھی کھانا کھانے میں خاصہ وقت تھا۔وہ گھر جانے کے بجائے مال کی طرف چل دیا۔علی رضا سے ملے کافی دن ہو چکے تھے۔اس کا دفتر مال پر تھا۔دوپہر کی بریک بھی ہونے والی تھی۔اسے ہیلو ہیلو کرنے کے خیال سے وہ اس کی دفتر چل دیا۔

وہ اسے مل گیا

بہت خوش ہوا۔دونوں برآمدے میں کھڑے باتیں کرنے لگے۔ رضا کے بیوی بچے پنڈی سے آگئے تھے۔''کسی دن گھر آؤ نا۔''وہ بولا۔

''تم بلاؤ نا''عنصر ہنسا''میں تو مہمان ہوں''

''واقعی تمہاری تو دعوت کرنا ہے''

''اوہ نہیں یار میں تو ایسے ہی ہنس رہا تھا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ایک بار ہی دعوت کریں گے''

''کب''

''جب شادی کر لو گے''

''ہوں''

''بات کہاں تک پہنچی''

''ابھی درمیان ہی میں لٹک رہی ہے''

''کیوں؟''

''بس''

''کیا ارادے ہیں''

''بری نہیں۔ہیں تو اچھے۔''

''پھر بھی۔رشتہ دیکھا۔کوئی پسند آئی''

''یار اپنی پسند تو ایک ہی ہے'' اس نے شوخی سے کہا'' پتہ نہیں وہ اب مجھے قبول کرتی ہے یا نہیں''

''تمہارا مطلب۔'' رضا نے حیرانگی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''عصمی۔'' اس نے بات پوری کردی۔رضا پر تجسس انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا'' اس سے بات کی۔چھیڑی بات۔؟ ابتدا کی؟''

''سوچ رہا ہوں۔ابھی کی نہیں۔'' وہ بولا'' ڈرتا ہوں وہ انکار نہ کردے۔ رضا یار اس سلسلے میں ضرورت پڑی تو تم یا بھابی میری مدد کرو گے''

کیوں نہیں۔بخوشی لیکن۔''

''لیکن کیا؟''

''تم بات شروع تو کرو۔دیکھو ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ایک بات ہے''

''کیا''

''اس کا بیٹا بہت اکھڑ اور سر پھرا ہے۔اب بچہ نہیں سمجھدار ہے۔وہ کوئی''
عنصر جلدی سے بات کاٹتے ہوئے بولا'' اس کی فکر نہیں۔میری اس سے خاصی دوستی ہو چکی ہے۔وہ تو امریکہ جانے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔''

''ہوں''

اس کا مسئلہ نہیں بچے میں اڈاپٹ کرلوں گا۔اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچے امریکن لاء میں اڈاپٹ کئے جاسکتے ہیں۔یہ سب کچھ میں نے سوچ سمجھ لیا ہے''۔

''پھر تو مسئلہ حل سمجھو۔''

''کیسے؟ فیصلہ تو عصمی نے کرنا ہے۔اس نے نہ کردی تو''۔

''ہوں۔یہ بات بھی ہے۔اتنی دیر کی بیوگی اور اس عمر میں عورتیں کم ہی شادی کا سوچتی ہیں۔خیر تم بات کرو تو سہی۔تمہارے پاس وقت تھوڑا ہی ہے اب واپس بھی جانا ہے۔کب تک قیام ہے یہاں؟۔

اس کی فکر نہ کرو۔ میری کونسی نوکری ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ جو میرا اسسٹنٹ دیکھ بھال کر رہا ہے۔ میں مہینہ دو مہینہ چاہوں تو اور بھی رک سکتا ہوں"

"خوب"

"ہاں"

دونوں کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔ علی رضا کو بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ عصمہ اگر عنصر سے نکاح پر آمادہ ہو جائے تو بڑی اچھی بات تھی۔ بقول عنصر اس کے بیٹے کی زندگی سدھر سکتی ہے۔ وہ جیسی زندگی کے خواب دیکھتا تھا اسے وہاں مل سکتی تھی۔ عنصر کی سرپرستی میں وہ پڑھ لکھ بھی سکتا تھا۔ اور اس کے کاروبار میں بھی مدد کر سکتا تھا۔ عنصر اور عصمی دونوں ہی کے لئے شادی ایک اچھا فیصلہ تھا۔

علی رضا کی بریک ختم ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ چند منٹ عنصر کے ساتھ کھڑا گپ شپ کرتا رہا۔ عنصر نے اسے واپس بھیجا۔

دونوں نے پھر ملنے کا پلان بنالیا۔ علیک سلیک کے بعد واپس چلا آیا۔

پانچ بجے ذکیہ آپا نے دونوں بچیوں کو تیار کر دیا تھا۔ عمارہ نے پنک اور حرا نے ہلکے یلو رنگ کا خوبصورت فراک پہنا تھا۔ فراکوں کے ہمرنگ جرابیں تھیں۔ کلرڈ شوز تھے چھوٹے چھوٹے بالوں میں فراکوں کے ہم رنگ ہیر بینڈ لگا رکھے تھے۔

دونوں ویسے ہی بہت پیاری تھیں۔ خوبصورت لباس تجیلے تھے۔ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ شکیل تو جھٹ سے کیمرہ لے آیا۔ اور دونوں کی دو تین پوزوں میں تصویریں لے لیں۔ دونوں بیحد معصوم تھیں۔ معصومیت بذات خود حسن ہے۔ یہ حسن کیمرے کی آنکھ میں مقید ہو گیا۔

ذکیہ آپا نے بھی دونوں کو پیار کیا اور نظر بد سے بچانے کے لئے کوئی قرآنی آیت پڑھ کر ان پر پھونکی پھر بولیں۔ "جاؤ پیا کے ساتھ"۔

دونوں عنصر کی طرف آ گئیں۔ حرا نے پوچھا ''ہم کہاں جا رہے ہیں پپا''

''پپا کے دوست کے گھر''۔ عنصر کی جگہ عمارہ نے جواب دیا دونوں بہت خوش تھیں۔

''وہاں سب کو سلام کرنا'' ذکیہ آپا نے ان سے کہا

''اچھا آنٹی'' وہ بولیں ''کیسے کروگی؟ کیا کہوگی''

''اسلاماں لے کُم'' دونوں نے ایک ہی لے میں ہر لفظ لٹکا لٹکا کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔

''کیا ہم غلط ہیں پپا'' حرا نے انگریزی میں باپ سے پوچھا۔

''نہیں۔ مائی سویٹ ہارٹ'' عنصر نے بھی انگریزی میں ہی جواب دیا۔

''تم دونوں نے بالکل ٹھیک لفظ کہا''

وہ خوش ہو گئیں۔

عنصر ذکیہ آپا کو سلام کر کے بچیوں کو لے کر باہر آ گیا۔ دونوں پپا کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ عنصر راستے میں انہیں اچھی اچھی باتیں بتاتا رہا۔ انہیں بتایا کہ وہ انکل کے گھر نہیں آنٹی کے گھر جا رہی ہیں۔ آنٹی سے انہیں کیسے ملنا ہے۔ ان کے بچوں سے کس طرح پیش آنا ہے۔ کوئی بدتمیزی نہیں کرنی وغیرہ وغیرہ۔

کچھ ہی دیر بعد وہ عصمی کے گھر کے سامنے تھے۔ گاڑی روک کر عنصر نے بچیوں کی طرف کا دروازہ کھول کر انہیں باہر نکالا۔ پھر گاڑی بند کر کے خود بھی باہر نکل آیا۔

اس نے کل اسد کو بتایا تھا۔ کہ وہ ان لوگوں کو آج سرپرائز دے گا۔ یہ سرپرائز اس کی بچیاں ہی تھیں دروازہ کھلا ہی تھا۔ اس لئے اس نے بچیوں کو اندر بھیجا۔ خود چند لمحے باہر ہی کھڑا رہا۔

اسد نے نہ تو امی کو کسی سرپرائز کا بتایا تھا۔ نہ مومنہ کو۔ گھڑی کی وجہ سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اس کا موڈ اب تک ٹھیک نہ ہوا تھا۔ رات بھی اس نے بارہ بجے تک باہر رہ کر عصمہ کو خوب ستایا تھا۔ اب بھی وہ ماں سے بات نہیں کر رہا تھا۔

اسکول سے آکر کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ شاید باہر ہی سے کچھ کھا پی آیا تھا۔ اس لئے جب سے آیا تھا اپنا کمرہ بند کر کے اندر ہی پڑا تھا۔

عصمی کو بھی غصہ تھا۔ اس نے بھی اسے نہیں بلایا تھا۔ ہاں مومنہ دو تین بار دروازہ کھٹکھٹا کر اسے کھانے کے لئے بلا چکی تھی۔

گھر کی فضا مکدر تھی۔ عصمی خاصی پریشان تھی۔

''مومنہ'' عصمی اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے بچی کو بلا رہی تھی۔ کہ اس کی نگاہ دروازے پر پڑی جس میں وہ خوبصورت بچیاں کھڑی تھیں۔

''یہ کون؟'' وہ بیساختہ کہہ اٹھی۔ اور جلدی سے بچیوں کی طرف بڑھی۔

''آپ آنٹی ہیں''۔ حرا نے گول مول سی اردو میں کہا۔

''ہاں بیٹے۔ آپ کون ہیں''۔

''اسلاماں لے کم۔'' دونوں بچیوں نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے جیسے راگ الاپا۔

''امی یہ کون ہیں۔'' مومنہ بھی ادھر آ گئی۔

عصمی ان کی شکلوں اور لب ولہجے سے کسی حد تک سمجھ گئی کہ وہ کون ہو سکتی ہیں۔ اسی لئے اس نے بچیوں کو پیار کرتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور پھر دروازے سے باہر جھانکا اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

باہر

عنصر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

عصمی کے دل و دماغ سے جیسے ہزاروں من بوجھ اتر گئے۔ یہ عنصر کی بچیاں تھیں۔ وہ بیوی بچوں والا تھا۔ اس کے آنے جانے اور بے تکلف ہونے سے جو خطرات اور وسوسے اس کے ذہن میں منڈلاتے رہتے تھے۔ وہ یکدم رفع ہو گئے۔ اسے لگا کہ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔ پرسکون ہو گئی ہے۔

اور

اب

وہ اس کی ہر بات کا بڑی معقولیت سے جواب دے سکتی ہے۔ عنصر کی کوئی نظر مطلب کی آڑ لئے ہوئے نہیں۔

عنصر کو اس نے خوشدلی سے خیر مقدمی الفاظ سے نوازا۔

''آیئے نا۔ باہر کیوں کھڑے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی'' یہ آپ کی بچیاں ہیں۔ میں انہیں دیکھتے ہی سمجھ گئی''۔

''واقعی؟'' عنصر اندر آتے ہوئے بولا مومنہ نے اسے سلام کیا۔ جواب دیتے ہوئے اس نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اور بولا۔'' دیکھو تمہاری دوست آئی ہیں''

مومنہ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا دونوں نے اپنے ہاتھ اس کی ہاتھ پر رکھ دیئے۔'' امی کتنی پیاری ہیں'' مومنہ نے ماں کی طرف دیکھا۔

'' بے شک'' عصمہ بولی۔ پھر بچیوں کو ساتھ لگائے ہوئے کہا۔'' آپ کے نام کیا ہیں۔ اردو سمجھتی ہو''

''ہاں آنٹی۔ حرا بولی

''حرا۔''

''اور ان کا''

''عمارہ''

تمہاری طرح تمہارے نام بھی بہت خوبصورت ہیں''

وہ سب کو لے کر صوفوں کی طرف آ گئی۔

''بیٹھو''

''عنصر ایک صوفے پر بیٹھا حرا عمارہ اور مومنہ دوسرے پر۔''

''تم بھی بیٹھو'' عنصر نے عصمی سے کہا۔ اسے خوش دیکھ کر عنصر کا من پھول کر کپا ہو رہا تھا۔

وہ بھی بچیوں کے پاس بیٹھ گئی۔ اور بڑے پیار سے ان سے باتیں کرنے اور ان کی ننھی منی باتیں سننے لگی۔

مومنہ بھی باتوں میں شریک تھی۔ بچیاں تو کچھ اجنبیت سی محسوس کرتی رہیں۔

لیکن جلد ہی مومنہ سے گھل مل گئیں۔

''لان میں چلو گی؟''مومنہ نے ان سے پوچھا دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں اور باپ سے پوچھا ''پپا ہم ان کے ساتھ لان میں کھیل سکتے ہیں۔

ہاں جاؤ۔ عنصر نے انگریزی میں کہا۔''لان ہی میں رہنا۔ سڑک کی طرف نہیں جانا''

''یس پپا'' دونوں مومنہ کے ساتھ چل دیں۔

''بہت پیاری ہیں آپ کی بیٹیاں۔'' عصمی نے کہا

''شکریہ'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اتنے دن ہو گئے ہم سے ملتے جلتے۔ آپ نے ان کے متعلق بتایا ہی نہیں''۔

''تم نے پوچھا کب''۔

''وہ چپ ہو گئی۔

''ڈرتی تھیں؟''عنصر نے شوخ سی نگاہ اس پر ڈالی

''ڈرنا کیوں تھا؟ عصمی نے جواب دیا۔

''بتا دوں''

''رہنے دوں''

''رہنے دیں'' ...... ''مان لو کہ پوچھتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کہ کہیں میں غیر شادی شدہ تو نہیں اور تمہارا امیدوار بن کے تو چلا نہیں آیا۔'' وہ مسکرا کر اسے گہری گہری نظروں سے دیکھ رہا تھ۔ اعصمی کتراتے ہوئی بولی ''بچیاں تو آئی ہیں۔ بیوی کو کیوں نہیں لائے''

''بیوی؟''نہیں سمجھ سکے تو بچیوں کی ماں ہی کہہ لیجئے۔ عصمہ بھی مسکرانے لگی ''اگر بتا دوں گا تو پھر''

پھر کیا ہوگا''

ڈرنے لگو گی۔

''کیوں''

''اس لئے کہ میں اکیلا ہوں۔ میری بیوی نہیں ہے''

''کیا مطلب؟''

''بیوی مجھے دو سال ہوئے چھوڑ کر جا چکی ہے''

''کیا''

''ہاں عصمی۔ میری امریکن بیوی مجھ سے طلاق لے کر الگ ہو چکی ہے۔ بچے بھی چھوڑ گئی۔ حالانکہ امریکن لاء میں بچے ماں کے ہوتے ہیں''۔

عصمی چپ ہوگئی۔ پھر آہستگی سے بولی''بڑی بری بات ہے''

''امریکہ میں یہ بری بات نہیں۔ ویسے بھی مجھے چھوڑنے میں وہ حق بجانب ہی تھی''

''کیوں''

''میں اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکا

''کیا مطلب؟''

''عصمی۔ ایمانداری سے اپنے جذبات کا تجزیہ کرتا ہوں۔ تو یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں۔ میں جینی کو وہ پیار وہ محبت وہ چاہت نہ دے سکا۔ جس کا وہ حق رکھتی تھی''۔

''آپ نے زیادتی کی''

وہ چند لمحے چپ رہا۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''یہ زیادتی۔ تم نے مجھ سے کروائی''

''عنصر۔''وہ دھک سے رہ گئی۔

''سچ کہتا ہوں عصمی۔ میرے شعور میں تم بے شک ہمیشہ نہ رہو۔ لیکن لاشعور میں ہمیشہ رہی ہو''۔

''عنصر پلیز۔ یہ باتیں مت کریں۔ اب ہم عمروں کے جس دور اور حالات کے جس موڑ پر ہیں ایسی باتیں مناسب نہیں لگتیں'۔

''یہی تو وقت ہے ان باتوں کا۔

وہ خاموش رہی۔

''عصمی۔ جانتی ہو میں پاکستان کس لئے آیا ہوں'' اس نے اس کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔'' مجھ سے اب ان بچیوں کی ذمہ داری نہیں سنبھالی جاتی۔ ایک سال تک تو میرے دوست کی بیوی نے انہیں سنبھالا۔ اب وہ کینیڈا چلے گئے ہیں۔ بچیوں کا بار مجھ پر آن پڑا ہے''۔

''وہ تو ہے''

''میں شادی کرنے یہاں آیا تھا۔ کسی ایسی عورت سے جو ان بچیوں کو ماں کی محرومی کے احساس سے بچالے اور ان کی پرورش و نگہداشت ہمارے مشرقی اور اسلامی طریق سے کرسکے''

''اچھی بات ہے'' وہ ہولے سے بولی۔

''شادی شاید ہو بھی چکی ہوتی۔ لیکن۔'' وہ چپ ہوگیا عصمی کا دل بے طرح دھڑکنے لگا۔ وہ عنصر کی طرف دیکھ نہ سکی۔

وہ صاف گوئی سے بولا۔'' لیکن۔ تم مجھے مل گئیں''

عصمی کا رنگ اڑ گیا۔ جس خدشے سے وہ عنصر کی آمد کی روز اول سے دوچار تھی۔ وہ سامنے آہی گیا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔'' میں چائے بنواتی ہوں''۔

''ضرور بنواؤ۔ لیکن ماں سے کہہ کر ادھر آجاؤ۔ میں نے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''جو میں نے نہیں سننی'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔'' میرا جوان بیٹا اندر لیٹا ہے''

عنصر نے اس کی بات کو تو کوئی وقعت نہ دی۔ ہاں اسد کا خیال آ گیا۔ وہ

جھٹ سے بولا۔ ''اوہو مجھے اسد کا تو خیال ہی نہیں رہا۔ کہاں ہے وہ میں نے تو اسے بتایا تھا۔ کہ آج میں آؤں گا سرپرائز دینے۔ بلاؤ نا اسے''۔

''وہ بگڑا پڑا ہے'' وہ بولی۔

''کیوں'' عنصر نے حیرانگی سے کہا۔

''عنصر''

''ہوں''

''آپ میرے بچوں کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور نوازشات سے کوئی اچھائی نہیں کر رہے ہیں۔ آپ نے اسے اتنی قیمتی گھڑی کیوں لے کر دی''

عنصر کچھ محجوب سا ہوا لیکن مستحکم آواز میں بولا، ''تمہارے بچے مجھے عزیز ہیں۔ میں ان کی بھلائی کے لئے بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ میں تو آج مومنہ کے لئے بھی گھڑی لایا ہوں''

اس نے چھوٹی سی مخملی ڈبی جیب سے نکال کر میز پر رکھ دی۔

''عنصر آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں''۔ عصمہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''تمہارے بچوں کو میں اپنے بچے سمجھتا ہوں''۔ عنصر نے کہا۔ اسد شاید یہ باتیں سن رہا تھا۔ تڑاک سے دروازہ کھول کر باہر آیا اور علیک سلیک کے بغیر ہی بولا ''ہم آپ کے بچے نہیں ہیں۔ مومنہ رشید اور اسد رشید ہیں۔ عنصر نام ہمارے ناموں کے ساتھ نہیں لگتا۔''

وہ انتہائی بدتمیزی سے یہ باتیں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ عصمہ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اسد نے بدتمیزی کی انتہاء کر دی تھی۔ وہ بیحد شرمندہ، بیحد دکھی ہو رہی تھی۔

برا تو عنصر کو بھی لگا۔ لیکن اسد کے متعلق وہ عصمہ اور رضا سے بہت کچھ سن چکا تھا۔ آج عملی طور پر بھی اس کا رویہ دیکھ لیا۔ تاہم اس نے مسکراتے ہوئے عصمہ کو شرمندگی کے گرداب سے نکالنے کی کوشش کی۔

☆☆☆

''ہیلو''

''جی''......

''یہ الائیڈ بنک ہے''

''جی ہاں''

''مجھے مسز عصمہ رشید سے بات کرنی ہے۔پلیز بلا دیجئے''

''ہولڈ کریں۔ بلاتا ہوں''

فون منیجر کے کیبن میں اس کی میز پر پڑا تھا۔منیجر تو کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔فون چپراسی نے اٹھایا۔ اور ہولڈ کروا کے کیبن سے نکلا اور عصمہ کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

''آپ کا فون ہے جی''وہ بولا۔

عصمہ جو کام میں مصروف تھی۔قلم چھوڑ کر چپراسی کی طرف دیکھا اور بولی۔''میرا فون ہے''

''جی''

''کس کا ہے''

''پتہ نہیں جی۔ہولڈ کیا ہوا ہے آپ جا کر بات کرلیں''اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

''عفت جو ساتھ بیٹھی تھی بولی''اسد کا ہوگا''

''پتہ نہیں''اس نے جواب دیا۔اور اٹھ کر کیبن کی طرف چل دی۔کیبن اس وقت خالی تھی۔کیونکہ منیجر صاحب نہیں تھے۔

''ہیلو''عصمہ نے فون اٹھا کر کہا۔

''عنصر بول رہا ہوں''آواز آئی۔

عصمہ ایک لمحہ کو جھجکی پھر بولی۔''کہیے''

''کام کر رہی تھیں''

''ظاہر ہے ڈیوٹی پر ہوں تو کام ہی کر رہی ہوں گی''

''کیسی ہو''

''ٹھیک ہوں''

''اچھا ایک بات ہے''

''کیا......؟''

وہ چند لمحے چپ رہا۔ پھر بولا۔ ''کل میں نے ایک سرسری سا اشارہ کیا تھا''

''کس طرف''

وہ جلدی سے بولا ''شادی کی طرف''

''عنصر پلیز۔ اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں''

''کیوں''

''جو بات ممکن نہیں وہ۔''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا ''ممکن ہے یا نہیں یہ بعد میں دیکھیں گے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اپنی بڑی بہن ذکیہ آپا کو تمہارے ہاں لاؤں۔''

''لائیں'' وہ بولی ۔ پھر سوچا اور بولی۔ ''وہ بطور مہمان ہمارے ہاں ضرور تشریف لائیں۔ لیکن کسی سلسلے میں نہیں''

''تم یہ پابندی نہیں لگا سکتیں۔'' وہ بولا۔ ''میں آج آپا سے بات کرنے والا ہوں۔ وہی میری کرتا دھرتا ہیں۔ میری شادی کا فریضہ بھی وہی انجام دیں گی۔ میں چاہتا ہوں وہ پہلے ایک بار تم سے مل لیں''

وہ سن سی ہو گئی۔

''آج آئیں یا کل۔'' عنصر نے پھر پوچھا۔

''میں نے کہا نا۔ کہ اس سلسلے میں وہ نہ آئیں''۔

''عصمی۔''

''عنصر معاملات کو سمجھا کرو۔ کل اسد کے رویے سے تم نے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا؟''

''اس کی بات چھوڑو۔ اسے میں سنبھال لوں گا''

''نہیں وہ جو کچھ ہے تم نہیں جانتے''

''جانتا ہوں اس کے مسائل ہیں۔ میں سمجھا لوں گا اسے''

''لیکن''

''کیا'' ...... ''میں اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی۔ آئندہ مجھے بنک میں فون نہ کرنا۔ میں لوگوں کی باتوں کا موضوع بننا نہیں چاہتی۔''

''ٹھیک ہے فون نہیں کروں گا۔ لیکن تم سے مل کر فیصلہ ضرور کروں گا۔ میں آج تمہیں لینے آؤں گا چھٹی کے وقت تمہارا انتظار کروں گا۔ دیکھو ادھر ادھر ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تم سے کھل کر ساری باتیں طے کرنا چاہتا ہوں''۔

عصمہ نے بغیر جواب دیئے فون بند کر دیا۔ اور چند لمحے فون پر ہاتھ رکھے کھڑی رہی۔ بنک کا کاروبار اس وقت عروج پر تھا۔ ہر کاؤنٹر پر لوگ تھے۔ کام میں مصروف بھی۔ سوائے عفت کے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی ...... ہچکچاتے ہوئے عصمہ نے فون اٹھا لیا ''ہیلو''

''دیکھو عصمی میں آج تمہیں لینے آؤں گا۔ بہت اہم باتیں کرنا ہیں۔ میں آج تمہارے گھر نہیں آنا چاہتا۔ اسد کی وجہ سے۔ کہیں اس کا موڈ اور بھی نہ بگڑ جائے۔ اس لئے بنک لینے آؤں گا گھر فون کر دینا کہ تم لیٹ گھر پہنچو گی۔ سمجھیں''۔

عصمی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عنصر نے فون بند کر دیا۔ وہ کئی لمحے پریشان سی کھڑی رہی۔......

پھر ...... کیبن سے نکل کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔

''کون تھا؟ عفت نے کاغذ پر سر جھکائے کچھ لکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ چپ رہی۔

اسے پریشان دیکھ کر عفت نے قلم رکھ دیا اور ہمدردی سے بولی ''اسد تھا۔؟''

عصمی نے ایک گہری سانس لی۔ پہلے تو اس کا جی چاہا عفت کو اعتماد میں لے کر عنصر کے متعلق اس سے بات کرے۔ لیکن پھر خود کو ہی عنصر کا پرو پوزل معیوب اور عجیب سا لگا۔ وہ ذہنی طور پر اس بات کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔

اس لئے عفت کے سوال کے جواب میں بولی ''اسد آج کل بہت تنگ کر رہا ہے سخت بدتمیزی پر اترا ہوا ہے''

''کوئی نئی ڈیمانڈ؟''

''کیا بتاؤں تمہیں۔'' اس سے زیادہ اس نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ قلم اٹھایا اور کام کرنے لگی عفت نے بڑی ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''تت تت'' اس کے منہ سے آواز نکلی۔ پھر وہ بھی اپنا کام کرنے لگی۔

عصمی کے ذہن میں ہلچل مچی تھی۔ قلم چل رہا تھا۔ لیکن افکار ساتھ نہ دے رہے تھے۔ کچھ دیر تو وہ بے معنی انداز میں قلم چلائے گئی۔

پھر........ قلم رکھ دیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنیاں میز پر ٹکا دیں۔ ہلچل لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہو رہی تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ابھی چھٹی میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ سوچنے کے لئے ڈیڑھ گھنٹہ بہت تھا۔

لیکن فیصلہ کرنے کے لئے ڈیڑھ لمحہ بھی کافی تھا۔ اس نے سوچنے پر فیصلہ کرنے کو ترجیح دی۔

اس نے فیصلہ کر لیا........ کہ........ عنصر کے ساتھ وہ چھٹی کے بعد جائے گی۔ بڑے اعتماد اور پورے سکون کے ساتھ جائے گی۔ اس نے جو فیصلہ کیا ہے اسے اس سے باز رکھے گی۔ ایسا ممکن نہیں تھا۔ وہ ایسا سوچنے کے لئے بھی تیار نہ تھی۔

دنیا میں رہ کر دنیاداری بھی نبھانا پڑتی ہے۔ کچھ سچائیاں ایسی ہی تلخ ہوتی ہیں جنہیں جھٹلانا یا نہ ماننا منافقت کے زمرے میں آتا ہے۔ وہ حقیقت

ہوتی ہیں۔ مانیں یا نہ مانیں۔ ان کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ قائم ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔

لیکن..........!

بعض اوقات ان اٹل سچائیوں کی نفی نہ بھی کی جائے تو بھی انہیں نہیں ماننا پڑتا۔ ان کے حقیقت ہوتے ہوئے بھی انہیں نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

عنصر اور عصمی کی محبت ایک اٹل سچائی تھی۔ وہ اسے جھوٹ ثابت نہیں کرسکتی تھی۔ عنصر جب سے آیا تھا۔ اس کے اندر دفعتاً کچھ بیداریاں سی آ گئی تھیں۔ اس کی سوچوں میں رنگ اتر آئے تھے۔ ماضی اپنی تابناکیاں دکھانے لگا تھا۔ بیتے سمے شدت سے یاد آنے لگے تھے۔

لیکن وہ ماضی اور حال کے درمیان ہی الجھتی سلجھتی تھی۔

اس نے مستقبل کے متعلق کسی سوچ کو ذہن میں آنے ہی نہیں دیا تھا۔ ایک شریف بیوہ کی طرح وہ اپنی پاکیزگی کو سنبھالے ہوئے تھی۔ اس کی عمر کو بہت زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ہم عمر کئی ٹیچرز کئی ڈاکٹرز ابھی تک بن بیاہی بیٹھی تھیں۔

لیکن.....وہ جوان بیٹے کی ماں تھی۔ اس کی بارہ تیرہ سالہ سمجھدار بچی تھی۔ وہ اپنے متعلق تو اس رنگ میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ اپنی دونوں ذمہ داریاں جیسے تیسے نبھا رہی تھی۔ اسد جیسا بیٹا اس کی پریشانیوں اور دکھوں میں مسلسل اضافہ تھا۔ یہ ضدی بدتمیز اور اکھڑ لڑکا اسے پہروں رلاتا تھا۔ وہ اس سے تنگ بھی آ جاتی تھی۔

لیکن.....پھر بھی.....وہ اسے پوری ایمانداری اور ذہنی سچائی سے اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔ اس کے گوشت پوست کا حصہ تھا۔ اس نے ہر طور اس کی ساتھ نبھاہ کرنا تھا۔ وہ ایسا کوئی بھی قدم کیسے اٹھا سکتی تھی۔ جو اس کے بیٹے کے مضطرب دل ودماغ کو دھماکے کی طرح اڑا دے

نہیں.....وہ ایسا ویسا قدم ہرگز نہیں اٹھائے گی۔.....اس نے فیصلہ کرلیا

اور...... یہ فیصلہ عنصر کو سنانے کے لئے اس نے چھٹی کے بعد اس کے ساتھ جانے کا بھی ارادہ کرلیا۔...... وہ اٹھی ...... اور...... پھر...... کیبن کی طرف گئی۔...... اس نے اماں جی کو فون کیا ''اماں جی السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام عصمہ ہو''

''جی خیریت۔ میں بنک سے بول رہی ہوں۔ آج کچھ کام ہے اس لئے لیٹ آؤں گی۔ بچے اسکول سے آجائیں تو کھانا کھا کر کہیں آپ کی طرف آجائیں۔ اسد نہ بھی آئے تو مومنہ کو ضرور بلالیجئے گا۔ گھر پر اکیلی نہ رہے''

''اچھا''

''شاید مجھے زیادہ دیر ہوجائے۔ مومنہ کو اپنی طرف ہی رکھئے گا''

''فکر نہ کرو بیٹی۔ مومنہ میرے پاس ہی رہے گی۔ اسد کو بھی بلاؤں گی۔ آگیا تو۔''

''شاید نہ آئے اماں جی۔ آج کل اس کا موڈ بہت بگڑا ہوا ہے''

''کوئی نئی بات نہیں۔''

''بس میری قسمت اماں جی''

''خدا تم پر رحم کرے اور اس بچے کو نیکی کی ہدایت دے''

''آمین''

''اچھا''

''خدا حافظ' عصمہ نے فون بند کردیا۔ اور واپس آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

چھٹی کے وقت وہ اٹھی تو عفت نے کہا۔ ''دس بیس منٹ ٹھہر جاؤ۔ میرا کام ختم ہولے تو میں تمہیں ڈراپ کردوں گی''

''نہیں عفت''۔ وہ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولی ''آج مجھے کچھ جلدی جانا ہے''

''اسد کی وجہ سے''

''ہوں''

اس نے غیر ارادی طور پر ہوں کی اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

بنک کے بہت سے اسٹاف ممبر ابھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔ کچھ لوگ بھی ابھی اندر تھے۔ تاہم بیرونی دروازے پر بنک بند کی تختی لٹکا دی گئی تھی۔ چپراسی ادھر ہی کھڑا تھا۔ کچھ لوگ باہر کھڑے تھے۔ اور بہ منت اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھے۔ کئی وجوہ سے آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ لیکن چپراسی سب کو معذرت کی ساتھ اندر آنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

عصمہ باہر نکلی تو دو ایک مردوں نے دروازہ کھلنے سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اندر گھسنے کو لپکے۔ لیکن چپراسی نے انہیں اندر آنے نہیں دیا۔

عصمہ نے باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ سڑک کے دوسری طرف چند گز کے فاصلے پر بنک سے ذرا ہٹ کر عنصر گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔

اس کے نظر آتے ہی اس نے خوش آمدیدی انداز میں ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

عصمی چپ چاپ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

بڑی خوشدلی اور خوشگوار موڈ میں مسکراتے ہوئے عنصر نے کہا ''میری جان پر بنی تھی۔ اگر تم نہ آتیں تو کیا ہوتا۔ شکر ہے تم آگئیں''۔

اس نے خود ہی باتیں کرتے ہوئے عصمی کے لئے دروازہ کھول دیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ تو اپنی سیٹ پر آیا۔ اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سرقدرے اس کی طرف جھکا کر بولا۔ ''عصمی اپنی خوشی سے آئی ہو۔ مجبوری تو نہیں''۔

''گاڑی چلایئے'' اس نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔

اس نے گاڑی چلا دی۔

''کہاں چلیں؟'' اس نے سڑک کا پہلا موڑ کاٹتے ہوئے عصمی سے پوچھا۔

''جہاں کا آپ نے ارادہ کیا ہوا ہے'' سپاٹ لہجے میں بولی

وہ مسکرایا اور دھیرے سے بولا ''میں نے تمہیں اگلے جہاں لے جانے کا

ارادہ کیا ہوا ہے۔

وہ مسکراہٹ نہ دبا سکی ہولے سے بولی ''ٹھیک ہے چلئے''۔

''خوشی کی بات ہے عصمی۔ اس کا مطلب ہے تم میرے ساتھ ہر جگہ جانے پر تیار ہو۔ ڈر لگ رہا ہے۔ میں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں''۔ وہ سرشار اور مسحور لہجے میں بولا۔ اپنے پروپوزل کی کامیابی کا سو فیصد یقین آ گیا''۔

چند لمحے وہ سرور و کیف کی دنیا میں رہا۔ عصمی بھی چپ بیٹھی رہی۔

گاڑی پوری رفتار سے کشادہ سڑک پر دوڑے چلی جا رہی تھی۔ لاہور کی جیتی جاگتی پر ہجوم دنیا کو وہ پیچھے چھوڑ جا رہا تھا۔ اس طرف ٹریفک بہت کم تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنے درختوں کی لمبی لمبی قطاریں تھیں۔

اس نے ایک جھنڈ تلے گاڑی روک دی۔ اور بولا ''یہاں ہم کچھ دیر سکون سے باتیں کر سکتے ہیں۔ میں پوری سنجیدگی سے تم سے بات طے کرنا چاہتا ہوں''

عصمی نے اس کی طرف دیکھا اور سیدھے سادے لہجے میں بولی ''ضروری نہیں بات طے ہی ہو جائے''

''عصمی'' اس نے سٹیرنگ پکڑے پکڑے سر اس پر رکھ کر اس کی طرف حیران کن نظروں سے دیکھا اور بولا

''مجھے مایوس نہیں کرنا۔ میں سولہ سالوں کے بے رحم فاصلے پھلانگ کر تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں''

''فاصلوں کے وجود سے انکار خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت سے انحراف اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ عنصر۔ میں اس لئے تمہارے ساتھ چلی آئی ہوں۔ کہ تمہیں سچائی کا حقیقی رخ دکھا کر قائل کر سکوں۔ کہ جو تم نے سوچا ہے۔ اس پر عمل ناممکن ہے''

''کیوں عصمی کیوں۔'' وہ بے حد جذباتی ہو کر اس کی طرف مڑا۔

''عنصر بھولو نہیں کہ میں بیوگی کے تقریباً نو سال گزار چکی ہوں۔ اور دو

بچوں کی ماں بھی ہوں میرا بیٹا جوان ہو رہا ہے''۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے''

''پڑتا ہے''

''کیسے؟'' وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کس سے ڈرتی ہو۔ زمانے سے معاشرے سے؟ رشتہ داروں سے؟ کیا دیا ہے ان لوگوں نے تمہیں۔ زمانے سے کیا ملا ہے؟ رشتہ دارون نے کیا دیا ہے۔ ان لوگوں سے خوفزدہ ہو جو تمہارا جائز حق بھی کھا گئے۔ ان بہن بھائیوں سے ڈرتی ہو جنہوں نے ان تنہا سالوں مین تمہاری خبر تک نہ لی۔ تم اپنے بار خود اٹھائے ہوئے ہو۔ تو پھر اپنے فیصلے خود کیوں نہیں کر سکتی''۔

''نہیں کر سکتی۔ زمانے معاشرے اور رشتہ داروں کا بھی شاید کچھ خوف ہو۔ لیکن میں یہ قدم اس لئے بھی نہیں اٹھا سکتی۔ کہ میں نو سال سے اس زندگی کی عادی ہو چکی ہوں۔ دوسری وجہ اسد ہے جسے تم اچھی طرح جان چکے ہو''

وہ پرے ہٹ کر اپنی سیٹ کی پشت سے لگ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے چپ رہا۔ پھر بولا ''اسد کی نفسیات میں اچھی طرح جان چکا ہوں۔ وہ ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا۔ کہ اس کی عادتیں اتنی پختہ ہو چکی ہوں کہ ان کے توڑنے مروڑنے سے وہ خود پارہ پارہ ہو جائے۔ وہ ابھی خام مال کی طرح ہے۔ اس کی اندر کچھ جذبے پک رہے ہیں۔ کچھ نفرتیں انتقام اور محبتیں گڈمڈ ہو رہی ہیں۔ ابھی اسے کسی بھی سانچے میں ڈھالنے کی گنجائش ہے''

''یہ تمہاری غلطی ہے۔ تم اسے نہیں جانتے''

''کہنا تو نہیں چاہیے۔ لیکن عصمی جتنا میں اسے جان پایا ہوں۔ شاید تم جانتے ہوئے بھی تغافل برت رہی ہو''

''عنصر۔ میں اس کی ماں ہوں''

''ہو ضرور لیکن اسے اس طرح کی شخصیت میں ڈھالنے میں تمہارا بھی کافی ہاتھ ہے''۔

''عنصر''

''سچائی سے فرار کی کوشش نہ کرو۔''عنصر نے پرسکون لہجے میں کہا۔''اسد ایک نا آسودہ بچہ ہے اسے باپ کی محبت اور تحفظ نہیں ملا۔تم نے بے شک اس کے لئے بہت کچھ کیا ہوگا۔لیکن اس کی محرومی کا مداوہ تم نہیں کرسکیں۔اس کے اندر اتنی محرومیاں ہیں۔جنہیں وہ ضد۔بدتمیزی اور اکھڑپے کی صورت میں نکالتا رہتا ہے۔وہ نہیں جانتا کہ ان باتوں کا وہ کس سے انتقام لے اس لئے وہ تمہیں خود اذیتی سے تکلیف دیتا رہتا ہے۔

عصمی روہانسی ہوکر بولی۔''تم بھی مجھے مورد الزام ٹھہرا رہے ہو۔تقدیر سے میں لڑسکتی تھی۔باپ کی شفقتوں سے وہ میری وجہ سے محروم تو نہیں ہوا۔

''ٹھیک کہتی ہو۔لیکن عصمی جیسا کہ تم نے بتایا۔چار پانچ سال کی عمر تک وہ باپ کے پیار کے سائے میں رہا۔دادی دادا کی محبتیں سمیٹیں، وہ سب کی آنکھوں کا تارا بنا رہا۔چار پانچ سال کا بچہ محبتوں کی تشریح بے شک نہ کرسکے۔ لیکن یہ محبتیں اس کے احساسات پر نقش ضرور ہو جاتی ہیں۔اس کا حق بن جاتی ہیں۔اس کا ذہن صرف انہی جذبوں کو قبول کرکے خوشی محسوس کرتا ہے۔پھر ایک ایسا ناز و نعم میں پروردہ بچہ اچانک ہی ان محبتوں سی محروم ہو جاتا ہے۔تو کیا اس کا ذہن نئی صورت حال سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ ایک انتہا سے دوسری انتہا تک جاتے ہوئے اس کے اندر توڑ پھوڑ نہیں ہوتی۔بے شک اس عمر میں وہ ان چیزوں کو عقلی طور پر نہیں سمجھ سکا۔لیکن محسوسات کی دنیا مین اتنی تیزی اور اتنی شدت سے ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔کہ وہ بکھر کر رہ گیا۔''

عصمی اس کا تجزیہ غور سے سن رہی تھی۔بلاشبہ وہ کوئی غلط بات نہیں کہہ رہا تھا۔عنصر چند لمحے چپ رہا۔پھر بولا''معذرت کے ساتھ کہوں گا عصمی۔کہ تم خود بھی اپنے آپ میں بٹی ہوئی تھیں۔جب میں اپنی محبت کو بھلا نہیں پایا تھا۔تو تم بھی یقیناً دل کے کسی گوشے میں مجھے چھپائے ضرور تھیں''۔

عصمی نے کوئی جواب نہ دیا۔سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''یہ بات نہ ہوتی۔ تو تم یقیناً اسد کی طرف بھرپور توجہ دیتیں۔ اس کی کامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتیں۔ اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے دھونے کی بجائے انکا ازالہ کرنے کا سوچتیں''۔

''کیا تم سمجھتے ہو میں نے ایسا نہیں کیا ہوگا''۔

''کیا ہوگا۔ لیکن ایک ٹوٹی پھوٹی عورت بن کر''۔

عصمی چپ ہوگئی۔

عنصر کافی دیر تک اسد کی ذات کا تفصیلاً تجزیہ کرتا رہا۔ عصمی کبھی کبھی کوئی جملہ کہہ دیتی تو وہ اس کا پورے دلائل سے جواب دیتا۔ اس نے اسے اتنا سمجھایا اتنی دلیلیں دیں۔ کہ وہ دل ہی دل میں نادم ہو کر سوچنے لگی۔ کہ اسد کی تربیت میں واقعی اس سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اس نے دل میں یہ بھی اعتراف کیا۔ کہ وہ ایک دکھی اور بٹی ہوئی عورت تھی۔ رشید زندہ رہتا تو شاید وقت کی دھول میں عنصر ہمیشہ کے لئے دب جاتا۔

لیکن

ایسا نہیں ہوا تھا

عنصر سے بچھڑنے کے دکھ کے ساتھ اسے بیوگی کے دکھ کا بار بھی اٹھانا پڑا تھا۔ کتنی مدت تو وہ ذہنی ویرانیوں سے دوچار رہ کر جیسے اپنے آپ کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی۔ اور بقول عنصر وہی وقت تھا اسد کو صحیح سہارا دینے کا۔ اس کی ذہن کو مثبت رویے دینے اور اس کی شخصیت بنانے کا۔

اسے کئی واقعات یاد آ رہے تھے۔ بھابیوں کا اس معصوم بچے سے بیدردانہ سلوک۔ اور وہ بھابیوں کا تو کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی۔ الٹا بچے ہی کو مارا پیٹا کرتی تھی۔ برا بھلا کہا کرتی تھی

اور

اس رویے سے جب اپنا ہی دل جلتا تھا تو بچے کو سینے سے لگا کر تنہائیوں کو آنسوؤں سے بھگویا کرتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ بچے کے معصوم ذہن پر

نفرتوں اور محبتوں کے کیسے کیسے نقش بن رہے ہیں۔ اس کا یہ رویہ آج تک چلا آ رہا تھا۔

وہ ماں کو ستاتا رلاتا بھی تھا۔ اور پیار بھی کرتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھ پاتا تھا۔

''عصمی۔ اس دن اسد نے جب مجھ سے بدتمیزی کی تھی تو۔'' وہ سنجیدگی سے باتیں کرتے ہوئے بولا ''میں نہیں کہتا کہ مجھے برا نہیں لگا تھا۔''

''عنصر۔ میں بہت شرمندہ ہوں'' وہ جلدی سے بولی۔

''اس کی ضرورت نہیں عصمی۔ وہ وقتی سی بات تھی۔ لیکن میں نے اس بات پر بہت غور کیا تھا۔ اسد کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ حالات اسے اس ڈگر پر لے آئے ہیں۔ جہاں تک اس کے اونچے اونچے خوابوں کا تعلق ہے۔ تو یہ بھی اپنے موجودہ حالات سے فرار کی ایک شکل ہے وہ اسی طرح رہا تو اور بھی خراب ہو سکتا ہے۔ بقول تمہارے بری صحبت میں بھی پڑ سکتا ہے۔ عصمی وہ اس دریا کی طرح ہے جس میں طغیانی آتی ہے تو کنارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور بے قابو پانی جدھر کا چاہے رخ کر لیتا ہے''۔

عصمی گھبرا کر بولی ''مجھے یہی فکر تو کھائے جاتی ہے۔ میں کیا کروں''

''وہی کرو جو میں نے کہا ہے''

''عنصر''

''اگر تمہیں اپنے بچے کی بھلائی مقصود ہے۔ تو پھر نہ زمانے سے ڈرو نہ رشتہ داروں سے۔ اپنی اور بچوں کی بھلائی کا سوچو۔ عصمی اب ہم جوانی کے اس دور میں نہیں ہیں۔ کہ جذباتی ہو کر سوچوں کو الٹ پلٹ رنگ دیں گے ویسے ہم نے اس دور میں بھی اپنے اوپر ہیجانی کیفیات طاری نہ کی تھیں۔ ایسا عقلمندانہ فیصلہ کیا تھا جو میرے خیال میں ہماری عمر کے لوگ اس وقت نہیں کر سکتے تھے''۔

وہ چند لمحے چپ رہا۔

عصمی بھی نمناک آنکھوں کو جھپکاتے ہوئے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

''عصمی اس وقت ہم دونوں ضرورت مند ہیں۔ اور ہمارے اپنے وجودوں سے کہیں زیادہ ہمارے بچے ہماری ضرورتیں ہیں۔ میں اپنی بچیوں کی وجہ سے یہاں شادی کرنے آیا تھا۔ مجھے تم مل گئیں۔تو مجھے احساس ہوا کہ کسی دوسری عورت سی زیادہ تم میری بچیوں کی اچھی نگہداشت کرسکتی ہو۔تمہارے بچوں سے ملاتو میں نے بھی سوچا کہ یہ بچے میری ذمہ داری بن جائیں۔تو میں بطریق احسن اسے نبھاہ سکتا ہوں۔ اسد کے لئے تو میں نے بہت کچھ سوچ لیا ہے۔ اس کے اندر کی توڑ پھوڑ کو بھی میں پیار اور شفقت سے مجتمع کرنے کی کوشش کرسکتا ہوں۔ میں نے اس کی تعلیم کا بھی سوچ لیا ہے۔ امریکن لاء کے مطابق میں تمہارے بچوں کو اڈاپٹ بھی کرسکتا ہوں۔ اسد جیسے بکھرے ہوئے بچے کو مجتمع کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔لیکن میں ذہنی طور پر اس کو آسودہ کرنے اور صحیح راہیں دکھانے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتا ہوں۔ وہ جیسی زندگی کا خواہاں ہے اسے میرے ساتھ رہ کر مل سکتی ہے۔وہ میرے کاروبار میں شریک ہوسکتا ہے۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے اپنے آپ کو تیار کرلیا ہے اب فیصلہ تم پر ہے''

اس نے عصمی کی طرف دیکھا۔وہ چپکے چپکے رورہی تھی۔

''عصمی ۔آنسو بہانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم سولہ سال سے آنسو بہا رہی ہو کچھ نہیں بنا۔دکھ ہی دکھ ملے تمہیں''۔

عصمی نے سرخ سرخ آنسوؤں سے جھلملاتی آنکھوں سے عنصر کو دیکھا۔ سنجیدگی کے باوجود اس کا دل ڈول گیا لیکن تحمل سے بولا۔ عصمی آنسو پونچھ ڈالو۔ ہمت اور جرات پیدا کرو۔ اپنی۔میری اور بچوں کی بھلائی کا سوچو۔ میں نے شادی تو کرنی ہے بچیوں کی خاطر۔ انہیں اکیلے سنبھالنا میرے لئے ممکن نہیں۔ میں پھر کوئی جینی نہیں لانا چاہتا۔جس کی مسلسل حق تلفی کرتا رہوں۔جسے

وہ سب کچھ نہ دے سکوں جو ایک بیوی کا حق ہے۔ خدا نے شاید تمہیں اور مجھے اسی لئے آمنے سامنے کر دیا۔ کہ میں صحیح فیصلہ کر سکوں۔''

عصمی چپ رہی

''میری آپا ذکیہ نے میرے لئے رشتے دیکھ رکھے ہیں۔ لیکن میں انہیں اب تک ٹالتا آ رہا ہوں۔ میں تمہارے فیصلے کا منتظر ہوں۔ تم اگر رضامند ہو تو میں آپا کو تمہارے پاس بھیج دوں۔''

عصمی نے گھبرا کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''میں۔ میں انہیں کیا کہوں گی''

''میں جانتا ہوں تم اکیلی ہو۔ یہ فیصلہ بھی تم نے اکیلے ہی کرنا ہے۔ ہاں اخلاقی سپورٹ کے لئے تم اماں جی سے صلاح کر سکتی ہو۔ علی رضا اور اس کی بیوی سے مشورہ لے سکتی ہو۔ صلاح و مشورہ کو کیا لینا فیصلہ تو تمہارا ہو گا۔ ہاں آپا ذکیہ آئیں تو بات چیت کے لئے اماں جی کو بلا لینا''۔

وہ چپ ہو گئی۔

عنصر نے پھر اس کی طرف دیکھا اور بولا ''تذبذب میں ہو''۔

وہ بمشکل کہہ پائی ''ہاں''

''وجہ؟''

''اسد''

''اس کی فکر نہ کرنا۔ میں اسے اعتماد میں لے کر سمجھا لوں گا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بہر حال'' عنصر نے سیرنگ پر ہاتھ رکھے میں نے سب کچھ کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ تم بے وقوفی نہیں کرو گی۔ عقل اور سمجھ کے تابع فیصلہ کرو گی۔''

عصمی نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

تو

وہ مسکرا کر بولا "ایسی نظروں سے نہ دیکھو کہ۔"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ عصمی نے نظریں جھکالیں۔

چند لمحے وہ پیار کے جذبوں کی شدت سے اسے تکتا رہا۔ پھر بولا۔

"عصمی مجھے مایوس نہ کرنا۔ میں اس دفعہ تم سے بچھڑا تو ختم ہو جاؤں گا۔ ٹوٹ جاؤں گا۔ بخدا میری معصوم بچیوں ہی کا خیال رکھنا"

وہ اب چپ رہی

"اس چپ سے کیا سمجھوں عصمی وہ بالآخر بولا۔ "کچھ سوچو گی؟"

اس نے اثبات میں ہولے سے سر ہلا دیا۔ تو عنصر کی دنیا جیسے جگمگا اٹھی۔ اس ک بے اختیارانہ جی چاہا کہ عصمی کو بانہوں میں بھر کر سینے میں چھپا لے۔ لیکن اس نے یہ حرکت نہیں کی۔

پھر اس نے گاڑی چلادی۔ دونوں نے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہے۔ عصمی ناخوش نہیں تھی۔ کھانے کے بعد وہ مارکیٹ بھی گئے۔ چار بجے کے قریب عصمی سے کسی نیک فیصلے کا وعدہ لے کر عنصر اسے ڈراپ کر گیا۔ اتفاق ہی سے اسد کھڑکی میں کھڑا تھا۔ ماں کو گاڑی سی اترتے اور عنصر سے مسکرا کر باتیں کرتے دیکھ لیا۔ اس کی طبیعت بے طرح الجھ گئی۔

☆☆☆

''مومنہ'' رات جب وہ اسد کے کمرے میں بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھی۔ اور اسد اپنے بیڈ پر چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھا اور مومنہ کی کرسی کی پشت پر آ کر آہستہ ہولے سے پکارا۔

''مومنہ۔ آج امی لیٹ کیوں آئی تھیں''۔ اس نے کسی ننھے سے لیکن ماہر سراغ رساں کی طرح اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں سچائی کو ڈھونڈا۔

''پتہ نہیں۔ اماں جی کو فون کیا تھا۔ کہ انہیں کچھ کام ہے اس لئے دیر سے آئیں گی''

''کام تھا؟''

''تو اور؟'' وہ اس کی طرف حیران نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ''کئی دفعہ بنک میں کام زیادہ ہوتا ہے اور امی لیٹ ہی آتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات ہے؟''

اس نے سر آگے پیچھے ہلایا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ ہولے سے بولا۔

''آج نئی بات ہی تھی''۔

''کیا مطلب؟'' مومنہ نے پین کا سرا دانتوں میں دبا لیا۔

''امی انکل عنصر کے ساتھ واپس آئی تھیں۔''

''تو کیا ہوا۔ وہ بولی۔ پھر پین سے کاپی پر کچھ لکھتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ کہاں تو انکل عنصر ہی سب کچھ تھے۔ اب ان ہی کے خلاف ہو گئے ہو۔ اتنے اچھے تو ہیں وہ۔ کبھی کسی اپنے نے بھی اتنی لفٹ دی ہمیں کل تم تو گئے نہیں تھے ہمارے ساتھ میں نے اور عمارہ حرا نے خوب مزہ کیا انکل نے ہمیں کتنی جگہیں دکھائیں۔ خوب سیر کرائی۔ ہم نے وڈیو گیم بھی کھیلی۔ جھولوں پر بھی گئے بوٹ میں بھی بیٹھے۔ ہائے اللہ کتنا مزہ آیا اسٹیڈیم میں۔ تم تو ہو ہی بیوقوف۔ اس طرح کرتے رہے تو مجھے ڈر ہے انکل ہم سے ناراض ہی نہ ہو جائیں''۔

''اچھا ہو کہ ہو جائیں۔ ادھر کا کبھی رخ ہی نہ کریں''

''ہائے اللہ۔ کیوں''

''تم نہیں سمجھتیں۔ ابھی چھوٹی ہو''

''اور تم تو بڑے بوڑھے ہو۔ جو سب کچھ سمجھتے ہو۔ اب مجھے اتنی چھوٹی بھی نہ سمجھو۔''

''ناسمجھ تو ہو''۔

''آئے ہائے۔ کیا ناسمجھی دیکھی میری۔ تم سے زیادہ عقلمند ہوں۔ کم از کم اپنی ماں کو دکھ تو نہیں پہنچاتی۔ انہیں پریشان تو نہیں کرتی۔ جانتے ہو تم امی کو کتنا ستاتے ہو۔ اتنے دن ہو گئے تم نے امی سے سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔ روتی رہتی ہیں تمہارے ہاتھوں''

''ہونھ'' اسد نے تمسخر سے کہا پھر اپنے بیڈ کی طرف جاتے ہوئے بولا ''سب دکھاوا ہے۔ ان کے پاس میرے لئے رونے کا وقت ہی کہاں ہے۔ ان کا وقت بہت اچھا گزر رہا ہے۔ عنصر کے ساتھ۔''

''اسد تم کتنے بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔ انکل عنصر نہیں کہہ سکتے''۔

''نہیں۔ وہ ڈھٹائی سے بولا۔ مجھے وہ زہر لگنے لگے ہیں۔ میں نہیں چاہتا وہ ہمارے گھر آیا کریں''۔

''آخر کیوں'' مومنہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے گھوم کر اسے دیکھنے لگی۔ ''کیوں نہ آئیں ہمارے گھر''

''اس لئے کہ وہ میرے یا تمہارے لئے یہاں نہیں آتے'

''تو کس کے لئے آتے ہیں؟''

''امی کے لئے'؟

''کیا مطلب؟'' مومنہ نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا

''مومنہ میرا دل میری چھٹی حس اور میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ عنقریب کچھ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ میں برداشت نہ کر پاؤں گا''

مومنہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنسی رکی تو اسد کی طرف دیکھا جو بے حد سنجیدہ

تھا۔ ''اسد کیا تم نجومی ہو''۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ بیڈ کی پٹی پر بیٹھا تھا۔ اپنے قدموں پر جھکا اور جاگرز اتار کر پرے بے ترتیبی سے پھینک دیئے۔ پھر جیکٹ بھی اتار کر کرسی پر پھینک دی۔

''مومنہ''

''ہوں''

''چلو اٹھو''

''کیوں''

''بتی بند کرو۔ میں نے سونا ہے''

''لیکن میں نے ابھی ہوم ورک ختم نہیں کیا''

''امی کے کمرے میں چلی جاؤ''

''انہوں نے بھی بتی بند کی ہوئی ہے۔ ان کے سر میں درد ہے''

''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ جاؤ باہر بیٹھ کر کام کرلو۔ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ جاؤ''

مومنہ نے ادھر ہی بیٹھنے کی ضد کی۔ تو وہ مشتعل ہو گیا۔ آنکھیں سرخ انگارہ تو تھیں ہی۔ اب ان سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

مومنہ ڈر گئی۔ اس پر غصے کے ایسے دورے پڑا کرتے تھے۔ مبادا اسے کوئی چیز اٹھا کر دے مارے۔ اس نے جلدی سے اپنی کتابیں سمیٹیں اور منہ ہی منہ میں اسے برے ناموں سے نوازتی باہر آ گئی۔

مومنہ نے اس کے کمرے کی بتی بند کردی تھی۔ باہر آ کر بتی جلائی۔ اور ڈائننگ ٹیبل پر کتابیں رکھ دیں۔ اب اس کا جی کام کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن کام کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے بادل نخواستہ کاپی کھولی اور مضمون لکھنا شروع کردیا۔ اسد کی باتوں سے نہ وہ کچھ سمجھی تھی نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ بقول اس کے وہ تو تھا ہی ایسا۔ ''بیوقوف گدھا''

اس نے زیر لب کہا اور کام میں لگ گئی۔

وہ وہیں بیٹھی کام کرتی رہی۔ امی کے کمرے میں نہیں گئی۔ مبادا امی جاگ نہ جائیں۔ امی سے اسے بہت پیار تھا۔ اپنی طرف سے ان کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ایک ننھی سی اچھی دوست کی طرح ان کا فرصت کے اوقات میں ساتھ دیتی تھی۔ ناجائز تنگ نہیں کرتی تھی۔ کسی چیز کے لئے ضد کر کے ماں پر بار نہیں بنتی تھی۔ ماں کی پریشانیاں جو اسد کی وجہ سے ہوتی تھیں انہیں اپنے طور ان کے ساتھ شیئر کرنے کی پوری کوشش کرتی تھی۔

وہ آرام سے کام کرنے لگی۔ کوئی ٹھک ٹھک نہیں کی۔ اسد کی تو اسے پرواہ نہ تھی۔ کہ سویا ہے یا جاگ رہا ہے۔

ہاں امی کے آرام کا ضرور خیال تھا۔ سر درد کی گولیاں کھا کر سوئی تھیں۔ وہ چاہتی تھی وہ سکون سے سوتی رہیں۔

لیکن

عصمہ کی قسمت میں سکون سے سونا کہاں تھا۔ وہ بستر میں آنکھیں بند کئے کمرے کی بتی گل کئے لیٹی تھی لیکن وہ سوئی کہاں تھی۔ بند آنکھیں جاگ رہی تھیں۔ ذہن فعال تھا۔ دماغ کام کر رہا تھا۔ اور دل ڈوب ابھر رہا تھا۔

دل و دماغ برسرِ پیکار تھا۔

آج عنصر نے اس کی زندگی پر طاری خود ساختہ جمود کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ جیتی جاگتی چہکتی مہکتی زندگی نے اسے آواز دی تھی۔ اس کے سارے مسائل حل کی منزل سے ہمکنار ہونے کی راہ دکھائی دی تھی۔ حال کا فکر اور مستقبل کا فکر بے معنی ہو گئے تھے۔ وہ جی سکتی تھی۔ جیسے جینے کا حق ہوتا ہے۔ بچوں کی فکر سے آزادی مل سکتی تھی۔ اسد کے لئے ایک روشن اور تابناک مستقبل منتظر تھا۔ اسے اس کے خوابوں کی تعبیریں مل سکتی تھیں۔ اس کے ساتھ بچپن میں ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ ہو سکتا تھا۔ اسے پیار مل سکتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی گارنٹی تھی۔ اس کے بعد وہ چاہے تو نوکری کر سکتا تھا۔

اور

چاہے

تو کاروباری شراکت کرسکتا تھا۔

یہ سارے عصمہ کی سوچوں اور عنصر کی باتوں کے ردعمل کے مثبت پہلو تھے۔عنصر کی کسی بات کو وہ رد نہیں کرسکتی تھی۔عنصر آج کا نہیں برسوں کا آزمایا ہوا تھا۔وہ کل بھی اس کا اپنا تھا۔آج بھی اور آنے والے کل میں بھی۔اس سچائی سے انحراف کی گنجائش ہی نہ تھی۔

وہ

اب

اس کی ہر بات پر پورے یقین کے ساتھ اعتماد کرسکتی تھی۔

لیکن ....لیکن ....لیکن........!!!

وہ یہ سب کچھ اپنے طور پر سوچ تو سکتی تھی۔اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے جس ہمت وجرات کی ضرورت تھی اس میں اس کا فقدان تھا۔

بے شک معاشرے نے عزیزوں رشتہ داروں نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔لیکن وہ اس کے کسی قدم اٹھانے میں رکاوٹ ضرور تھے۔نکاح ثانی گناہ نہیں۔شرعاً اور قانوناً اس کی اسے اجازت تھی۔

لیکن ......

اسے لگتا تھا۔کہ وقت سرک چکا ہے۔بیوگی کے سال دو سال کے اندر ہی اگر ایسا ہو جاتا تو شاید اس میں وقت کی مطابقت ہوتی۔

اب

بیوگی کی قید کاٹتے ہوئے اسے نو سال کے قریب عرصہ ہو گیا تھا۔زندگی ایک خاص نہج پر سیٹ ہو گئی تھی۔وہ سینتیس سال کی ہونے والی تھی۔

لیکن

دل و دماغ کی جنگ میں یہ باتیں بھی رو ہو رہی تھیں۔سب سے بڑی رکاوٹ سب سے مضبوط دیوار اور سب سے بڑا پہاڑ جو اس کی راہ روکنے والا

تھا۔

وہ

اسد تھا

وہ اکھڑ اور سر پھرا سا لڑکا اس بات کو قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوا۔ اس دن جو اسد نے عنصر کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ ہوا کا رخ دیکھنے کے لئے وہی کافی تھی۔ وہ اگر جوان نہیں تھا۔ لیکن بچہ بھی نہیں تھا۔ سمجھ اور ناسمجھی کے درمیان کا یہ عرصہ زیادہ حساس اور غلطیوں کے امکان اک سبب بن سکتا ہے۔

عنصر کے لئے اب اسد کے دل مین جتنی ناپسندیدگی اتر آئی تھی۔ وہ کئی حرکتوں اور باتوں سے اسے جتلا چکا تھا۔ عصمہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیسے کوئی قدم اٹھا سکتی تھی۔

اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

وہ دو انتہاؤں کے درمیان بھٹک رہی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ عنصر کے لئے اس کے دل کے گوشوں میں جو جذبات برسوں سے دبے ہوئے تھے۔ اب ابھر آئے تھے۔ وہ سولہ سال قربانی دے چکی تھی۔ اب وہ اپنی کھوئی ہوئی خوشیوں اور مسرتوں کو چھو سکتی تھی۔

اور

اگر

اسد کا مسئلہ نہ ہوتا

تو

وہ اب تک عنصر کی رفاقتوں سے جیون کی خوشیاں کشید رہی ہوتی۔ اسے نہ معاشرے کی پرواہ ہوتی نہ عزیزوں کی۔ نہ ہی اتنی لمبی بیوگی کے بعد ازدواجی زندگی میں داخل ہونے سے کوئی تاسف ہوتا۔ اسے اپنی عمر کی بھی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔

لیکن

سوچ اور عمل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ذہن تو آزاد ہے۔ ہم سوچ سکتے ہیں۔ ہونی انہونی سب باتیں کھلے دل سے سوچ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان سوچوں میں ہمارے اپنے آپ کے سوا کوئی شریک نہیں ہوتا۔

لیکن

عمل کی راہیں آسان نہیں ہوتیں۔ یہ ذہن کی سوچوں کی طرح مخفی اور اپنے آپ تک محدود نہیں ہوتیں۔

اس میں زمانہ شامل ہو جاتا ہے۔

معاشرہ شریک ہوتا ہے۔

عزیز دوست رشتہ دار سبھی کو یہ راہیں نظر آتی ہیں۔

وہ ڈرسی جاتی۔

کروٹیں پر کروٹیں بدل کر بھی اسے اپنی سوچوں کا حل سمجھ نہیں آرہا تھا۔

وہ بستر میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے سر ہاتھوں پر گرائے رہی۔

اب وہ عنصر کے پروپوزل کو کسی جذباتی حوالے سے نہیں۔ صرف اور صرف اسد کے حوالے سے سوچ رہی تھی۔

اسد جو دن بدن بگڑتا جا رہا تھا۔ جو اس کے لئے کسی روز انتہائی تشویش ناک مسئلے کا روپ دھار سکتا تھا۔ جو کئی دنوں سے اس سے ناراض تھا۔ گھر سے دیر تک غائب رہنے لگا تھا۔ وہ کسی بری صحبت میں پڑ سکتا تھا؟

عصمہ کے علم میں یہ ساری باتیں تھیں۔ یہ مستقل پریشانیاں تھیں۔

ان پریشانیوں سے نجات اور اسد کے بہت ہی اچھے مستقبل کے لئے اگر وہ عنصر کا پروپوزل قبول بھی کر لیتی ہے تو کیا بری بات ہے۔

محبت کا اس فیصلے میں دخل نہیں ہونا چاہیے۔ وہ تو اپنی جگہ ہے۔ عنصر اس سے بچھڑ گیا تھا تب بھی تھی۔ اگر اب بھی نہ ملے تب بھی رہے گی۔ اصل چیز تو ضرورت ہے۔ اسد کا مستقبل مستحکم اور شاندار بنانا ہی تو اس کی ضرورت تھی۔

یہی حال عنصر کا تھا۔ بچیوں کے اچھے مستقبل کے لئے اسے عصمی سے

زیادہ کس پر اعتماد ہو سکتا تھا۔

اس وقت

یہ دونوں

ایک دوسرے کی ضرورت کے لئے یکجا ہونا چاہتے تھے۔

''ہاں ہمیں ہونا ہی چاہئے'' عصمہ نے یک بیک اپنے اندر بڑی قوت محسوس کی۔

وہ پھر لیٹ گئی۔

اب اس کی سوچوں کا رخ منفی زاویوں سے ہٹ کر مثبت پہلوؤں کی طرف پھر گیا تھا۔ وہ اپنے اندر توانائی پا رہی تھی۔

اس نے سوچا وہ اسد سے اس بارے میں خود بات کرے گی۔

لیکن

اس نے خود ہی اس بات کی نفی کر دی۔ اسد اڑیل گھوڑے کی طرح بدک جائے گا۔ بہتر ہے کہ میں کوئی اور وسیلہ اختیار کروں۔

بہت سر کھپانے کے بعد اس نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ سارا معاملہ اماں جی کے سامنے کل رکھ دے گی۔ وہ جہاندیدہ عورت ہیں۔ انہوں نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ انہوں نے بیوگی نبھاہی ہے۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کی تعلیم و تربیت احسن انداز میں کی ہے۔

وہ

اسد کو بھی اچھی طرح جانتی سمجھتی ہیں۔ وہ عقلمند عورت ہیں۔ اسد جیسے بگڑے ہوئے بچے کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لئے اپنی ذہانت اور ملائمت استعمال کر سکتی ہیں۔

اس نے کل اماں جی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو جیسے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ اس نے اپنے آپ کو بھی اماں جی کے فیصلے کا پابند کرنے کا عہد کر لیا۔ وہ جو کہیں گی۔ وہ وہی کرے گی۔ وہ اب اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے

تھی۔

مومنہ کام ختم کر کے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔ وہ ماں کے بیڈ پر ان کے پاس ہی سوتی تھی۔ ہولے ہولے بیڈ کے قریب آئی تو امی نے کہا

''آ جاؤ مومنہ میں جاگ رہی ہوں''

مومنہ جلدی سے بیڈ پر لیٹ گئی اور ماں سے لپٹ کر بولی ''امی سوئی نہیں''

عصمہ نے جواب دینے کی بجائے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بولی

''اسد سو گیا ہے''

''پتہ نہیں'' وہ ماں کے گال کے ساتھ گال لگاتے ہوئے بولی۔ ''امی پتہ نہیں اسے آج کل کیا ہو گیا ہے''۔

عصمہ نے ٹھنڈی گہری سانس لی اور کہا۔ جو ہمیشہ ہوتا ہے''۔

''لیکن اس دفعہ تو وہ بہت ہی بپھرا ہوا ہے۔ آپ بھی تو اسے نہیں سمجھاتیں''

''میری جان کیا سمجھاؤں اسے۔ چلو چھوڑو۔ سو جاؤ تم۔ کافی دیر ہو رہی ہے۔ صبح سکول بھی جانا ہے''

''امی سر درد ٹھیک ہوا''

''ہاں ٹھیک ہی ہے۔ تم سو جاؤ۔ خدا حافظ''

''خدا حافظ مومنہ نے کروٹ بدلی اور پشت ماں کی طرف کر کے بازو سر تلے رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

عصمہ نے بھی رخ دوسری طرف کر لیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

خیالات کی بھرمار تھی۔

یلغار تھی

وہ سو کیسے سکتی تھی۔

عنصر سے آج کی ملاقات ہی ایسی تھی ۔ وہ فیصلہ کرتی بھی تھی ۔ اور تو ڑ بھی دیتی تھی ۔ ہر بات پر دلجمعی سے غور بھی کیا تھا۔ عنصر کی باتوں پر عمل کرنے سے زندگی بن سکتی تھی۔

لیکن

وہ کوئی آخری فیصلہ کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی ۔ بے شک اس نے سوچا تھا۔ کہ وہ اماں جی سے رائے لے گی اور پھر جو کچھ وہ کہیں گی اس پر بلا چوں و چرا اس عمل کرلے گی۔

لیکن

اس بارے میں لیٹے لیٹے جتنا سوچا تھا اتنا ہی اپنے اپ کو کمزور پا رہی تھی ۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اماں جی سے بات کرنے سے پہلے اسے اشارتہً کنائتہً اسد سے بات کرنی چاہیے ۔ اسے اعتماد میں لینا چاہیے ۔ اسے عنصر کی ساری باتیں بتانا چاہئیں ۔ وہ اس کے متعلق کتنی ہمدردی سے سوچ رہا تھا۔ اس کی زندگی بنانے کی لئے اس نے کتنے پلان بنا رکھے تھے ۔ وہ اسے اڈاپٹ کرنا چاہتا تھا۔

کیا

یہ ساری باتیں

اسد کی بھلائی کے لئے نہ تھیں

یقیناً اسد انہیں قبول کرلے گا۔

لیکن

اس کا دل و دماغ نہیں مانتا تھا۔ کہ اسد جو عنصر کے خلاف دل میں بغض اور کینہ بھر چکا ہے۔ اتنی آسانی سے ان باتوں کو تسلیم کر کے عنصر کی طرف سے اپنا دل صاف کرلے گا۔ پھر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بیوقوفی کی حد تک غیرت کی حدوں سے ٹکرانے والا یہ لڑکا۔ اپنی ماں کی شادی کو کبھی گوارہ نہیں کرے گا۔ ویسے بھی وہ ان دنوں ماں سے بھی بگڑا ہوا تھا۔ اس لئے یہ بات اس سے

کر کے کسی طوفان ہی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

تو

میں کیا کروں؟

اس نے کروٹ بدل کر سوچا۔

تب اسے عفت کا خیال آیا۔ وہ اس کی ہمدرد کولیگ تھی۔ یقیناً اسے کوئی اچھی رائے ہی دے گی۔

لیکن عفت سے بات کر کے وہ اپنی شادی کی بات کو پہلے ہی اڑانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے یہ خیال بھی ذہن سے جھٹک دیا۔

آخری فیصلہ وہی کیا۔ جو وہ عنصر سے ملنے کے بعد کر چکی تھی۔ اس نے اماں جی سے بات کر کے ان کے فیصلے پر کاربند ہونے کے لئے ایک بار پھر اپنے آپ کو تیار کر لیا۔

اب وہ پھر پرسکون تھی۔

اور

جو ہو

دیکھا جائے گا کے مقولے پر عمل کر کی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ نیند بھلا کوشش سے بھی کبھی آئی ہے۔ یہ تو من موجی چیز ہے۔ جب دل چاہے تب ہی آنکھوں میں اترے گی۔

جانے ...... عصمہ کب تک جاگتی رہی۔

اور

کب نیند اس کی آنکھوں میں اتری۔

صبح اسے مومنہ نے جگایا۔ ''امی اٹھئے نا۔ بنک نہیں جائیں گی۔ میں تو اسکول کے لئے تیار بھی ہو گئی اور اسد چلا بھی گیا''

''کہاں چلا گیا۔ وہ پوری طرح بیدار نہ ہوئی تھی گڑبڑا سی گئی۔

''امی۔ اسکول گیا ہے'' مومنہ ہنس پڑی۔

عصمہ بیدار ہوگئی۔ بے خوابی سے انگ انگ دکھ رہا تھا۔ جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کہ آج بنک جائے لیکن وہ چھٹی نہیں کرسکتی تھی۔ اس لئے جلدی سے اٹھ گئی۔

سارا دن اس کے ذہن اور دماگ پر کل والی باتیں چھائی رہیں۔ گھر آ کر اس نے چاہا کہ اماں جی کی طرف جائے اور ذہن کا بار اتار پھینکے۔

لیکن وہ ادھر نہ جا سکی۔ اسد اسکول سے واپس نہیں آیا تھا۔ شام ہونے کو آ گئی۔ وہ بہت پریشان ہوئی۔ بے کل سی ادھر ادھر پھرتی رہی۔ پھر ٹیوشن والی دونوں لڑکیاں آ گئیں۔ ان کے جانے کے بعد کہیں اسد گھر آیا۔ ماں نے دیر کی وجہ پوچھی۔ تو بنا جواب دیئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عصمہ اندر آ گئی ''اتنی دیر کہاں لگا دی''۔ اس نے ملائمت سے پوچھا۔ تو وہ تیکھے انداز میں ماں کی طرف دیکھ کر بولا ''آپ دیر لگا سکتی ہیں۔ تو میں کیوں نہیں؟''

''اسد'' ماں کو اس کی بدتمیزی پر غصہ آ گیا۔ تلخی سے بولی ''کہاں تھے تم''۔

''کل آپ کہاں تھیں''۔ اس نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ تو عصمہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ اس کا بچہ اس سے کسی بات کی جواب طلبی بھی کرسکتا تھا۔ ان حدوں تک آ گیا تھا۔

وہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

وہ دوسرے دن بھی اماں جی کے پاس نہ گئی اور تیسرے دن بھی۔

چوتھے دن اسے عنصر کا فون آیا۔ وہ اپنی سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔ وہ اپنی ذکیہ آپا کو اس کے گھر لانا چاہتا تھا۔

پانچویں دن بھی وہ اماں جی سے نہ ملی۔ اور عنصر کے فون کا کوئی جواب نہ دیا۔ تو وہ غصے میں آ گیا سخت لہجے میں اسے ڈانٹا۔ اور پھر بہ منت بولا ''خدا کے لئے عصمی میرے صبر کو مت آزماؤ۔ مجھے اثبات میں جواب دو۔''

عصمی نے بات کل پر ٹالی اور فون رکھ دیا۔

اس شام وہ اماں جی کے ہاں جانے کا ارادہ نیم دلی سے کر رہی تھی۔ کہ وہ خود ہی آ گئیں۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے گلہ کیا۔ کہ اتنے دنوں وہ کہاں رہی۔ خبر تک نہ لی۔ کہ اماں جی زندہ بھی ہیں یا مر گئیں۔

اماں جی اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئیں تو اس نے اپنی بانہیں اماں جی کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا "خدا آپ کو سلامت رکھے اماں جی۔ ابھی تو آپ نے میرے کتنے ہی کام کرنے ہیں"۔

اماں جی نے اسے پیار کر لیا۔ چند لمحے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ آہستگی سے بولی "اماں جی آپ سے مشورہ کرنا تھا۔ اسی سوچ میں اتنے دن گزر گئے"۔

"کیسا مشورہ" اماں جی نے پوچھا تو وہ جھجکی دل دھک دھک کرنے لگا۔ چاہا کہ بات گول کر جائے لیکن اماں جی سر ہو گئیں۔ سمجھ گئیں کوئی خاص ہی بات ہے۔ انہوں نے کریدا۔ تو عصمہ اسد کی باتیں کرنے لگی۔

"بھئی میں بھلا جانتی نہیں اسے۔ اصل بات کیا ہے۔ کس بات پر اس دفعہ اتنے دنوں بگڑا ہوا ہے"

"اماں جی۔" وہ پھر ہچکچائی۔ تو اماں جی نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ "کیا بات ہے بے دھڑک ہو کر کرو۔ اماں جی کہتی ہو۔ تو ماں سمجھو بھی۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"

"اسد عنصر سے ناراض ہے اور"

اماں جی نے اس کی طرف دیکھا چہرے پر ان گنت ان کہی باتوں کے پرتو تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ باتیں آئیں عنصر سے وہ مل چکی تھیں اور شاید اس کی آنکھوں میں عصمہ کے لئے جذبوں کی چمک بھی دیکھی تھی۔ اس لئے بولیں "عنصر کون ہے تمہارے ساتھ ساتھ اس کا کوئی رشتہ تھا۔"

اماں جی نے دانستہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا۔ تو عصمہ نے گہری سانس

لے کر انہیں دیکھا۔

''بتاؤ بیٹی'' وہ بولیں۔

تو عصمہ نے ہولے ہولے جھجک جھجک کر سنبھل سنبھل کر انہیں شروع سے لے کر کل کی بات چیت تک ساری باتیں بتا دیں۔ اس نے اسد کے متعلق عنصر کے جذبات وخیالات وضاحت سے بیان کئے۔

اماں جی نے سب کچھ سنا

اور

کئی منٹ تک خاموش رہیں۔ عصمہ من ہی من میں پریشان ہونے لگی۔ شاید اسے یہ ساری باتیں اماں جی سے نہیں کہنا چاہیے تھیں۔

اماں جی چپ ہی تھیں۔ کہ عصمہ نے گھبرا کر کہا ''اماں جی مجھے صحیح مشورہ دیجئے گا۔ میں اس عمر میں اتنے سالوں کی بیوگی کے بعد شادی کے لئے تیار نہ تھی۔ لیکن اسد کا مستقبل سنور جائے۔ تو میں یہ قربانی دینے کو بھی تیار ہو گئی تھی۔ اگر آپ کے خیال میں یہ فیصلہ غلط ہے تو''۔

''ہرگز غلط نہیں بیٹی'' انہوں نے کمال شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ''عورت کو ہر عمر میں مرد کی رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اس کے سر پر سائبان ہوتا ہے۔ میں اس تجربے سے گزری ہوں۔ بیوگی کاٹنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ بڑی کڑی منزل ہے اور تم جیسی عورت کے لئے جسے بھائیوں تک کا سہارا میسر نہیں۔ یہ اور بھی مشکل ہے۔ لیکن ایک بات ہے۔''

وہ رکیں تو عصمہ بولی۔ ''کیا؟''

''عنصر پر تمہیں بھروسہ ہے؟''

وہ دکھی ہوتے ہوئے بھی مسکرائی اور اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا ''اپنے آپ سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ ہے اماں جی۔ میں نے اس کے متعلق آپ کو سب کچھ تو بتا دیا ہے۔ سولہ سال پہلے اس نے ہی خاندانی وقار اور عزت کی خاطر اپنے آپ کو مجھ سے الگ کر لیا تھا۔ ہم نے کوئی غلط قدم اٹھانے کی

بجائے جو فیصلہ کیا تھا۔ کیا وہ۔"

اماں جی نے اس کی بات کاٹی اور بولیں "واقعی تم دونوں کا وہ فیصلہ قابل تعریف ہے۔ ایسا کرنا شاید ہر کسی کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔"

وہ عنصر کے گھر بار خاندان اور موجودہ مالی حالات سے متعلق عصمہ سے پوچھتی رہیں۔ عصمہ جو کچھ جانتی تھی انہیں بتا دیا۔

اماں جی نے خندہ پیشانی اور کھلے دل سے عنصر کی حمایت کی۔ تو عصمہ کا حوصلہ بندھا۔ لیکن اسد کی وجہ سے پریشان ہی تھی۔ بولی "اسد تو عنصر کا نام سننا گوارہ نہیں کرتا۔"

"پاگل ہے اس کی وجہ سے اس کی زندگی بن جائے گی۔ پہلے پہلے تو بڑا شیدائی رہا اس کا۔ لیکن لگتا ہے اسے عنصر کے خیالات کی کچھ بھنک پڑ گئی ہے"

"شاید" عصمہ نے سر جھکا کر کہا "اسی لئے تو میں خائف ہوں۔ حالانکہ اماں جی خدا گواہ ہے کہ عنصر بے شک مجھے عزیز ہے۔ لیکن میں اسد کی بہتری کے لئے ہی یہ قدم اٹھاؤں گی۔"

اماں جی اسے بہت کچھ سمجھاتی رہیں۔ پھر بولیں۔ "عنصر کی بہن کب آنا چاہتی ہیں"

"یہ تو میں ہی کہوں گی تو آئیں گی۔"

"تو پھر بلا لو اس جمعہ کو انہیں...... بات ختم کرو۔"

"لیکن اسد کا کیا کروں"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں سمجھا لوں گی اسے۔ میری بات مان بھی لیتا ہے۔ بچہ ہے ابھی کونسا پختہ ذہن کا آدمی ہے۔ تم اس کی طرف سے بالکل بے غم ہو جاؤ۔ میں اسے موم کر لوں گی۔ پہلے عنصر کی بہن کو آنے دو۔ معاملات طے ہو جائیں۔ پھر اسد کو منانا میرا کام۔"

وہ بڑی دیر تک عصمہ کو تسلی و تشفی دیتی رہیں۔ دل سے اس کے اچھے مستقبل کے لئے دعائیں دیں۔ لوگوں کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرنے کی تلقین کی۔

اور بولیں۔ "جمعہ ٹھیک رہے گا۔ بلوالو اسے شام کی چائے پر"

عصمہ ہولے سے بولی۔ "یہ کام آپ ہی کریں گی اماں جی۔ فون نمبر آپ کو دے دوں گی آپ ہی ان کو دعوت دیں۔ اور آپ ہی ان سے بات کریں۔"

"بہت اچھا" اماں جی نے اس کا ہاتھ چوما اور بولیں" مجھے سب کچھ سونپ رہی ہو۔تو پورا اعتماد کرنا۔ ماں بن کر سب کچھ کروں گی۔" عصمہ نے سر جھکا لیا۔ اماں جی ہی باتیں کرتی رہیں۔



صبیحہ کل سے فیصل آباد سے آئی ہوئی تھی۔ بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ آتے ہی اس نے عنصر سے گلہ کیا تھا۔ کہ وہ خود اسے ملنے کیوں نہیں آیا۔

''میں نے تو آنا ہی تھا تم نے خود جلدی کر ڈالی'' عنصر نے ہنس کر جواب دیا تھا۔ وہ بھی اس کی بات پر ہنس دی تھی۔ بہن بھائی ایک عرصے کے بعد ملے تھے اس لئے بہت خوش ہوئے تھے۔

اس وقت صبیحہ ذکیہ آپا کے پاس لاؤنج میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ گیارہ بجنے والے تھے سیداں کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ذکیہ آپا نے اسے بتا دیا تھا کہ کیا کچھ پکانا ہے۔

دونوں بہنیں چائے کے دوران باتیں بھی کر رہی تھیں۔ اس دوران ذکیہ آپا کو دو دفعہ مسز رحمان کا فون آ چکا تھا۔ وہی رشتے کی بات تھی۔ مسز رحمان ذکیہ آپا کی ملنے والی تھیں۔ رشتے کروانا ان کا شغل تھا۔ بغیر کچھ لئے دیئے رشتے کرواتی تھیں۔ اس کا حلقہ احباب خاصہ وسیع تھا۔ اس لئے اچھے میچ مل جاتے تھے۔ عنصر کے لئے بھی اس نے جو رشتہ بتلایا تھا بہت اچھا تھا۔ لڑکی کی عمر بتیس سال تو تھی۔ لیکن خوش شکل تھی۔ کسی کالج میں لیکچرار تھی۔ عادات کی بھی اچھی تھی۔ خاندان شریف تھا۔ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد وہی گھر چلانے والی تھی۔ چھوٹے تین بہن بھائیوں کو پڑھاتے اور ان کی شادیاں کرتے اپنی شادی کی عمر نکل گئی تھی۔ اب ماں بڑے بیٹے کے ساتھ رہنے پر آمادہ تھی۔ اس لئے بیٹی کی شادی کرنے کی خواہشمند تھی۔ عنصر کا رشتہ ماں بیٹی کو پسند آیا تھا۔ بچیوں کو وہ کوئی بار نہ سمجھتی تھی۔

ذکیہ آپا ان کے ہاں دو تین دفعہ جا چکی تھی۔ یہ رشتہ اسے بہت پسند تھا۔ اسی لئے باقی دو کو تو جواب دے دیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کو ابھی ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔ تساہل برتا جا رہا تھا۔ عنصر کی طرف سے۔ ورنہ ان پر ہوتا تو ابتک لڑکی بیاہ

کر لے بھی آئی ہوتیں۔ لڑکی کی عادات اور گھر کا طریقہ سلیقہ انہیں بہت پسند تھا۔ ماں بیٹی بہت ہی خوش خلق بھی تھیں۔ اور رشتے کی ضرورت مند بھی۔

لیکن۔

ذکیہ آپا بیچاری کا بس چلتا تب نا۔

اس وقت بھی دونوں بہنیں یہی باتیں کر رہی تھیں۔ شادی کی عمر گزر تے جانے کے بعد جو مسائل پیدا ہوتے تھے ذکیہ آپا ان کا بڑی ہمدردی سے تجزیہ کر رہی تھیں۔

''چھوٹی عمروں کی لڑکیوں کے رشتے مشکل سے ہو پاتے ہیں آپا'' صبیحہ بولی کسی کا لڑکا ذرا سی اچھی پوسٹ پر ہو تو آنکھیں ماتھے پر ٹکا لیتے ہیں لوگ۔''

''بالکل۔ رشتوں کا مسئلہ۔ جہیز کا مسئلہ۔ خاندانی شرافت کا مسئلہ کوئی ایک مسئلہ تھوڑا ہی ہے اور پھر ایسی لڑکیوں کا۔ جن کی عمریں تیس سے تجاوز کر چکی ہیں مسئلہ زیادہ ہی گھمبیر ہے۔ اب ان لوگوں کو ہی دیکھنا۔ ایک طرف سے خود منہ سے کہہ رہے ہیں۔ مسز رحمان تو ایسے وسیلہ ہی ہے''۔

''کیا کریں بیچارے لوگ۔''

''دو بچیاں بھی ہیں۔ پھر بھی رشتے کے لئے تیار ہیں۔ ہم آج ہاں کریں۔ تو شادی طے''

''آپ ہاں کریں تو تب نا۔''

''اب میں کیا کروں۔ وہ پتہ نہیں کن جھمیلوں میں پڑا ہے۔ ہاں نہ کرتا ہی نہیں''

''واقعی شادی تو بھائی جان نے ہی کرنی ہے۔ آپ تو اچھے لوگوں سے متعارف ہی کروا سکتی ہیں''

''سو بار تو پوچھ چکی ہوں۔ کہ خود کوئی ڈھونڈ لی ہے تو بتا دے۔ لوگوں کو خواہ مخواہ انتظار میں مبتلا رکھے ہوئے ہوں۔''

''ہیں کوئی اپنی پسند کی۔ صبیحہ نے بہن سے پوچھا پھر خود ہی بولی۔ اتنی

مدت تو ہوگئی انہیں باہر گئے یہاں کون ہوگی"

ذکیہ آپا نے سر ہلایا اور رازداری سے بولی "مجھے شک پڑتا ہے۔ کہ کوئی ہے" "ہائے اللہ واقعی؟"

"ہاں"

تو پھر بتاتے کیوں نہیں ہمیں کیا فرق پڑے گا۔ جو بھی آئے گی بھابی ہوگی۔ اور پھر اس نے کونسا یہاں رہنا ہے"

"ہوں"

"آپ نے بھائی جان سے پوچھا"

"کوئی ایک بار۔"

"تو"

"بس گول مول سی بات کرتا ہے۔ جواب یہی ہوتا ہے۔ بتادوں گا۔ انتظار کریں۔ میرے تو خیال میں۔"

وہ دانستہ چپ ہوگئیں۔ تو صبیحہ نے پیالی واپس ٹرالی میں رکھتے ہوئے جلدی سے کہا "کیا آپا۔"

اور

آپا نے عنصر کے پرانے رومانس کے متعلق اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ "وہی اسے سولہ سال بعد ملی تھی۔ بنک میں نوکری کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے کئی دن پریشان رہا۔"

"وہ تو شادی شدہ ہوگی۔" صبیحہ بھائی کی داستان سن کر خاصی متاثر ہوئی۔ بھائی نے ان کے لئے اتنی قربانی دی تھی؟

متاثر پہلے ذکیہ بھی ہوئی تھی۔ لیکن اب عنصر معاملہ ادھر کر رہا تھا۔ نہ ادھر۔ نہ ہی کچھ بتا رہا تھا۔ تو وہ بیزار سی نظر آئی تھی۔

صبیحہ نے جب کہا کہ وہ تو شادی شدہ ہوگی تو ذکیہ آپا منہ بناتے ہوئے بولی "اللہ جانے"

''اگر وہی ہے تو چھوڑ چھاڑ بیٹھی ہوگی خاوند کو۔ اس نے بیوی بھگادی۔
اس نے شوہر چھوڑ دیا ہوگا۔ پرانے عشق نے گھر کہاں بسنے دیئے ہوں گے''۔
جس برے انداز میں ذکیہ آپا نے بات کی وہ صبیحہ کو کچھ اچھا نہ لگا۔ اسی لئے بولی ''آپ نے اس کے متعلق کبھی پوچھا بھائی جان سے''۔
''کیا سر کھا رہی ہو'' ذکیہ اسی بیزاری سے بولی۔ کہہ تو رہی ہوں۔ کچھ بتاتا ہی نہیں۔ جب پوچھوں یہی کہتا ہے انتظار کریں''
''ہائے آپا۔'' صبیحہ نے جیسے دل تھام لیا اور گھبراہٹ میں بولی۔ ''یہ نہ ہو۔ اس کی طلاق کروا رہے ہوں''۔
''کچھ پتا نہیں۔ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ ایک دن عمارہ اور حرا کو ساتھ لے گیا تھا۔ مجھے یہی کہا کہ کسی دوست کے گھر لے جا رہا ہوں۔ بچیاں بھی انکل کے گھر ہی جانے کو تیار ہوئیں۔ لیکن جب واپس آئیں۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ ہم تو آنٹی کے گھر گئے تھے۔ مجھے پکا یقین ہے اسی کے گھر لے کر گیا ہوگا''
دونوں بہنیں سر جوڑ کر قیاس آرائیاں کرنے لگیں۔
سولہ سالہ بیاہتا عورت اور عنصر بھائی!!!!!
بات عجیب سی لگ رہی تھی۔
لیکن بات کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ بات دھاگے کے الجھے ہوئے گولے کی طرح بنتی جا رہی تھی۔
وہ باتیں کر رہی تھیں کہ عنصر لاؤنج میں آ گیا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ آتے ہی دھم سے صوفے پر صبیحہ کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کی کمر پر دھپ سے ہاتھ مارتے ہوئے بولا
''اپنے میاں کو بھی ساتھ لے آتیں''
''انہیں ملنے آپ آیئے گا نا'' وہ ہنس کر بولی
''ضرور آؤں گا''
''مدیحہ کو بھی یہی تسلیاں دیتا رہا'' ذکیہ آپا کچھ ناراضگی سے بولیں تو وہ اٹھ

کران کے پاس آ بیٹھا اور ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنسا ''ناراض؟''

''بالکل'' آپا بولیں

''تو چلیں آج خوش ہو جائیں۔'' وہ مسکرا کر معنی خیز نظروں سے آپا کو دیکھ کر بولا۔ ''خوش ہو جاؤں۔ کس بات پر'' وہ بولیں۔

وہ مسرور اور سرشار سے لہجے میں بولا ''آپ کو بھابی مل رہی ہے''

''کیا؟'' صبیحہ نے تقریباً چیخ ماری۔

''پاگل کہیں کی'' عنصر ہنسا۔ اس کا تو انگ انگ ہنس رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے اسے اماں جی کا فون ملا تھا۔ جس میں انہوں نے اس کی ذکیہ آپا کو عصمہ کے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ عصمہ کی رضامندی کا بھی بتایا تھا اور بھی بہت سی باتیں کی تھیں۔ بہت کچھ پوچھا بھی تھا۔ اس رشتے کی نزاکت کے زمرے میں جو بات بھی آتی تھی انہوں نے پوچھی تھی۔

عنصر نے مودبانہ کھل کر ہر بات کا جواب دیا تھا۔ ان کے ذہن میں کوئی وسوسہ نہ رہنے دیا تھا۔ تب انہوں نے کہا تھا کہ جمعہ کی شام چار ساڑھے چار تک وہ اپنی بہن کو لے کر آ جائے۔

''میری دوسری بہن بھی آئی ہوئی ہے اجازت دیں تو وہ بھی اجائے'' عنصر نے پوچھا تھا۔ تو اماں جی نے خوشدلی سے اسے بھی ساتھ لانے کی دعوت دے دی تھی۔

اب وہ اتنا خوش تھا کہ گویا زمین پر پاؤں نہ پڑتا تھا۔۔

''کہاں بات کی ہے'' ذکیہ آپا کافی دیر گم صم رہنے کے بعد بولیں۔

''بات تو آپ کریں گی آپا'' عنصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت خوش لگتے ہیں آپ۔'' صبیحہ نے کہا۔

عنصر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ صوفے کے بازو پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے بولا ''میرے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات شاید کوئی نہ ہو''

ذکیہ نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولیں ''کون ہے جس نے تمہیں اتنی خوشی دی''

''عصمی'' وہ اسی انداز میں بیٹھے ہوئے بولا۔

''وہ کون؟'' ذکیہ آپا کچھ کچھ سمجھتے ہوئے بھی تجاہل عارفانہ سے کام لے کر بولیں۔

عنصر نے رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی جس کے متعلق میں نے آپ کو بتایا تھا۔ مجھے بنک میں ملی تھی پورے سولہ سال بعد''

ذکیہ آپا نے بھوئیں اچکائیں اور صبیحہ کی طرف ان نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں ''دیکھا میں نے یہی کہا تھا نا؟''

صبیحہ اور ذکیہ دونوں چپ ہو گئیں

تو

عنصر سمجھ گیا۔ کہ یہ بات انہیں اچھی نہیں لگی۔ وہ کچھ دل گرفتہ سا بھی ہوا۔ لیکن ذہن سے بوجھ جھٹک دیا۔ وہ اپنی زندگی کا آپ مالک تھا۔ شادی اس نے کرنا تھی۔ پسند اسی کی ہونا تھی

یہ بات شاید صبیحہ نے بھی محسوس کی پھر بولی۔ ''آپ ان سے سولہ سال بعد ملے؟''

''ہاں صبو''۔ اس نے گہری سانس لی۔ ''اس کی شادی ہو گئی تھی''۔

''شادی ہو گئی تھی؟ صبیحہ بولی۔

''ہاں۔ بتایا نہیں تمہیں سب کچھ'' ذکیہ آپا نے کہا

''تو پھر''۔

''وہ بیوہ ہو گئی تھی صبو'' عنصر نے اداس لہجے میں کہا'' نو سال پہلے۔ وہ ایک صاحب جائیداد خاندان میں بیاہی گئی تھی۔ شوہر افسر تھا۔ روپیہ پیسہ سب کچھ تھا۔ لیکن بیوہ ہوتے ہی دیوروں نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ وہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر بھائیوں کے ہاں آ گئی''۔

''دو بچے بھی ہیں'' ذکیہ آپا نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔

''ہاں آپا۔ بیٹا پندرہ سال کا ہے اور بیٹی بارہ سال کی'' وہ بولا۔

ذکیہ آپا کی تو جیسے آنکھیں پھٹ گئیں۔ حیران صبیحہ بھی ہوئی۔ لیکن دونوں ہی کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

عنصر جانتا تھا۔ کہ دونوں کا ردعمل فطری ہے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی ہوں گی کہ ان کا بھائی اتنا بڑا اقدام اٹھا لے گا۔ کہ ایک سولہ سالہ بیاہتا عورت جو اب بیوہ تھی۔ اور جو جوان بچوں کی ماں تھی۔ کو اپنی رفیقہ حیات بنا لے گا۔

''عصمی نے بہت دکھ جھیلے ہیں''۔ وہ ہولے ہولے بولا۔ ''بھائیوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا وہ تن تنہا زندگی سے لڑ رہی ہے''۔

''تمہاری مرضی'' ذکیہ آپا نے بیدلی سے کہا

''جمعہ کو شام چار بجے تیار رہے گا''۔ وہ ان کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''عصمی کے گھر جانا ہے۔ صبو تم بھی چلنا''

''ٹھیک ہے'' وہ بولی۔

''معاملہ تو تم نے طے کر لیا ہو گا۔'' ذکیہ آپا کے موڈ کی ناگواری ابھی تک قائم تھی۔ ''ہم لوگ جا کر کیا کریں گے''

''ذکیہ آپا'' صبیحہ جلدی سے بولی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کہ بھائی کی خوشیوں کو اپنے رویے سے معدوم کریں۔ ''جانا تو ہمیں ہی ہے نا''

عنصر چند لمحے چپ رہا پھر بولا ''آپا میں نے جو فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس میں جذباتیت کا زیادہ دخل نہیں۔ بے شک عصمی کو پا کر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے کسی نے مجھے ہفت اقلیم بخش دی۔ لیکن اس کے باوجود میرا فیصلہ میری ضرورتوں کا ہے۔ عصمی کی ضرورتوں کا ہے۔ میری وجہ سے عصمی میری بچیوں کو سینے سے لگائے گی۔ اور عصمی کی وجہ سے میں اس کے بچوں کی نگہداشت کروں گا۔ اس سلسلے میں ہم دونوں ضرور تمتد ہیں۔ ایک دوسرے کی ضرورت کا

احساس بھی کر سکتے ہیں۔"

"اس کے بچے تقریباً جوان ہیں۔ اتنے بڑے بچوں کا بار اٹھاؤ گے؟"

ذکیہ آپا ابھی تک جزبز ہو رہی تھیں۔

"امریکہ جیسی جگہ میں بار اٹھانا کیا مشکل ہو گا آپا" صبیحہ مسلسل ماحول کو ناخوشگوار ہونے سے بچانے کے لئے کوشش کر رہی تھی۔

"ذکیہ آپا" عنصر اٹھتے ہوئے بولا "آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔ صرف جمعہ کو میرے ساتھ آپ دونوں عصمی کے گھر چلیں۔ اس سے ملیں۔ اور اس کی اماں جی سے نکاح کی تاریخ طے کر لیں"

"اس کی اماں جی بھی ہے" ذکیہ بولی

"نہیں وہ اس کی لینڈ لیڈی ہے۔ عصمی کو اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہے۔ عصمی نے اپنا عندیہ انہیں بتا دیا ہے۔ بات چیت وہی کریں گی۔"

"ٹھیک ہے" ذکیہ نے لمبا سا ہنکارا ابھرا۔

"ہم تیار رہیں گے" صبو بولی

عنصر نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر ذکیہ آپا کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔

صبیحہ نے ہاتھ ہلایا۔ کہ کوئی بات نہیں

دونوں ہنس پڑے۔

عنصر چلا گیا

تو

ذکیہ آپا گنگ سی بیٹھی رہی۔ صبیحہ ہی نے باتیں شروع کیں۔ انہیں سمجھانے لگی۔ کہ عنصر کی خوشی کو دیکھیں۔ رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں۔ جس بھائی نے ہمارے لئے اتنی بڑی قربانی دی تھی۔ وہ اگر اس فیصلے سے خوش ہے تو ہمیں مخل نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ذکیہ کو سمجھاتی رہی۔

ذکیہ آپا سنتی رہیں۔

وہ چپ ہوئی۔ تو ایک دم پھٹ پڑیں۔ ''اے ہے دو جوان بچوں کی ماں کو شادی رچانے کا شوق چڑھا ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ بے شک دونوں میں محبت تھی۔ لیکن اس بات کو سولہ سال بھی تو گزر چکے ہیں۔ نو سال جوانی کی بیوگی کاٹ لی تھی۔ تو اب باقی عمر نہیں گزار سکتی تھی؟''

''آپ کو کیا پتہ۔ اب بھی دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہوں''

''چاہت اپنی جگہ۔ مسائل تو دیکھو۔ اس کے بیٹے بیٹی کو بھی جہیز میں ساتھ لے جائے گا عنصر''

صبیحہ ہنس کر بولی ''بری میں بھائی جان بھی تو دو بیٹیاں لے کر جائیں گے نا''

''بس کر'' ذکیہ آپا نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''دیکھ لینا پچھتائے گا اپنے اس فیصلہ پر''

''آپ مستقبل کا کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ کیا خبر دونوں کے لئے زندگی کتنی خوشگوار ہو جائے''

''ہونھ۔ ابھی تو صرف دو بچیوں کا مسئلہ ہے نا۔ یہ شادی کر کے مسائل ہی مسائل ہوں گے۔ اس کے جوان بچے ہیں۔ پندرہ سال کا لڑکا چھوٹا تو نہیں ہوتا۔ بارہ سال کی بچی۔ توبہ توبہ۔ شادی رچائے گی اب۔''

''آپا آپ کچھ نہ کہیں۔ عنصر بھائی جان جو کچھ کر رہے ہیں سوچ سمجھ کر ہی کر رہے ہیں۔ کیا پتہ وہ کتنی اچھی ہے''

صبیحہ نے پھر سمجھانے کے انداز میں بات شروع کی تو ذکیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ صبیحہ کی باتیں نہ سننا چاہتی تھی۔ انہیں اس وقت دہرا صدمہ تھا۔ ایک تو مسز رحمان والا رشتہ ہاتھ سے جا رہا تھا۔ دوسرا دو جوان بچوں کی ماں بازی جیت رہی تھی۔

جمعہ کے دن صبیحہ تو خوشی خوشی تیار ہو رہی تھی۔ ذکیہ بادل نخواستہ ساتھ جا رہی تھی۔ ہاں عنصر بہت ہی خوش تھا۔

کوئی ساڑھے چار کے قریب وہ دونوں بہنوں کو ساتھ لے کر عصمی کے ہاں چلا اماں جی کو اس نے نکلتے نکلتے فون کر دیا تھا۔ کہ وہ آ رہے ہیں صبیحہ کے کہنے پر عنصر نے مٹھائی کا ڈبہ بھی منگوالیا تھا۔

''اس کی ابھی کیا ضرورت تھی'' ذکیہ آپا نے صبیحہ سے کہا۔

''آپا ہم رشتہ مانگنے جا رہے ہیں۔ شگن کے لئے مٹھائی نہیں لے جانی تھی۔ صبیحہ بولی۔

''ہونھ'' آپا نے تمسخر سے ہنکارا ابھرا۔ صبیحہ بولی ''بس آپا۔ عنصر بھائی آ رہے ہیں۔''

وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ذکیہ عنصر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔ صبیحہ پچھلی سیٹ پر۔ بچوں کو شکیل اور صاحباں کی پاس چھوڑا۔ عنصر نے ایک دفعہ پھر دونوں سے کہا ''صرف نکاح کی تاریخ لینی ہے ان سے باقی سب کچھ میں خود طے کرلوں گا۔''

''دونوں بہنیں چپ ہوگئیں۔''

عصمی کی سڑک پر گاڑی مڑی تو عنصر نے ہنس کر کہا ''پلیز آپا موڈ تو ٹھیک کر لیجئے''۔

''لو'' وہ مسکرائیں۔ تو عنصر خوش ہوگیا۔

گاڑی دروازے پر رکی۔ تو سامنے ہی سے اسد آ رہا تھا۔ عنصر گاڑی سے اترا ذکیہ آپا کے لئے دروازہ کھولا۔ صبیحہ بھی مٹھائی کا ڈبہ اٹھائے اپنے ریشمی کامدار دوپٹے کو سنبھالتی اتر آئی اسد قریب آ گیا تھا۔

عنصر خوشدلی سے اسے دیکھ کر بولا ''ہیلو اسد۔''

اسد نے تینوں کو دیکھا۔ سلام نہ آداب بھنویں اچکائیں اور تیکھے لہجے میں بولا ''اوہ۔ تو آج کے مہمان آپ لوگ ہیں''۔

اس کے رویے اور لہجے کی کاٹ سب نے محسوس کی۔ عنصر تو اس کی بات سے کچھ شرمندہ بھی ہوا۔ لیکن اس کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں بہنوں کو لے

کر اندر چلا۔

''یہ بدتمیز کون تھا'' ذکیہ آپا نے پوچھا۔ تو عنصر جواب دیئے بغیر بولا۔

''آپ آئیے''

دروازہ کھلا تھا۔

ذکیہ صبیحہ اور ان کے پیچھے عنصر اندر داخل ہوا۔

اماں جی نے بڑے تپاک اور خلوص سے ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ دونوں بہنوں سے گلے ملیں عنصر کے سر پر بھی شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

انہوں نے تینوں کو صوفوں پر بٹھایا۔ اور حال احوال پوچھنے لگیں۔

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ذکیہ آپا بار بار کمرے پر نگاہیں دوڑا رہی تھیں۔ شاید نئی پرانی چیزوں میں عصمی کی مالی حالت کا اندازہ کر رہی تھیں۔ صبیحہ اماں جی سے خوب گھل مل کر باتیں کر رہی تھی۔ باتوں کے دوران مومنہ ٹرے میں چار گلاس جن میں کوک تھی لے کر آئی۔ سب کو تمیز سے سلام کیا اور کوک پیش کی۔

''امی کہاں ہیں'' عنصر نے گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

''کچن میں ہیں۔ بس آ ہی رہی ہیں۔'' وہ خالی ٹرے ہاتھ میں لٹکاتے ہوئے بولی۔ ذکیہ اور صبیحہ دونوں نے بچی کو دیکھا۔ پیاری سی تمیز دار بچی جس نے ہلکے پیازی رنگ کے خوبصورت تراش کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ بالوں میں ہیر بینڈ بھی کپڑوں کے رنگ کا لگا رکھا تھا۔ انہیں پیاری لگی۔ ذکیہ آپا کا منجمد سا موڈ قدرے خوشگوار ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد عصمی کچن سے نکل آئی۔ وہ کچھ کترائی کترائی لجائی لجائی سی تھی۔ ان لوگوں کے سامنے آتے ہوئے کچھ حجاب کچھ شرمندگی کا احساس غالب آ رہا تھا۔

بہر حال

وہ دونوں بہنوں سے ملی۔ آداب وسلام کے بعد احوال پرسی کی۔ عنصر نے تعارف کروایا۔

وہ اماں جی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑے ہلکے رنگ کے سادہ سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ میک اپ بھی نہیں کیا ہوا تھا۔ بال بھی بندھے ہوئے تھے۔ عمر اور بیوگی کی پریشانیوں کی چھاپ تو چہرے پر تھی۔ کچھ خوف خدشے اسد کی طرف سے بھی تھے اس لئے چہرے پر اعتماد کی لہر نہ تھی۔ صبیحہ کو وہ بری نہیں لگی۔ بس واجبی سی ٹھیک ہی تھی۔ لیکن ذکیہ آپا اسے بنظر غائر دیکھ رہی تھیں۔ ذہن میں بار بار سیکنڈ ہینڈ پرانی چیزوں کا تصور ابھر رہا تھا۔

وہ سب باتیں کرنے لگیں۔ اسی دوران اسد باہر سے آیا اور سب کو نظر انداز کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عصمی اور اماں جی نے ایک دوسرے کی طرف پر معنی انداز میں دیکھا۔ اماں جی نے نظروں ہی نظروں میں کہا جانے دو۔

عصمی اٹھ کر پھر کچن میں چائے کے لئے چلی گئی۔ تو ذکیہ نے اماں جی سے پوچھا' یہ لڑکا؟''

'' عصمہ کا بیٹا ہے'' اماں جی بولیں وہ بڑی مدبر عورت تھیں۔ ذکیہ کے تیوروں سے بہت کچھ جان گئی تھیں۔ کو جانتی تھیں۔ کہ معاملہ عنصر کا ہے اور اس نے سب طے کیا ہے۔ پھر بھی مسکرا کر بولیں۔'' بڑا سمجھدار اور حساس بچہ ہے۔ آج اس کا موڈ ٹھیک نہیں''۔

عنصر اٹھ کر اسد کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اسے سمجھا کر منا کر باہر لانا چاہتا تھا۔ اسد بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے سر جھکائے پریشان بیٹھا تھا۔

''اسد'' عنصر نے اسے پکارا

تو

اس نے سر اٹھا کر عنصر کو دیکھا۔ غصے سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ آنکھیں جیسے ابل پڑنے کو ہوئیں کرخت لہجے میں بولا'' آپ امریکہ میں رہتے ہیں۔ اتنے بڑے ہو گئے ہیں۔ آپ کو اتنا بھی نہیں پتہ کہ کسی کے کمرے میں بلا اجازت نہیں آتے''۔

عنصر اس کی بات پر مسکرا دیا۔ بولا "سوری بیٹے"

وہ تڑاخ سے بولا "مت کہیں مجھے بیٹا۔ آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ کہ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔" وہ پھنکارتا ہوا اٹھا۔ چھوٹی میز کو ٹھڈا مارا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔

عنصر کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ جی چاہا کس کے تھپڑ جڑ دے اس کے منہ پر۔ اتنی بدتمیزی کر رہا تھا وہ لیکن اس نے ضبط کیا صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے بولا "تم بیٹھو۔ میں چلا جاتا ہوں"۔

عنصر کمرے سے نکل گیا۔ غصہ اس نے تھوک دیا تھا۔ بلکہ اسد سے اسے اب ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ جوان بیٹے کا اس معاملے میں یہی ردعمل ہو سکتا تھا۔ ماں کی دوسری شادی ایک سمجھدار لڑکا اسی طرح کا ردعمل ظاہر کر سکتا تھا۔

پھر

اسد تو تھا ہی اکھڑ اور سر پھرا۔ یہی توقع کی جا سکتی تھی نا۔

چائے آ گئی۔ اماں نے چیزیں لا کر میز پر رکھ دیں کھانے کی میز قدرے بڑی تھی۔ اس لئے چائے وہیں لگائی گئی۔ مومنہ نے برتن لگائے نیپکن رکھے۔ عصمی نے کھانے پینے کی چیزیں سجائیں۔

سب ادھر ہی آ گئے

اس دوران عصمی دو دفعہ اسد کو بلانے اندر گئی۔

لیکن

وہ شاید سارا معاملہ سمجھ چکا تھا۔ اس لئے ماں سے بھی بدتمیزی سے پیش آیا۔ باہر مہمان بیٹھے تھے اس لئے عصمی اسے کچھ کہہ نہ سکی۔

چائے سب نے باتوں کے دوران پی۔ ذکیہ کو عصمی نہ سہی عصمی کا طریقہ سلیقہ پسند آیا۔ صبیحہ نے اپنی مرضی کا ووٹ پوری رضامندی سے عصمی کے حق میں دے دیا۔ وہ بھائی کی روٹھی ہوئی خوشیاں اسے لوٹا کر خوش تھی۔

چائے کے بعد سنجیدہ گفتگو شروع ہوئی۔ اماں جی نے بڑے ہی اچھے

طریقے سے بات کی۔

"عصمہ کے ماں باپ نہیں ہیں۔ میں ہی اس کی ماں ہوں۔" انہوں نے کہا۔ عصمی خاموش بیٹھی تھی عنصر کے چہرے پر جیسے فردوسی رعنائیوں کی بہار تھی۔ وہ بار بار عصمی کو دیکھ رہا تھا۔ اماں جی باتیں کرنے لگیں۔ نکاح ثانی کے متعلق بھی چند لفظوں میں کہا۔ کہ یہ بری بات نہیں۔ بلکہ شرعاً جائز اور حکم ہے۔ کہ کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو اس کا نکاح ثانی کردو۔ اب یہ حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ عصمی کو رفیق حیات اور اس کے بچوں کو سرپرست کی ضرورت ہے۔ عنصر کی بیٹیوں کو ماں چاہیے۔ یہ دونوں فریضے ادا ہو جائیں گے۔ وہ کچھ دیر باتیں کرتی رہیں۔ باتیں درست تھیں۔ ذکیہ نے بھی رضامندی کا اقرار کرنا ہی تھا۔ دونوں طرف سے بات طے ہوگئی۔

"کچھ ان سے بھی تو کہلوائیں۔" عنصر نے شوخ ہنسی سے عصمی کو دیکھ کر اماں جی سے کہا۔

"اس نے سارے اختیارات مجھے دے دیئے ہیں۔ جو میں کہہ رہی ہوں۔ سمجھو عصمی ہی کہہ رہی ہے۔" اماں جی ہنسیں۔

عنصر نے نکاح کی تاریخ کا تعین کرنے کے لئے اماں جی کی صلاح لی۔ انہوں نے ایک جمعہ چھوڑ کر اس سے اگلے جمعہ کو اس فریضے کی ادائیگی کا کہا۔

"کیوں ذکیہ آپا" عنصر نے ان کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے ہمیں کیا اعتراض" وہ بولیں۔

"پندرہ دن ہوئے نا باقی" صبیحہ نے کہا۔ "اتنے دن تو ہونے چاہئیں تیاری کے لئے"

"تیاری کیا کرنی ہے۔ سادگی سے نکاح ہو جائے" عنصر بولا

"اچھا" صبیحہ نے لاڈ سے کہا "ہم تو خوب خوشی منائیں گے۔ باقی بہنوں کو نہیں بلائیں گے؟"

"رخصتی پر دیکھیں گے صبو" ذکیہ نے کہا

''نہیں آپا۔'' صبیحہ بولی ''ہمارے لئے تو بھائی جان کی پہلی بار ہی شادی ہو رہی ہے۔

''اچھا بھئی تم جو جی چاہے کرنا۔'' عنصر بولا۔

''ضرور کروں گی''۔ وہ اٹھ کر آئی اور عصمی کے پاس آ بیٹھی۔ اس نے عصمی کے گال پر پیار سے بوسہ دیا۔

جواباً عصمی نے بھی ایسا ہی کیا۔

''خدا تم دونوں کو زمانے بھر کی خوشیاں دے'' صبیحہ نے کہا۔ تو عصمی نے عنصر کی طرف دیکھا وہ اسی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ لجا گئی۔ ایک لمحہ کو اسے سولہ سال پہلے کے بیتے قربتوں کے لمحات یاد آ گئے۔

لیکن

جلد ہی وہ سنبھل گئی۔ اپنے جذبات کا برملا اظہار نہ ہونے دیا۔ چہرے پر متین سی خاموشی اور سنجیدگی طاری کئے بیٹھی رہی۔

کافی دیر بعد

اور کافی باتیں کر کے عنصر اور ذکیہ آپا نے جانے کی اجازت چاہی۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ ذکیہ آپا نے بھی از راہ اخلاق عصمی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مومنہ کو دونوں بہنوں نے پیار کیا۔

انہیں سب باہر تک رخصت کرنے آئے۔ دعا و سلام کے کئی بار تبادلے ہوئے پھر وہ لوگ چلے گئے۔

اماں جی اور عصمہ اندر آ گئیں۔ اسد نہ جانے کس وقت باہر نکل گیا تھا۔ کیونکہ عصمی کمرے میں گئی۔ تو وہ اندر نہیں تھا۔

وہ باہر آ کر اماں جی کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ اماں جی نے اس کی پیشانی چومی اور سدا سکھی رہنے کی دعا دی۔

عصمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہولے سے بولی ''اسد نے سکھی رہنے دیا تو۔ آپ نے دیکھا نہیں اس نے آج کتنی بدتمیزی کی ہے''۔

''کوئی بات نہیں بیٹی۔ لگتا ہے اسے پتہ چل چکا ہے''۔

''اسی لئے تو مجھے ڈر ہے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دے'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی'' اماں جی آپ یقین مانیں۔ میں نے یہ مشکل قدم صرف اس کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر اٹھایا ہے۔ ورنہ اپنی زندگی تو گزر رہی تھی''۔

''تم فکر نہ کرو بیٹی۔ میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے میں اسے سنبھال لوں گی۔ سمجھا لوں گی۔ حساس ہے۔ لیکن بے سمجھ نہیں۔ اسے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ میرے سمجھانے سے بالکل راہ راست پر آ جائے گا۔ اس کی بات مجھ پر چھوڑ دو۔ اب صلاح کرنی ہے کہ نکاح بے شک سادگی سے ہو۔ لیکن کھانا وانا تو کرنا ہی ہوگا''۔

عصمی نے کہا'' جو آپ ٹھیک سمجھتی ہیں وہی کریں''

اماں جی پلان بنانے لگیں۔

☆☆☆

عنصر جان گیا تھا۔ کہ ذکیہ آپا کو اس کے پسند کردہ رشتے کی قطعاً کوئی خوشی نہیں ہے۔ عصمی کے گھر سے واپس آ کر انہوں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی تھی۔ نہ تو تعریف کی تھی نہ ہی بد تعریفی۔ وہ جانتا تھا۔ کہ آپا کا ایسا رد عمل کیوں ہے؟

اس نے شادی کے لئے کلی اختیار ذکیہ آپا کو دے رکھا تھا۔ کتنی عرصے سے وہ انہیں فون کر کے رشتہ تلاش کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ ذکیہ آپا نی ضرورت کے مطابق رشتے دیکھ بھی رکھے تھے پسند بھی کئے تھے۔ مسز رحمان کا بتایا ہوا اریبہ کا رشتہ تو انہیں دل سے پسند بھی تھا۔

عنصر نے ایکا ایکی بساط ہی الٹ دی تھی۔ ایک بیوہ اور سینتیس سال کی دو جوان بچوں کی ماں سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔ اب وہ اپنی خاموشی سے ہی اپنی نامہادنا پسندی کا اظہار کر سکتی تھیں۔

لیکن

ان کے مقابلہ میں صبیحہ نے عقلمندی کا اظہار کیا تھا۔ اس بھائی کے لئے جس نے ان کے لئے اور قربانیوں کے علاوہ اپنی محبت کی قربانی بھی دے ڈالی تھی۔ وہ بہت کچھ کرنا چاہتی تھی۔ عصمی تو پھر اچھی شکل وصورت اور اخلاق والی عورت تھی۔ کوئی اور بھی ہوتی تو بھی وہ بھائی کی دل آزاری نہ کرتی۔ اسی لئے وہ بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

اس نے ذکیہ آپا کو پہلے بھی بہت سمجھایا تھا اور اب عصمی کو دیکھ کر آنے کے بعد بھی سمجھا رہی تھی۔

آپا ہمیں تو بھائی کی خوشی دیکھنا ہے۔ وہ اگر خوش ہیں تو ہمیں بھی دل کھول کر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔ ویسے بھی عصمہ مجھے تو بہت اچھی لگی ہے۔ طریقے سلیقے والی عورت ہے“۔

”اس کے بیٹے کو دیکھا؟“

''ہاں''

''کتنا بدتمیز لڑکا ہے۔ ابھی تو عنصر کے سر پر عشق سوار ہے اور عصمی کی خاطر اس بچے کو اڈاپٹ بھی کر رہا ہے۔ کل کو دیکھنا یہ لڑکا اس کے لئے اچھی خاصی پرابلم بن جائے گا''۔

صبیحہ چند لمحے چپ رہی پھر بولی۔ ''آپا وہ جوان نہ سہی لیکن اچھا خاصہ بڑا اور سمجھدار لڑکا ہے۔ ہو سکتا ہے ماں کے نکاح ثانی پر برہم ہوا ہو۔''

''تو ماں کو سوچنا چاہیے نا۔ اس عمر میں بیاہ رچانے کی کیا افتاد آن پڑی تھی''

''ہو سکتا ہے بھائی جان ہی نے اسے مجبور کیا ہو''۔

''ہونہہ۔ لوگ موقع پرست ہوتے ہیں۔ عنصر نے اسے اپنی مالی حیثیت تو بتائی ہی ہوگی''

''آپا۔ سنیں''

''ہاں۔ کہو''

''عنصر بھائی جان نے شادی تو کرنا ہی تھی''

''تو کسی ڈھنگ کی لڑکی سے کرتا''۔

''ان کی نظروں میں عصمی سے زیادہ ڈھنگ کی کوئی عورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اتفاق ہی ہے کہ جب دونوں سولہ سال بعد ملے ہیں۔ تو دونوں ایک دوسرے کے لئے موزوں ہیں۔ عصمہ بیوہ ہو چکی ہے اور بھائی بیوی کو طلاق دے چکے ہیں۔ یہ بھی اچھی بات ہے۔ دونوں شادی شدہ ہوتے تو اتنی مدت کے بعد مل کر مایوس ہی ہوتے''۔

''جی۔ ہاں''۔ ذکیہ نے طنز سے کہا۔

''آپا۔ شادی کر کے بھائی امریکہ چلے جائیں گے۔ ہمارے ساتھ ان کی بیوی کا کتنا رابطہ رہ جائے گا۔ کبھی کبھار فون پر خیر خبر پتہ کر لی اور بس۔ میاں بیوی راضی۔ بس ہمیں اس سے زیادہ سوچنا ہی نہیں چاہیے۔ اب بھائی جان

اگر آپ کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کر لیتے تو بھی آپ کو کیا فرق پڑتا۔ وہ بھی امریکہ چلی جاتی اور فون پر کبھی کبھار علیک سلیک ہو جاتی۔ اس سے زیادہ ہم نے کیا لینا۔ کیا دینا تھا''۔

ذکیہ آپا چپ ہو گئی۔

واقعی۔

صبیحہ کہہ تو ٹھیک رہی تھی۔

''اس لئے آپا بھائی جان کی ہر بات پر خوشی کا اظہار کریں۔ وہ نکاح کی تقریب جس ڈھنگ سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں جوش و خروش سے حصہ لیں۔ ان کی خوشیوں میں شریک ہوں۔ انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے۔ اس کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔ وہ پاکستانی عورت سے شادی کر رہے ہیں۔ دوسری بار بھی کسی غیر ملکی کو بیوی بنا سکتے تھے۔ عصمی سے ہم وطن ہونے کے حوالے سے کچھ تو تعلق رہے گا ہمارا''

''اچھا بھئی۔ ویسے یہ تو قسمت کا معاملہ۔ جہاں لکھا ہوتا ہے وہیں رشتہ ہوتا ہے''

''اب اپنی یہی سوچ رکھئے گا۔''

''ذکیہ آپا مسکرا دیں بولیں ''چھوٹی سی عمر میں بہت بڑی بڑی باتیں سیکھ گئی ہو تم''۔

''شکریہ آپا'' وہ ہنس دی۔

''اب کرنا کیا ہے؟ آپا نے کہا۔

''بھائی جان سے صلاح کر کے ہی کچھ کریں گے''

''وہ رات بتا نہیں رہا تھا''

''کیا؟''

''انگوٹھی وہ عصمی کو ساتھ لے جا کر خرید ے گا۔''

''اور کپڑے عصمی ہمارے ساتھ جا کر لے گی''

''ہاں''

نکاح کے لئے میرے خیال میں آف وائٹ کلر کا جوڑا ٹھیک رہے گا''

''اور کیا سرخ جوڑا پہنانا ہے اسے''

''دیکھیں آپا'' صبیحہ ہنس کر بولی۔ ''آپ پھر ٹریک سے ہٹ رہی ہیں''۔

ذکیہ بھی مسکرا دی۔ ''سوری''

''ہوں۔ یہ بات ہوئی ناں۔''

دونوں بہنیں کپڑوں کے متعلق ہی باتیں کرتی رہیں۔ ان کے خیال میں پانچ جوڑے لینا ضروری تھے۔ نکاح کے لئے آف وائٹ ہلکے سے کامدانی کام والا جوڑا ہی ٹھیک تھا۔ انہوں نے عمارہ اور حرا کے لئے بھی پاکستانی ڈریس بنوانے کی بات کی۔

'کتنی پیاری لگیں گی دونوں جھلمل کرتے پاکستانی لباسوں میں'' صبیحہ نے کہا۔

''ہاں حرا کو تو شوق بھی ہے۔ جس کسی کا لباس اچھا لگتا ہے کہتی ہے آنٹی مجھے بھی بنوا دیں''

''چلو نکاح پر ان کی خواہش پوری کر دیں گے''

''کپڑوں کے بعد نکاح میں شرکت کے لئے بہنوں کو بلانے کی بات چھڑی تو ذکیہ آپا نے کہا ''عنصر کی مرضی ہے ویسے مدیحہ تو ابھی ہو کر گئی ہے''

''آپا پنڈی سے آنا کیا مشکل ہے۔ ایک رات کی تو بات ہے''

''ہاں ہے تو''

''میں تو یہاں ہوں۔ باقی تینوں بھی آ جائیں گی۔ ہم سب کے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو گی''

''ٹھیک ہے۔ عنصر سے بات کر لیں گے''

دونوں پروگرام بنانے لگیں۔ اب ذکیہ کا موڈ خاصہ بدلا ہوا تھا۔ اور وہ ہر بات میں دلچسپی لے رہی تھیں۔

ادھر

اماں جی بھی عصمی کے ساتھ تقریب کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ لوگوں کو مدعو کرنے پر دونوں غور کر رہی تھیں۔ زیادہ بندے تو تھے نہیں۔ دو ایک عصمہ کی کولیگز تھیں۔ ایک علی رضا اور اس کی بیوی تھے۔ اماں جی کی ایک اپنی ہم عمر اور بہت قریبی دوست تھیں۔

باقی لوگ عنصر کے ساتھ آتا تھے۔ وہی بتا سکتا تھا کہ کتنی لوگ آئیں گے۔ رات کے کھانے کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ۔ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ مومنہ قریب ہی بیٹھی سوشل سٹڈیز کی کتاب کھولے تھی۔ پہلے تو وہ سبق یاد کر رہی تھی۔

لیکن

جب اماں جی اور ماں کی باتوں کی سن گن کانوں میں پڑی تو اسے سبق یاد کرنا بھول گیا۔ وہ پوری توجہ سے ان کی باتیں سننے لگی۔ گو اسے یہ تو پتہ نہیں چلا کہ تقریب کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔ لیکن یہ جان گئی کہ عنصر انکل کی کوئی بات ہے اور انہی کی دعوت کے پلان بن رہے ہیں۔

لیکن کیوں؟

ایسی دعوت کیوں ہو رہی ہے۔ جس میں لوگوں کو بھی مدعو کیا جا رہا ہے؟

سال ہا سال میں ایسی دعوت تو ان کے ہاں کبھی ہوئی نہیں تھی۔ اسد اور وہ امی سے کتنی ضد کیا کرتے تھے۔ کہ ان کی سالگرہیں منائی جائیں۔ دوستوں کو بلایا جائے امی کی کولیگز کو دعوت دی جائے۔

لیکن۔

امی نے ہمیشہ ہی خرچے کا رونا رویا تھا۔ ان کے خیال میں یہ فضول خرچی تھی۔ تینوں ماں بیٹا ہی چھوٹا سا کیک لا کر سالگرہ منا لیا کرتے تھے۔

شام اس کا جی چاہا۔ کہ اسد کو اماں جی اور امی کے پلان کے متعلق بتا کر پوچھے شاید اس کو کچھ پتہ ہو۔ لیکن اسد تو دنوں سے بگڑا ہوا تھا۔ بات کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس لئے وہ اس سے بات کرنے کی جرات نہ کر سکی۔

ہاں رات کو جب وہ اسکول کا کام ختم کر کے امی کے پاس آ کر لیٹی۔ تو اس کی دل میں خدبد ہونے لگی۔

ماں اپنی سوچوں میں گم تھی۔ رات کھانے سے پہلے اسد نے اس کے ساتھ بیحد بدتمیزی کی تھی اس کا جی چاہا تھا کہ ایک تھپڑ اس کے منہ پر کھینچ مارے۔ اس کے کان کھینچے اور تیر کی طرح سیدھا کر دے۔

لیکن

وہ ایسا نہ کر سکی تھی۔ ڈرتی تھی۔ سختی مبادا اس کو توڑ کر رکھ دے۔

اس لئے چپ ہو گئی تھی۔

''امی'' مومنہ ماں سے لپٹ کر بولی

''جی بیٹا'' وہ اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے بولی

''امی ایک بات پوچھوں''

''پوچھو''

''آج اماں جی اور آپ کس کی دعوت کرنے کی باتیں کر رہی تھیں؟''

عصمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ مومنہ اس سے یہ سوال بھی پوچھ سکتی تھی؟

وہ چند لمحے بالکل ساکت پڑی رہی۔

''بتائیں نا امی'' مومنہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے اصرار کیا

وہ چپ رہی۔

''بتائیں نا'' مومنہ نے پھر کہا۔ تو عصمہ کے خیالات میں یکدم تبدیلی آئی۔

عصمہ ایک دم بیڈ میں اٹھ بیٹھی۔ بچی سے اسے کوئی بات چھپانا نہیں چاہئے۔ اسے اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ اس نے مومنہ کو سب کچھ بتانے کا عزم کر لیا۔ اس لئے مضبوط لہجے میں بولی ''اٹھ کر بیٹھو مومنہ میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔''

مومنہ نے ٹیبل لیمپ کا بٹن آن کر دیا اور اٹھ کر ماں کے سامنے بیٹھ کر

حیرانگی سے اسے تکنے لگی۔ وہ ابھی اتنی بڑی نہ تھی۔ کہ ساری باتیں از خود سمجھ لیتی۔ اس لئے پوری توجہ ماں کی باتوں کی طرف دینے لگی۔

عصمہ نے کچھ رکتے کچھ جھجکتے بات شروع کی۔ اسے اپنی ساری کہانی کچھ گول مول الفاظ میں بتائی۔ کہ اس کی شادی عنصر سے طے ہو رہی تھی۔ کہ فیصلہ بدل دیا گیا۔ اور وہ رشید کے ساتھ بیاہ دی گئی۔ رشید کے ساتھ گزاری زندگی کا اس نے اچھے الفاظ میں ذکر کیا۔ پھر بیوگی اور اس سے وابستہ جو تکالیف اور پریشانیاں اس کو برداشت کرنا پڑیں۔ بہ چشم پرنم اسے بتائیں۔ اسد کے بگڑنے کی وجہ بھی بتائی۔ اور اب تک وہ ان بچوں کو پالنے کے لئے جو محنت کر رہی تھی۔ اس کا بھی ذکر کیا۔ مومنہ بڑی دل گرفتہ نظر آ رہی تھی۔ وہ بار تو فرط جذبات سے مغلوب ہو کر ماں سے لپٹ بھی گئی۔ ''امی آپ نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں''۔ وہ روہانسی ہو ہو کر بولی۔ ماں اسے پیار کرتے ہوئے اپنی روئیداد سناتی رہی۔ سب کچھ کہہ چکی تو بولی ''عنصر انکل تمہیں کیسے لگتے ہیں''

''بہت اچھے امی۔ اتنا پیار کرتے ہیں ہم سے''۔

''تم ضرور چاہو گی کہ ان کے پیار کے سایوں میں تم لوگ ہمیشہ رہو''

''لیکن کیسے امی۔ وہ تو امریکہ واپس چلے جائیں گے''

عصمہ چند لمحے چپ رہی۔ پھر آہستگی سے بولی ''وہ ہمیں ساتھ لے کر جائیں گے''

''سچ امی'' وہ خوشی سے بولی

عصمہ نے سر ہلایا۔

''لیکن۔ وہ ہمیں کیوں لے کر جائیں گے؟ مومنہ کے ذہن میں سوال جاگا۔

''اس لئے کہ تم دونوں انہیں بہت اچھے لگے ہو۔ وہ تم دونوں کو اڈاپٹ کریں گے''

''اڈاپٹ''

''ہاں بیٹے۔ دونوں کو قانونی طور پر اپنے بچے بنائیں گے''

مومنہ کچھ نہ سمجھی۔ پھر بولی۔ ''میں تو ان کی بیٹی بن جاؤں۔ لیکن اسد؟''

''اسی کے لئے تو سب کچھ کر رہی ہوں'' عصمہ نے کہا'' اسد جس قسم کی زندگی چاہتا ہے۔ وہ اسے عنصر دے سکتے ہیں۔ ہر طرح کی سہولت آسائش تعلیم اور پھر بڑا ہونے پر اپنا کاروباری پائنر بھی بنالیں گے''

مومنہ کے لئے یہ باتیں خوش کن تو تھیں۔ لیکن وہ جانتی تھی ان دنوں اسد عنصر کے بہت خلاف ہو رہا ہے۔ یہ باتیں وہ کبھی نہیں مانے گا۔ اس نے ماں سے بھی یہی بات کہی۔ ''امی اسد تو عنصر انکل کا نام بھی سننا گوارہ نہیں کرتا۔ پتہ نہیں ایک دم ہی ان کے خلاف کیوں ہو گیا ہے۔ حالانکہ پہلے تو ان کا شیدائی بن گیا تھا''

وہ چند لمحے چپ رہی۔ پھر بولی'' اماں جی کہتی ہیں۔ وہ اسے سمجھا بجھا کر راضی کر لیں گی۔ خدا کرے اب وہ ان کی بات ہی مان جائے''

مومنہ نے نفی میں سر ہلایا'' امی آپ جانتی نہیں کیا؟ کہ وہ ضد کا کتنا پکا ہے''

''پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ اب تو میں نے۔ ہامی بھی بھر لی ہے''۔

''امریکہ جانے کی؟''

''امریکہ جانے سے پہلے''

''کیا امی۔''

''مومنہ''

''جی''

''امریکہ میں عنصر کے ساتھ ایسے ہی تو نہیں جا سکتی''

''تو پھر''

عصمہ کو سمجھ نہ آتا تھا۔ کہ اتنی بڑی بات مومنہ کو کیسے کہہ دے۔ لیکن اب تو ابتداء کر چکی تھی۔ اس لئے اسے بتانا ہی تھا۔

''مومنہ۔تم جانتی ہونا انکل کی امریکن بیوی یعنی عمارہ اور حرا کی ماں انہیں چھوڑ چکی ہے'' پیشتر اس کے کہ مومنہ اس سلسلہ میں کوئی بات کرے عصمہ خود ہی بولی 'عنصر یہاں شادی کرنے آئے ہوئے ہیں۔انہوں نے شادی کرنا ہی تھی۔کیونکہ امریکہ جیسی جگہ میں وہ ان دو بچیوں کو اکیلے نہیں سنبھال سکتے۔ان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔اس لئے بچیوں کے لئے وقت نہیں ملتا۔بچیوں کو ماں کی ضرورت ہے۔اسی لئے وہ شادی کررہے ہیں۔''

''ہوں''

وہ۔مجھ سے سولہ سال بعد ملے۔تو مجھے شادی کا پیغام دیا۔تم دونوں کی بھی ساری ذمہ داری اٹھانے کی بات کی۔ہمیں یہاں اپنوں میں سے بھی پوچھنے والا کوئی نہیں ہے میں اکیلی کب تک نوکری کرکے تم دونوں کو پالوں گی۔اماں جی۔نے مجھے مشورہ دیا کہ میں عنصر۔''

''آپ عنصر انکل سے شادی کریں گی''مومنہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''صرف اسی طور ہی تم دونوں کو مین ایک اچھی پر فراغت اور پر سہولت زندگی دے سکتی ہوں''

وہ مومنہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

مومنہ چپ تھی۔

''تم خوش ہونا مومنہ'عصمہ نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔تو مومنہ ہوں ہاں کرکے بیڈ میں لیٹ گئی۔اس شادی کے فوائد کیا تھے اور ضرر رسانیاں کیا تھیں۔وہ نہیں جانتی تھی۔لیکن اسے امی کی شادی کا سن کر کچھ اچھا نہیں لگا۔ ہاں امریکہ جانے کا پروگرام اچھا تھا۔

وہ لیٹ گئی۔

عصمہ نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ کا بٹن دبا کر لائٹ آف کردی۔مومنہ کے ردعمل نے جیسے اس کا دل مٹھی میں پکڑ کر دبا دیا تھا۔

مومنہ تو تھوڑی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد سوگئی۔

لیکن

عصمہ...... پوری رات نہ سو سکی۔

وہ سوچ رہی تھی۔ جب مومنہ جیسی ناسمجھ بچی اس کے اقدام کا اتنا اثر لے سکتی ہے۔ تو اسد؟

وہ کیا کرے گا؟

اس کا ردعمل کیا ہوگا؟

کیا اماں جی اس کو سمجھا پائیں گی؟

وہ اتنی بڑی بات برداشت کرلے گا؟

وہ عنصر سے مفاہمت کرنے پر آمادہ ہو سکے گا؟

اس کا دل

ہر بات کا جواب نفی میں دے دیا تھا۔ عنصر کے خلاف تو وہ آج کل ویسے ہی اتنا بھڑکا ہوا تھا۔ کہ نام تک سننا گوارہ نہ کر رہا تھا۔ اس پر اس سے ماں کی شادی؟

عصمہ کے تن بدن میں سنسنی سی دوڑ دوڑ جاتی۔ اسے احساس ہو رہا تھا۔ ساری باتیں کھول کر اس کے سامنے رکھنا چاہیے تھیں۔

اس نے ایسا نہیں کیا تھا؟

کیوں؟

وہ اپنے آپ کو پوری ایمانداری سے ٹٹولنے لگی۔ کیا اس نے یہ اقدام بچوں خاص کر اسد کی بھلائی کے پیش نظر اٹھایا تھا۔

یا

عنصر کی محبت غالب آگئی تھی۔ جس نے بچوں کے مفادات کا روپ دھار کر اس سے یہ بات منوائی تھی؟

وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ شاید یہ قدم اٹھانے میں یہ دونوں باتیں ہی معاون بنی تھیں۔

ہاں

وہ

تذبذب میں ضرور پڑ گئی۔ ڈانواڈول بھی ہوئی۔ اسد کے رویے نے خوفزدہ بھی کر دیا۔

دوسرے دن وہ خرابی طبع کی وجہ سے بنک نہ جا سکی۔ اسد نے آج بھی اس سے کوئی بات نہ کی۔ اسکول بھی پتہ نہیں گیا یا نہیں۔ صبح کتابیں لئے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

تیسرے دن وہ بنک گئی

تو

بارہ بجے کے قریب اسے عنصر کا فون ملا۔ وہ اسے چھٹی کے بعد لینے آ رہا تھا۔ نکاح کے لئے انگوٹھی خریدنا تھی۔ وہ اسے ساتھ لے جا کر اس کی پسند کی انگوٹھی لینا چاہتا تھا۔

عصمہ اپنی پریشانیوں کی اب جیسے عادی ہو گئی تھی۔ سب کچھ اس نے تقدیر پر چھوڑ دیا تھا۔

اس لئے

اس نے عنصر کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی۔

عنصر چھٹی کے وقت آ گیا۔ وہ بنک سے باہر نکلی تو وہ سڑک کے پرلے کنارے گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔

اسے دیکھ کر کچھ حجاب سا آ گیا۔ قدم تیزی کے بجائے ہولے ہولے اٹھنے لگے۔ عنصر اسے ایک ٹک اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کتنا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے آج ہلکی براؤن شلوار قمیض کے ساتھ ڈارک براؤن کوٹی پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں پشاوری چپل تھی۔ اپنے مقابلے میں وہ اسے بہت تازہ دم اور مسرور نظر آیا۔

جانے ایک لمحہ کے لئے اسے کیوں لگا کہ عنصر اور اس کی جوڑی کچھ اتنی

آئیڈیل نہیں۔ عنصر نے آگے بڑھ کر اس کا والہانہ استقبال کیا تو مقابلی لمحہ اس کے ذہن سے نکل گیا۔

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے اسے دیکھا۔

وہ

تو

ہیں''

''عنصر بچے گھر آ چکے ہوں گے''

''کوئی بات نہیں۔ فون کر دیتے ہیں اماں جی کو''

''لیکن''

''لیکن ویکن۔ میں نہ مانوں۔ پی سی میں کھانا پسند کرو گی یا کہیں اور''

''عنصر پلیز''

''نہیں۔ اب تم میری بات ماننے کی پابند ہو'' اس نے مصنوعی طور پر شوہرانہ حقوق کا استعمال کیا۔ تو وہ مسکرا کر چپ ہو گئی۔

''کہاں کھانا کھائیں'' وہ پھر بولا۔

''جہاں آپ کی مرضی'' وہ بولی۔

''سب کچھ میری مرضی؟ ہوں۔ تمہاری مرضی کوئی نہیں۔''

''نہیں۔''

''کہیں ہاں بھی تو میری مرضی سے نہیں کی۔ اپنی مرضی بھی شامل ہے اس میں یا نہیں۔'' عنصر نے کہا تو عصمی نے کچھ بیچارگی سے اسے دیکھا۔

''کیوں؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''کچھ نہیں''

وہ چند لمحے چپ ہو گیا۔ پھر جانے کیا سوچ کر بولا۔ عصمی کیا تم ابھی تک اسد سے خوفزدہ تو نہیں ہو۔ اس کا کیا ہوا۔ موڈ کچھ ٹھیک ہوا یا نہیں''۔

عصمی نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بلکہ کچھ اور بگڑ گیا ہے۔ عنصر میں ڈرتی

ہوں۔ وہ کچھ کر نہ بیٹھے"

"کچھ نہیں کرتا۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ "میں اس سے ملوں گا۔ ٹھیک کرنا آتا ہے مجھے۔"

تمہارے تو نام سے بدکتا ہے۔ تم اس کے منہ نہ ہی لگو۔

"اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو ٹھیک ہے"۔

وہ چپ ہو گئی

دونوں پی سی میں آئے۔

وہاں خاصی گہما گہمی تھی۔ ایک ہال میں تو کوئی تقریب تھی۔ سجی بنی عورتیں اور اچھے ڈریسز میں لوگ آئے ہوئے تھے۔

وہ

کھانے کے لئے دوسرے ہال میں چلے گئے۔ یہاں بھی لوگ میزوں کے گرد بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔

ہال کا ماحول بڑا مسحور کن اور خوابیدہ سا تھا۔ وہ دونوں ایک میز پہ آن بیٹھے عنصر نے عصمی سے پوچھ کر کھانے کا آرڈر دیا۔ عصمی نے اب بھی اس کی پسند ہی کی چیزوں کو ترجیح دی۔

دونوں باتیں کرنے لگے۔ اب باتیں سنجیدہ تھیں۔ نکاح کے بعد جو جو کاغذات عنصر نے اکٹھے کرنا تھے۔ بچوں کی اڈاپشن کا جو کچھ کرنا تھا۔ عصمی کو بتانے لگا۔

☆☆☆

اماں جی نے اسد کو اپنی نوکرانی کے ہاتھ بلا بھیجا تھا۔ عصمہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اماں جی نے اسے یقین تو دلایا تھا کہ وہ اسے سمجھالیں گی۔ لیکن وہ اتنے دنوں سے جس طرح بگڑا ہوا تھا اور جیسی ابنارمل حرکتیں کر رہا تھا۔ عصمہ کا دل کہتا تھا کہ وہ آسانی سے سمجھ نہیں پائے گا۔ بلکہ اسے تو یقین ہی نہیں تھا کہ وہ ان کی باتیں مان لے گا۔ اس کا رویہ دن بدن اکھڑ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی وقت تو یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے۔ اور اس کا رویہ دن بدن اکھڑ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی وقت تو یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں خون اترا ہے۔ اور اس کا ماں اور مومنہ سے سلوک اتنا باغیانہ ہوتا تھا کہ وہ ذر جاتی تھی۔

آج چھٹی تھی اور عصمہ کو بہت سے کام کرنا تھے۔ سودا سلف بھی لانا تھا۔ لیکن اس کا دل کوئی کام کرنے کو چاہ ہی نہیں رہا تھا۔ سودا لانے کے لئے بھی اماں کو بھجوا دیا تھا۔ خود صوفے پر ادھ موئی سی بیٹھی تھی۔ اسد تو اسد اس نے تو مومنہ کو بھی اس دن سے جب سے اس نے اسے عنصر سے نکاح کے متعلق بتایا تھا چپ چپ ہی پایا تھا۔ گو وہ اسد کی طرح بدتمیزی تو نہیں کرتی تھی۔ ماں کے پاس بھی بیٹھتی۔ اسکول کی باتیں بھی بتاتی۔ لیکن عصمہ کو لگتا تھا اس کے شوخ اور چنچلے وجود نے ایک چپ سی سادھ لی ہے۔ یہ احساس عصمہ کے لئے بڑا دل شکن اور روح فرسا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ عنصر کی شریک حیات بننے کی طمانیت اس کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی باتوں میں اتنی سرشاری تھی کہ وہ اندر سے پگھل پگھل جاتی تھی۔ رات دس بجے کے قریب اس کا فون تقریباً روز ہی آجاتا۔ وہ باتیں کرتا رہتا اور وہ سنے جاتی۔ اب چند دن ہی تو نکاح میں رہ گئے تھے۔ لیکن عنصر کی بے تابی اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ وہ روز ہی اسے فون پر بلا لیتا۔ وہ اماں جی کے ہاں فون سننے جاتی۔ تو اسد کا پارہ اور چڑھ جاتا۔ وہ ماں سے کوئی بات

نہ کرتا۔لیکن غصے کے اظہار کے اور بھی تو طریقے تھے۔جنہیں وہ مسلسل آزما رہا تھا۔عصمہ کے لئے باور کرنا مشکل نہ رہا تھا۔کہ اسد سارے معاملے کی تہہ کو پہنچ چکا ہے۔

اور

یہی بات اس کے لئے سوہان روح بھی بنی ہوئی تھی۔عنصر اسے خوشیوں کے جو لمحے بھی دیتا تھا اسد انہیں پامال کرنے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔

وہ اب جب کہ اسد لماں جی کے بلانے پر ان کے ہاں گیا تھا۔ادھ موئی سی صوفے پر پڑی تھی۔اسد کیا کہتا ہے۔کیا کرتا ہے وہ جانتی تو نہ تھی۔لیکن اسے جیسے چھٹی حس احساس دلا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔

''گھبرا کر اس نے مومنہ کو آواز دی۔

''جی امی''اس نے کمرے ہی میں بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''ادھر آنا''

''اچھا۔''

وہ تھوڑی دیر بعد باہر آ گئی۔وہ شاید نہا دھو کر آئی تھی۔اس کے بال ابھی گیلے تھے اور بالوں کے سروں پر پانی کی بوندیں چمک رہی تھیں۔اس نے ہاتھ میں برش پکڑا ہوا تھا۔جی امی۔وہ قریب آ کر بولی۔''

''ادھر بیٹھو''

وہ ماں کے قریب بیٹھ گئی۔اور گاہے گاہے گیلے بالوں میں برش کرنے لگی۔دن کے گیارہ بج چکے تھے۔مومنہ نے پوچھا''امی چائے پئیں گی''

''نہیں''عصمہ نے کہا۔

''گیارہ بج چکے ہیں اس وقت آپ چائے تو پیتی ہیں اماں مارکیٹ گئی ہے میں بنا لاؤں۔

''نہیں بیٹے''عصمہ نے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔مومنہ نے ماں کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''مومنہ'' عصمہ نے اسے پکارا۔

''جی'' وہ سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔

''اسد کا موڈ کیسا تھا؟''

''جیسا ہمیشہ ہوتا ہے''

''تم سے تو کچھ نہیں کہتا۔''

مومنہ چند لمحے چپ رہی۔ پھر سر جھکا کر برش سے کھیلنے لگی۔

''کچھ کہتا ہے تم سے'' ماں نے پھر پوچھا۔

تو

وہ ماں کا منہ تکنے لگی۔ لگتا تھا کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی۔

''بتاؤ نہ مومنہ'' عصمہ نے اسے پیار کیا۔

''امی''

''ہاں''

''کل شام جب آپ لڑکیوں کو پڑھا رہی تھیں نا؟''

''ہاں''

''تو اسد مجھ سے کہنے لگا''

''کیا''

وہ چند لمحے چپ رہی۔ عصمہ نے بار بار پوچھا تو بولی ''امی کہتا تھا۔ نئے کپڑے نہیں سلوانے''۔

''نئے کپڑے؟'' عصمہ نے دہرایا۔

''ہاں۔ کہتا تھا۔ تمہاری امی کی شادی ہے۔ سہیلیوں کو بلانا۔ لوگوں کو بتانا خوشیاں مناؤ'' عصمہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ رنگ اڑ گیا۔ دماغ چکرا گیا۔ اسے تو لگا چند ثانیوں کے لئے اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہے۔

وہ مومنہ سے

اور کوئی بات نہ پوچھ سکی۔

مومنہ خود ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

وہ کافی دیر انہیں اندھیروں میں بھٹکتی رہی۔ جو لمحاتی طور پر اس کی آنکھوں میں لہرائے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسد کا رویہ اماں جی سے کیسا ہوگا۔ جب قدرے سنبھلی۔ تو جی چاہا اماں جی کی طرف جائے اور ان دونوں کی گفتگو میں خود بھی شریک ہو۔

لیکن

وہ جا نہ سکی۔

اماں جی ہی اسد کے ساتھ معاملہ سلجھانے کے لئے دلائل کے ساتھ اسے قائل کرنے کی کوشش میں لگی تھیں۔

اسد کو انہوں نے بلا بھیجا تھا۔ تو ذہنی طور پر ہی ممکن اور ناممکن بات کے لئے تیار تھیں۔ ''آؤ بیٹے'' انہوں نے اسد کو اپنے قریب صوفے پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ لیکن وہ ایک کرسی ان کے قریب گھسیٹ کر لے آیا تھا اور اس پر بیٹھ گیا تھا۔

اماں جی اس کے تیوروں سے سمجھ گئی تھیں۔ کہ وہ جانتا ہے اسے یہاں کس لئے بلایا گیا ہے۔

''کہیے اماں جی'' وہ بولا۔

''کیسے ہو'' اماں جی نے پیار سے کہا۔

''کیسا ہو سکتا ہوں'' اس نے الٹا سوال کیا اور سرخ سرخ آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔

اماں جی بنا توقف کئے بولیں۔ ''لگتا ہے تم سارے معاملے سے آگاہ ہو۔''

''جی'' اس نے انتہائی تلخ اور تیکھے لہجے میں کہا۔

''پھر تو تمہیں تفصیل سے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں''۔ اماں جی نے

اسے چمکارا۔

''ویسے تم اب بچے بھی نہیں ۔خاصے سمجھدار ہو۔ اچھائی برائی میں تمیز کر سکتے ہو۔تمہارے لئے مومنہ اور تمہاری امی کے لئے کیا بہتر ہے۔ اس کا بھی تمہیں پتہ ہوگا۔''

وہ بغیر جواب دیئے اٹھ کھڑا ہوا۔

تو

اماں جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

وہ مجبوراً بیٹھ گیا۔

''اسد بیٹے ۔جذباتی نہ ہو۔اپنے حالات دیکھو۔اپنے خیالات سے بھی تم بخوبی آگاہ ہو۔''

وہ چند لمحے رک کر بولیں''جب عنصر آیا تھا تو تم نے اسے بہت پسند کیا تھا۔وہ بہت اچھا انسان ہے۔اس نے تمہاری امی کو اپنانے کا اگر پیغام دیا ہے تو اس میں تم دونوں بہن بھائی کی فلاح و بہبود کا بھی خیال تھا۔وہ تم دونوں کو قانونی طور پر اپنا رہا ہے۔تمہیں ہر وہ سہولت دے گا جو ایک باپ اپنے بچوں کو دے سکتا ہے۔

اسد کا چہرہ ایک دم سرخ ہوگیا۔اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔وہ کچھ کہنے کو تھا۔

کہ

اماں جی نے بات جاری رکھی۔''تمہاری ماں کب تک نوکری کر کے تمہیں پالے گی۔تمہارے اخراجات اٹھائے گی۔تم نہیں چاہتے کہ وہ بھی زندگی میں سکھ کا سانس لے۔اسے بھی کوئی خوشی ملے۔''اماں جی نے پندونصائح کا دفتر کھول دیا۔

اور کمال کی بات

اسد ان کی ہر بات سر جھکائے سنتا رہا۔

''تم اپنے ماں سے ناراض ہو۔ اس سے بات تک نہیں کرتے۔ ہر وقت غصے میں بھرے رہتے ہو۔ بیٹا تمہاری ماں نے اگر نکاح کی حامی بھری ہے تو محض تمہاری خاطر۔ وہ تمہیں اچھے مقام پر دیکھنا چاہتی ہے۔ تمہیں زندگی کی ہر سہولت میسر آئے۔ تم اچھا کھا سکو اچھا پہن سکو۔ اچھی تعلیم حاصل کر کے دنیا میں کوئی مقام بناؤ۔ یہ تمہاری ماں کی بھی خواہش ہے اور خود تمہاری بھی۔ کیا تم ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر نہیں کرنا چاہتے؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے پاس ایک خوبصورت گھر ہو۔ جس میں قیمتی اور نایاب چیزیں ہوں۔ یقیناً یہ تمہاری دلی خواہش ہے۔ تمہاری امی تمہاری اس خواہش سے ناآشنا نہیں۔ عنصر نے تمہیں یہ سب کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کی امریکہ میں کافی بڑی بزنس ہے بہت بڑی مینشن ہے اس کی۔ تم وہاں جاؤ گے تو زندگی کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ہوگی۔ تمہاری زندگی مین اس طرح بہت بڑی تبدیلی آئے گی۔ ان ساری خوشیوں کو پانے کے لئے تم اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔

وہ چپ رہا

اور

اماں جی کافی دیر بڑے پیار سے اسے بہلاتی پھسلاتی اور سمجھاتی رہیں۔

''بیٹا تم اپنا رویہ بدلو۔ دوسروں سے نبھاہ کرنا سیکھو۔ عنصر تمہیں اتنا کچھ دے رہا ہے۔ تو تم بھی اس کی عزت و احترام کرو۔ جب وہ آیا تھا تو تم نے اسے اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ لیکن اب تم اس کے نام سے بیزار ہو۔ ایسا مت کرو بیٹے اور اپنی ماں کا بھی خیال کرو۔ اسے دکھ نہ دو۔ کتنی دکھی زندگی گزاری ہے اس نے، سسرال نہ میکہ کسی طرف سے بھی اسے سکھ نہیں ملا۔ تم یہ باتیں تو جانتے ہی ہو نا''

اسد نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ چند لمحے اماں جی کو خالی نظروں سے تکتا رہا۔ وہ سمجھیں ان کا لیکچر رائیگاں نہیں گیا۔

لیکن

اسد نے چند لمحے انہیں تکنے کے بعد کہا۔ ''اماں جی۔ مجھے کسی چیز کی خواہش ہے نہ ضرورت میری ماں شادی رچا کر یہ چیزیں مجھے دینا چاہتی ہے تو یہ محض بہانہ ہے''۔

''اسد بچے''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کی آواز میں غصہ تھا۔ اس کا چہرہ تناؤ لئے ہوئے تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ انتہائی اکھڑ لیکن فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''میں یہ سب کچھ ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ میری ماں سے کہہ دیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں عنصر کو قتل کر دوں گا۔ اگر نہ کرسکا تو اپنے آپ کو ختم کرلوں گا''

''اسد بیٹے'' اماں جی بوکھلا کر زور سے بولیں۔

''میری ماں کو کہہ دیں۔ کہ وہ ضرور شادی کرے۔ لیکن شادی کے تحفے کے لئے بھی تیار رہے۔ یہ تحفہ اسے عنصر یا میری لاش کی صورت میں ملے گی''۔

''اسد'' اماں جی اس کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر چیخیں۔

لیکن

وہ پاؤں پٹختا غصے سے غراتے ان کی لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

اماں جی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

وہ کافی دیر اسی طرح بیٹھی رہیں۔ اسد نے ان کی مثبت باتوں کا اتنے منفی رویے میں جواب دیا تھا۔ کہ ان کا بوکھلانا اور خوفزدہ ہو جانا ضروری تھا۔ اسد کے متعلق وہ جانتی تھیں کہ جو کہتا ہے وہ کر بھی گزرتا ہے۔ وہ کئی سالوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی اذیت پسندی سے آگاہ تھیں۔ خود کو اذیت دے کر ماں کو دکھ پہنچانا کوئی نئی بات نہ تھی وہ یاسیت پسند تھا یہ بھی جانتی تھیں۔

اب

اب

وہ انہیں اتنی بڑی دھمکی دے کر گیا تھا کہ وہ گھبرا گئی تھیں۔ وہ چھوٹی موٹی

اذیتیں دینے اور سہنے کا عادی تو تھا۔ لیکن وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کی بات بھی سوچے گا۔ وہ کب جانتی تھیں لیکن اس بات کا انہیں واثق یقین تھا کہ وہ یہ قدم بھی اٹھا لے گا۔ اس کی سوچ ابھی اتنی پختہ نہیں ہے۔ نہ ہی اتنا سمجھدار ہے کہ یہ بات جو اس نے کی ہے اس کے سارے پہلو نظر میں رکھے۔ جذباتیت میں بھڑک کر وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

وہ کیا کریں؟

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

کافی دیر وہ سوچتی رہیں۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ ساری باتیں جا کر عصمی کو بتا دیں اسے بے خبر رکھنا ظلم تھا۔

اور

بتانا بھی بے شک اس دکھی عورت کے دکھوں میں اور اضافہ کرنے کے مترادف تھا۔

لیکن

بات ہی ایسی تھی۔ وہ کسی بڑے حادثے کی ذمہ داری اپنے سر کیسے لے سکتی تھیں

اور

پھر

انہیں ضرورت بھی کیا تھی اتنے سنگین معاملہ میں کسی کی بھی طرفداری کرنے کی۔ یہ سب کچھ تو انہوں نے اخلاقی تقاضے سے کیا تھا۔ ورنہ ان کا عصمی سے کوئی رشتہ تھا نہ اسد سے ناطہ۔ اگر وہ ان کی بات اور مصالحت کی کوشش کو ٹھکرا کر چلا گیا تھا تو اس کی مرضی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ سمجھانا ان کا فرض تھا۔ وہ بھی اس لئے کہ عصمی کی ان کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے۔ اب بچہ نہیں مان کے دے رہا تھا تو وہ کیا کرتیں۔ معاملے کو اتنی سنگین صورت حال تک پہنچانے سے پہلے اچھا تھا کہ وہ عصمی کو اسد کے خیالات بتا کر معاملہ

اس کی صوابدید پر چھوڑ دیں۔ وہ پریشان سی بیٹھی تھیں کہ ملازمہ ان کے لئے چائے کی پیالی لے آئی۔ جب تک وہ اسد سے سنجیدہ قسم کی باتوں میں مشغول تھیں۔ وہ کود ہی چائے نہیں لائی تھی۔ مبادا بیگم صاحبہ ناراض ہوں۔ اب وہ چلا گیا تھا۔ اور اماں جی کافی دیر تک سر پکڑے بیٹھی رہی تھیں۔ تو اس نے چائے بنائی تھی۔

"بیگم صاحبہ چائے" وہ ان کے قریب آ کر بولی۔

"رکھ دو" انہوں نے چائے میز پر رکھنے کے لئے کہا۔

"چینی ڈال دوں"

"ڈال دو"

"بسکٹ؟"

"رہنے دو"

نوکرانی چائے میں ڈیڑھ چمچ چینی ڈال کر کچن کی طرف چلی گئی۔

اماں جی نے چائے نہیں پی۔ وہ پیالی میں پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی۔ اس پر پپڑی سی جم گئی۔ چائے پئے بغیر وہ اٹھ کر اپنے کمرے مین چلی گئیں۔ اتنا وقت ہو گیا تھا انہوں نے ابھی نہ تو غسل کیا تھا نہ ہی کپڑے بدلے تھے۔ روز کا یہ معمول اسد کے ساتھ باتوں کی نذر ہو گیا تھا۔

انہوں نے اندر آ کر کپڑے نکال کر صوفے کی پشت پر ڈال دیئے اور خود بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ گہرے رنگ کا سوٹ کڑھائی والا دوپٹہ ابھی الماری ہی میں تھا۔ اب وہ قدرے سکون سے سارے معاملے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اسد کے خیالات اور جذبات کا تجزیہ پوری ایمانداری اور دیانت داری سے کر رہی تھی۔ گو وہ بھرپور جوان نہیں تھا لیکن وہ ساری معاملے کو غیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس بات سے اس کا خون کھول رہا تھا۔ کہ اس کی ماں شادی کر رہی ہے۔

اماں جی کو اپنی جوانی کی بیوگی یاد آ گئی۔ وہ بھی تقریباً عصمہ ہی کی عمر میں

بیوہ ہوئی تھیں۔ گو مالی طور پر وہ اتنی مستحکم تھیں کہ اپنی اور دونوں بیٹوں کی ضروریات کے لئے انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑا نہ نوکری کرنا پڑی۔ لیکن پھر بھی بیوگی اور یتیمی کی محرومیوں سے انہیں قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ تکلیفیں انہوں نے بھی جھیلی تھیں۔ اذیتیں بھی سہی تھیں۔ لیکن ثابت قدم رہی تھیں۔ رشتے ان کے لئے بھی آئے تھے۔ لیکن انہوں نے دوسری شادی کا اس لئے نہیں سوچا تھا کہ بچوں کی نفسیات بگڑ سکتی ہے۔ جیسے تیسے وقت گزر رہی گیا تھا۔ اب بچے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے تھے۔

اور

وہ

تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ یہ زندگی آسان نہ تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے دل ودماغ سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس لئے کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔

عصمہ بے شک اسد ہی کے لئے یہ انتہائی قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کی بھلائی کا سوچ کر نکاح کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن یہ پوری حقیقت نہ تھی۔ عنصر کا وجود بھی اس کے لئے کشش کا باعث بنا تھا۔

اور

یہی احساس یہی جانکاری اسد جیسے حساس لڑکے کے لئے جان لیوہ بن گئی تھی۔ اماں جی اب اسد کے نقطہ نظر سے معاملے کو جانچ رہی تھیں۔

ان کا دماغ اور ذہن ان خطوط پر سوچتے ہوئے اس فیصلے پر پہنچا تھا کہ عصمہ کو یہ قدم اٹھانے سے پہلے اسد سے ضرور مشورہ کرنا چاہیے تھا۔ اگر وہ رضامند ہوتا تو ٹھیک نہ ہوتا تو وہ اپنی جاگے ہوئے جذبات کو پھر ابدی نیند سلا کر بچے کی خوشنودی حاصل کرتی۔

انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے بھی بنا یہ بات سوچے عصمہ کو نکاح کا مشورہ دے ڈالا تھا۔

اور

اسد کو منانے سمجھانے کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔

بہر حال

ابھی بھی کچھ بگڑا نہیں تھا۔ وہ ساری صورتحال سے عصمہ کو باخبر کر کے معاملہ ماں اور بیٹے کی باہمی صوابدید پر چھوڑ سکتی تھیں۔

یہ فیصلہ کر کے وہ اٹھیں۔ اور کپڑے لے کر باتھ روم میں چلی گئیں۔ نہا دھو کر کپڑے بدلے بالوں میں کنگھا کیا۔

اور

کمرے میں آ گئیں وہ عصمہ کی طرف جا رہی تھیں۔ کسی کا فون آ گیا۔ اس لئے چند منٹ بات کرنے کے لئے انہیں رکنا پڑا۔

فون سن کر وہ لاؤنج میں آئیں۔ نوکرانی کو آواز دی کہ آ کر چائے کی پیالی اٹھا لے جائے۔ پھر وہ لاؤنج سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گئیں۔

کچھ ہی لمحوں بعد وہ عصمہ کے دروازے پر تھیں۔

''آیئے اماں جی'' عصمہ جو ادھ موئی سی صوفے میں پڑی تھی اٹھتے ہوئے بولی، ۔اس جی کو سلام کیا۔ اور آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اماں جی نے محسوس کیا کہ عصمہ بے حد نروس ہو رہی تھی اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے اور پسینے کی نمی بھی تھی۔ اماں جی دل کڑا کر کے آئی تھیں۔ لیکن عصمہ کو دیکھ کر دل پسیج گیا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکیں حال احوال پوچھنے کے بعد خود ہی عصمہ نے کہا۔ ''اماں جی۔ آپ نے اسد کو بلایا تھا''

''ہاں'' وہ بولیں۔

''ابھی تک وہ ادھر ہی تھا'' عصمہ نے کہا۔

''نہیں۔'' وہ ہولے سے بولیں۔

''وہ ادھر نہیں؟'' عصمہ نے جلدی سے کہا۔

''کوئی آدھ گھنٹہ ہوا چلا گیا تھا۔ ادھر نہیں آیا''

''نہیں''

''باہر چلا گیا ہوگا''

عصمہ چپ ہو گئی۔

اماں جی بھی چپ رہیں۔

عصمہ کا دل اماں جی کی چپ سے بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اسد کو بہلانے پھسلانے والی بات بنی نہیں۔ ورنہ اماں جی یوں دم سادھے نہ بیٹھی رہتیں۔

چند لمحے چپ رہنے کے بعد عصمہ نے ہمت اور جرات سے کام لیتے ہوئے خود ہی پوچھا۔ ''اماں جی۔ اسد سے بات ہوئی۔ کیا کہا اس نے؟''

اماں جی نے عصمہ کی طرف دیکھا اور آہستگی سے بولیں ''ہم نے بہت بڑی غلطی کی۔''

''جی'' اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکنے لگی۔

''ہمیں نکاح کی حامی بھرنے سے پہلے اسد سے بات کر لینا چاہئے تھی۔ اس کی رضامندی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے تھا۔

عصمہ نی سر جھکا لیا ہاتھ مروڑتے ہوئے بولی۔ ''اس نے کیا کہا؟''

اماں جی نے جوابدیا ''اسے علم تھا کہ نکاح ہو رہا ہے''

''پھر؟'' وہ جلدی سے بولی۔

پھر

پھر

جو کچھ اسد نے کہا تھا اماں جی نے صاف صاف عصمہ سے کہہ دیا۔ کوئی بات چھپانا ہلاکت خیزی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

عصمہ تو یہ باتیں سننے کی تاب ہی نہ لا سکی۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ہونٹ سپید ہو گئے ویران آنکھیں چند لمحے کھلی رہیں۔ پھر بند ہونے لگیں۔ اس نے سر صوفے کی بیک پر رکھ دیا اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔

شاید

وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

''عصمہ۔ عصمہ۔ عصمہ بیٹی'' اماں جی جلدی سے اٹھ کر عصمہ کے قریب صوفے پر بیٹھیں اور اسے ہلاتے جلاتے کئی بار پکارا۔

اس نے سر ادھر ادھر پٹخا۔ آنکھیں کھولیں۔ اماں جی کو دیکھا اور ان سے لپٹ کر چیخ اٹھی۔ ''اماں جی۔''

''عصمہ بیٹی ہمت سے کام لو۔ حوصلہ کرو۔ ابھی وقت ہے۔ ہو سکتا ہے اسد نے جو کچھ کہا ہے محض ڈرانے کو کہا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ناپختہ ذہن ہونے کی وجہ سے اس نے ایسا کر گزرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔ اور۔۔۔''

اماں جی۔ اس نے جو کہا ہے وہ کر بھی گزرے گا''۔ عصمہ روتے ہوئے بولی۔ اماں جی کاموش ہو گئیں۔ عصمہ کھ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹھیک ہو کر بیٹھی اور دونوں ہاتوں پر چہرہ گراتے ہوئے سر ادھر ادھر مارتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں کروں گی نکاح۔ مجھے اسد سے عزیز کوئی بھی نہیں اماں جی میں عنصر کو جواب دے دوں گی جواب۔ دے دوں گی۔''

''عصمہ'' اماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ملائمت سے بولیں۔

''بیٹی میں نے کہا نا ابھی وقت ہے۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ تم پیار سے اسد کو اعتماد میں لے کر بات کرو۔ اگر وہ مان جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ۔۔۔۔۔۔''

''نہیں اماں جی'' عصمہ نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''سمجھنے سمجھانے کا وقت گزر چکا ہے۔ اسد میرا بچہ ہے۔ چاہے اس کی نفسیات بگڑی ہوئی ہے اس نے جو کہا ہے کر گزرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔ میں نے اس کی بھلائی کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تو میں انکار کر دوں گی۔'' اماں جی نے سر ہلایا۔ انہوں نے معاملہ ماں بیٹے پر چھوڑ دیا۔ اس لئے مزید کوئی بات نہیں کی کوئی رائے نہیں دی۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی بجی۔

عنصر نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔ وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھا شکیل اور راحیل کے ساتھ ڈش پر کوئی انگلش فلم دیکھ رہا تھا دس بجے تک اس نے یہاں بیٹھنا تھا۔ پھر عصمہ کو فون کرنا تھا۔ عصمہ کو فون کرنے کے لئے وہ فون اپنے کمرے میں لے جایا کرتا تھا۔ جہاں بیٹھ کر اکیلے میں اس سے بڑے اطمینان سے باتیں کیا کرتا تھا۔ ان کی باتیں مستقبل کی پلاننگ کی ہوتیں۔ وہ اسے امریکہ کی زندگی کے متعلق بتاتا۔ وہاں کی مصروفیات کے لئے ذہنی طور پر تیار کرتا بچوں کے متعلق بھی باتیں ہتیں۔ ان کے متعلق بھی پلان بنتے۔ نکاح کے بعد اس نے بچوں اور عصمہ کو ساتھ لے جانے کے لئے جو جو کاغذات تیار کرنا تھے ان کے متعلق بھی اسے بتاتا۔ وہ چونکہ اب امریکن سٹیزن تھا اس لئے سارے کام معمولات کے مطابق کرنے کے بعد ان سب کا ویزا مل جانے کا امکان تھا۔ پھر بھی اس معاملے مین چند ماہ کی تاخیر بھی ہو سکتی تھی۔ نکاح کے بعد اسے فوراً ہی امریکہ چلے جانا تھا۔ تاکہ ساری فارملیٹیز پوری کی جاسکیں۔ یہ باتیں تو ہوتی ہی تھیں۔ عنصر کی طبیعت میں شوخی کا عنصر شروع ہی سے غالب تھا۔ اب تو ماضی سارے کا سارا لوٹ آیا تھا۔

اس لئے

فون پر دل کے معاملے بھی سنے سنائے جاتے۔ گو عصمی زیادہ تر سنتی ہی رہتی۔ پھر بھی کوئی نہ کوئی بات تو منہ سے نکل ہی جاتی۔ جو بچھڑ کر ملنے کی خوشیوں کی ضامن ہوتی۔

نگاہیں ٹی وی سکرین پر جمائے عنصر نے فون کان سے لگا کر کہا "ہیلو۔"

پھر فوراً ہی آواز پہچان کر بولا۔ "عصمی تم"

"ہاں" عصمی کی گلوگیر آواز آئی۔

"خیریت؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں۔'' اس نے جواباً کہا۔

''ذرا ٹھہرو میں اپنے کمرے سے تمہیں فون کرتا ہوں''۔ وہ جلدی سے فون اٹھا کر لاؤنج سے باہر جانے لگا۔

تو

شکیل جو فلم میں مگن تھا بولا ''کدھر ماموں، کلائمکس آرہا ہے۔ آپ کدھر جارہے ہیں''

''آتا ہوں'' وہ لاؤنج سے نکل گیا۔ ساتھ والے کمرے میں ذکیہ آپا اور صبیحہ بیٹھی تھیں حرا اور عمارہ بھی ان کے پاس تھیں۔ صبیحہ کے بچوں کے ساتھ دونوں کھیل رہی تھیں۔ اس نے کھلی کھڑکی سے اندر نگاہ ڈالی۔

اور

پھر

جلدی جلدی قدم اٹھاتا کوڈلیس فون اٹھائے اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ عصمی کی بوجھل آواز اور بات سے کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

''ہیلو'' اس نے کمرے میں آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی'' عصمی نے اسی بھرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا بات ہے۔ کچھ مضمحل لگ رہی ہو'' عنصر نے جلدی سے پوچھا۔

''میں نے'' وہ چپ ہو گئی۔ تو عنصر الجھ کر بولا ''کیا کہنا ہے؟''

''عنصر'' لمحوں کے توقف کے بعد اس نے مریل سی آواز میں کہا۔

''سوری کہنا چاہتی ہوں''

''کیا مطلب؟ کس بات کے لئے'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے جھنجھلایا۔

''میں شادی نہیں کر سکتی''۔ وہ جلدی سے کہہ گزری۔

''کیا؟'' وہ چیخا

''ہاں عنصر۔ یہ میرا فیصلہ ہے''

''کیا فیصلہ؟ کیسا فیصلہ؟ جانتی بھی ہو کیا کہہ رہی ہو''

''ہاں۔جانتی ہوں۔''

''ہوا کیا ہے''

''جس کا خدشہ تھا۔''

''تم رو رہی ہو''

''نہ۔نہیں۔''

''جھوٹ مت بولو۔مجھے بتاؤ یہ تم نے کیا بات کہی ہے کیوں انکار کر رہی ہو۔کیا ہوا ہے''۔

''عنصر تم اسد کو جانتے ہو۔''

''اب تو بہت اچھی طرح جاننے لگا ہوں''

''وہ۔وہ بہت غصے میں ہے۔کہتا ہے ایسا ہوا تو وہ تمہیں ختم کر دے گا یا خود اپنے آپ کو۔''

''بکواس کرتا ہے وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔بالشت بھر کا لڑکا اور یہ دھونس بیوقوف ہو۔ڈر گئیں۔''

''عنصر۔وہ میرا بچہ ہے میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔وہ تمہارا بے شک کچھ بگاڑ نہ سکے لیکن وہ اپنے آپ کو ضرور کچھ کر لے گا۔میں نہیں چاہتی کہ تمہیں اپنانے کے لئے میں اپنا جگر گوشہ کھودوں''۔

''یہ سب اس کی بکواس ہے۔کہاں ہے وہ۔میں اس سے مل۔''

''وہ گھر۔چھوڑ کر چلا گیا ہے'' عصمی کے آنسو تیزی سے بہنے لگے اور اس کی آواز گھٹ گئی پریشان تو وہ دوپہر ہی سے تھی اماں جی نے اسد کی جب سے باتیں اور فیصلہ بتایا تھا وہ ادھ موئی سی ہو گئی تھی۔

لیکن

وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔اس بات نے تو عصمی کو مار ہی ڈالا تھا۔وہ شام تک گھر نہیں آیا۔تو اس کے بارے میں عصمی متفکر نہیں ہوئی۔لیکن جب اس کی ملازمہ نے اسے بتایا کہ دوپہر جب وہ بازار سے سودا لے کر آ رہی تھی تو

اسد اسے راستے میں ملا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ گھر نہیں آئے گا۔ اور اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہ کی جائے۔

اماں نے یہ بات گھر آتے ہی عصمی کو نہیں بتائی تھی۔

کیونکہ۔

وہ بے حد پریشان اور دکھی نظر آرہی تھی۔ رو رو کر آنکھیں بھی متورم کرلی تھیں۔ اس لئے اس نے یہ بات اسے بتانا مناسب نہ سمجھی۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ اسد ایسے ہی دھمکی دے گیا ہے جائے گا کہاں ٹھکانے پہ لوٹ ہی آئے گا پندرہ سال کا لڑکا گھر چھوڑنے کی جرات نہیں کرسکتا۔

لیکن

جب

وہ آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک بھی نہ آیا۔ تو اس نے عصمی سے یہ بات کہہ دی۔ عصمی کلیجہ تھام کر رہ گئی۔ مضطربانہ گھر مین ادھر سے ادھر پھرتی رہی۔ مومنہ سے پوچھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔

لیکن

مومنہ بے چاری کو کیا پتہ تھا وہ تو اماں جی کے گھر گیا تو پھر واپس ہی نہیں آیا تھا۔ نو بج گئے۔

پھر

ساڑھے نو ہوگئے۔

وہ گھر نہیں آیا۔ تو عصمہ کا دل ڈوب ڈوب گیا۔ اور پھر جو فیصلہ وہ دوپہر سے کرنے میں شش و پنج میں تھی۔ اس نے اس لمحے کر ڈالا۔

وہ اسد کو کھو کر عنصر کو نہیں پانا چاہتی تھی۔ اسے اپنا بچہ چاہیے تھا۔ صرف اپنا بچہ نہ مستقبل کی تابناکی۔ نہ بچوں کی بھلائی۔ وہ جیسی تھی ویسی ہی رہ کر اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرسکتی تھی۔

اسد گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ کوئی سنگین حرکت بھی کرسکتا تھا۔ وہ اسے

تلاش کر کے گھر لانا چاہتی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ گھر آئے۔ اس کی خوشنودی کے لئے وہ عنصر سے رشتہ ختم کر دینا چاہتی تھی۔

قربانی سے خوفزدہ وہ ہوتا ہے جس نے اس کے متعلق صرف سنا ہو۔ عملاً اس تجربے سے دوچار نہ ہوا ہو۔

لیکن

جو اس عمل سے بار بار گزر رہا ہو۔ جس نے اس کی شدت کو محسوس کیا ہو۔ جس نے اس کی انتہاؤں کو چھوا ہو۔ جو اس کی کاری ضربیں سہہ کر بھی زندگی جی رہا ہو۔ اس کے لئے قربانی معمول کی بات ہو جاتی ہے۔ دکھ ہوتا ہے لیکن اس کی اذیت صدیوں کرنوں پر پھیل نہیں جاتی۔ لمحے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن ٹھوس نہیں ہوتے پگھل جاتے ہیں۔

قربانیوں کی گنتی میں ایک اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور

بس

عصمہ بھی شروع ہی سے تقدیر کے وار سہتی تھی۔ قربانی اتنی بار دی تھی کہ اب اس لفظ کی حساسیت میں کوئی شدت نہیں رہی تھی۔ دکھ ضرور تھا لیکن شاید بے ضرر سا۔ اسی لئے اس نے فیصلہ کیا۔

اس سے آگاہ کرنے کے لئے عنصر کو فون کیا۔

عنصر اس کے مسئلے سے آگاہ ضرور تھا۔ لیکن یہ مسئلہ اس کے لئے کتنا گھمبیر اور کتنا سنگین ہے۔ اس کی اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنے پیار کو اتنی بے دردی سے قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سولہ سالوں کی آزمائش کم تو نہ تھی۔

''عصمہ'' اس نے اسے پکارا۔

وہ رو رہی تھی ہچکیوں سے سسکیوں سے۔

''اسد گھر چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہے؟ تم اتنی بزدل تو نہیں۔ حوصلہ رکھو آ جائے گا۔ میں اسے تلاش کروں گا جہاں بھی ہوا۔ لے کر تمہارے پاس آؤں

گا۔ کہیں نہیں جا سکتا۔ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا۔ وہ جذباتی ضرور ہے لیکن اس حد تک بیوقوف بھی نہیں۔''

وہ اسے فون پر تسلیاں دینے لگا۔ بہت کچھ کہا حوصلہ دلایا ہمت سے کام لینے کو کہا۔

لیکن

وہ جو فیصلہ کر چکی تھی۔ جانتی تھی کہ یہی اسد کی زندگی ہے۔

اس لئے جب عنصر چپ ہوا تو وہ بولی ''میں اس کے لئے یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔ ہم دونوں کوئی بندھن نہیں باندھیں گے۔ بات ختم سمجھو''۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا'' وہ چلایا 'بچوں کا کھیل ہی یہ سب میں ابھی آ رہا ہوں۔ تم اماں جی کی طرف ہونا۔ گھر پہنچو''

اس نے عصمی کا جواب جو نفی میں تھا سنے بغیر فون بند کر دیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد وہ عصمی کے گھر میں تھا۔ عصمی نے اپنا جو حال بنا رکھا تھا وہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ پھر اسی اس پر غصہ بھی آیا۔

''تم اتنی بزدل ہو۔ پتہ نہیں تم نے زندگی بھر سختیاں اور تلخیاں کیسے جھیلیں'' وہ تند لہجے میں بولا۔

عصمی سر جھکائے روتی رہی۔ اسد گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اسے چین کیسے آ سکتا تھا۔

''میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا عصمی۔ اسے سمجھاؤں گا اس کی دماغ سے غلط ملط باتیں نکالوں گا۔ تم وقت تو دو۔ رو رو کر ہلکان ہو جاؤ گی۔ کیا اس طرح وہ آ جائے گا اس کے ساتھ تو اب حکمت عملی سے کام لے کر چلنا ہو گا''۔

''جب تک یہ رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔ وہ کچھ نہیں مانے گا۔ میں جانتی ہوں تم مان لو عنصر۔ جب تک وجہ ہی ختم نہ ہو گی وہ کیونکر کوئی بات مانے گا۔ اوّل تو پتہ ہی نہیں وہ گیا کہاں ہے؟''

عنصر نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر مومنہ کو بلایا۔ جو بستر میں منہ

دیئے رو رہی تھی۔ وہ اس کے بلانے پر نہ آئی تو اس نے عصمہ سے پوچھا ''وہ سو گئی ہے؟''

عصمہ نے نفی میں سر ہلایا۔ تو وہ اٹھ کر اندر گیا۔

''مومنہ'' اس نے جھک کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ وہ روتے روتے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''نہ بچے عنصر اس کے قریب بیٹھ گیا اور ملائمت سے اسے رونے سے منع کیا۔

''انکل۔ میرا بھائی'' وہ روتے روتے بولی۔

''آ جائے گا۔ میں اسے لاؤں گا۔'' وہ اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر وہ روتی رہی پھر چپ ہوئی تو عنصر بولا۔ ''تم اسد کے کسی دوست کو جانتی ہو؟ یقیناً وہ کسی دوست کے ہاں ہی گیا ہوگا۔ جانتی ہو کسی کو۔''

''ہاں ایک تو ہمارے گھر والی اسی سڑک پر رہتا ہے۔ دوسرا ماڈل ٹاؤن میں ہے۔ ان دونوں کے گھر میں نے دیکھے ہوئے ہیں؟''

''ابھی میرے ساتھ چل سکتی ہو'' وہ بولا۔

''کہاں؟'' مومنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''انہیں دوستوں کے گھر سے پتہ کرتے ہیں اس کا''

''چلیں''

وہ بستر سے نکل کر کھڑی ہوگئی۔ عنصر اسے لے کر باہر آ گیا۔ عصمہ سے بولا ''مومنہ کو اس کے دو دوستوں کی گھر کا پتہ ہے ہم وہاں جا رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ انہی کے گھر گیا ہو؟

عصمی چپ رہی۔

عنصر مومنہ کو لے کر باہر نکل گیا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھے اور پہلے اسی دوست کے گھر گئے جو ان کے گھر والی سڑک پر رہتا تھا۔

وہ عرفان کے گھر میں نہیں تھا۔ نہ ہی عرفان کو اس کے متعلق کچھ پتہ تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ دو دن سے اسکول بھی نہیں آ رہا تھا۔

عنصر کو تشویش ہوئی۔ معاملہ سنجیدہ ہی تھا۔

پھر۔

وہ دونوں ماڈل ٹاؤن گئے۔ ایچ بلاک ڈھونڈنے میں انہیں قدرے وقت ہوئی۔ لیکن بالآخر وہ ارشد کی گھر پہنچ ہی گئے۔

وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

انہیں مایوسی ہوئی کیونکہ عرفان کی طرح ارشد بھی انہیں اسد کے متعلق کچھ نہ بتا سکا۔

''تم اچھے دوست ہو اسد کے۔ کچھ پتہ ہی نہیں اس کے متعلق'' عنصر نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

''وہ کئی دنوں سے کسی سے بات ہی نہیں کرتا تھا۔ ہم کیسے کچھ جان سکتے تھے انکل۔

''وہ بولا۔

''اس کا کوئی اور دوست؟'' عنصر نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔ اس کے کئی دوست ہوں گے۔''

''تمہیں ان کے متعلق کچھ پتہ ہے''

''نہیں۔ وہ دوسرے اسکولوں کے لڑکے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی گاڑیوں میں اسد کو بیٹھے دیکھتے تھے ہم۔'' عنصر کو یاد آیا کہ اس نے اپنے دو دوستوں کے نام اسے بتائے تھے۔ اس وقت نام اس کی ذہن میں نہیں آ رہے تھے۔ نہ ہی ان کے گھر کا اسے پتہ تھا۔

''شاید وہ ان میں سے کسی کے گھر میں ہو'' عنصر نے کہا۔

''شاید'' ارشد بولا۔

دونوں وہاں سے واپس آ گئے۔ راستے میں عنصر کو علی رضا کا خیال آیا۔ ان لوگوں کو عصمی سے ملنا ملانا تھا۔

عنصر مومنہ کو لے کر علی رضا کے گھر گیا۔ رات کے دس ساڑھے دس بجے وہ ان دونوں کو دیکھ کر حیران ہوا۔

عنصر نے بلا تمہید اسد کی بات اسے بتائی۔ جو دھمکی دے کر وہ گھر سے چلا گیا تھا۔ اس کے متعلق بھی مختصراً بتایا ''ہمارے یہاں تو نہیں آیا۔ بلکہ میں نے تو کافی دنوں سے اسے دیکھا ہی نہیں۔ بڑی تشویش کی بات ہے۔ سر پھرا سا تو ہے ہی کچھ کر ہی نہ بیٹھے۔'' رضا بولا۔

اس نے دونوں کو اندر بلایا۔ وہ بیٹھنے کے موڈ میں نہ تھے۔ لیکن رضا کی بیوی بھی آ گئی۔ معاملہ سنگین تھا۔ اس نے بھی فکر مندی سے کہا۔ ''بے چاری عصمہ''

وہ دونوں انہیں زبردستی اندر لے گئے۔ باتیں ہوئیں۔ عنصر نے نکاح کے متعلق بھی اسے بتایا اور آج فون پر اس کو ساری افتاد کے پیش نظر عصمی کے انکار کا بھی۔ سب متفکر نظر آنے لگے۔

رضا کی بیوی چائے بنانے کو اٹھی تو عنصر نے اٹھتے ہوئے کہا ''بھابی پھر کبھی سہی۔ ابھی ہمیں جانے دیں''

وہ باہر نکل آئے عنصر نے رضا کو بھی تاکید کی۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اسد کو تلاش کرنے میں ان کی مدد کرے ''ضرور'' رضا بولا ''میں کل اس کے اسکول جا کر پتہ کروں گا۔''

''وہ دو دن سے اسکول بھی نہیں گیا اس کے ایک کلاس فیلو نے بتایا ہے''۔ عنصر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ دسویں جماعت کے ہر لڑکے سے مل کر پتہ کروں گا۔ شاید کوئی اتہ پتہ بتا سکے'' رضا نے مومنہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

علیک سلیک اور خدا حافظ کے تبادلوں کے بعد دونوں واپس آ گئے۔

اس وقت ساڑھے گیارہ ہو چکے تھے۔

اسد گھر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی اس کا کچھ پتہ چلا تھا۔

بارہ بجے کے قریب عنصر عصمی کو تسلیاں دیتے ہوئے اٹھا' بالکل مت گھبراؤ۔ اسد مل جائے گا''۔ عصمی نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے کہا ''وہ مل جائے گا۔ لیکن ہم نہیں مل سکیں گے عنصر۔ اس لئے اب یہاں آنے کی زحمت نہ کرنا۔ تقدیر کو یہی منظور تھا۔ ''رشتہ ختم ہے تم جہاں چاہو شادی کر سکتے ہو''

''عصمی''

لیکن عصمی نے اس کی طرف دیکھا نہیں۔ خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی اور عنصر کے جانے کے لئے دروازہ کھول دیا۔

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اس نے عصمی کو خدا حافظ بھی نہیں کہا۔

اسے غصہ بھی تھا دکھ بھی اور پریشانی بھی۔ عصمی نے اتنی آسانی سے چند لفظ کہہ کر اسے مسترد کر دیا تھا۔ بندھن توڑ دیا تھا۔

عنصر رات بھر مضطرب و بے چین رہا۔ کتنی دیر تو اس کا ذہن قبول ہی نہ کر پایا تھا۔ کہ عصمی اسے یوں چھوڑ دے گی۔ لیکن جوں جوں اس نے معاملہ کی نوعیت کو سمجھا۔ اسے یقین آنے لگا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں۔ وہ اپنے بچے کے لئے جس طرح ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ وہ اس بچے کو خوش کرنے خوش رکھنے کے لئے یہ قدم اٹھا سکتی تھی۔

وہ بے حد مایوس ہوا۔

لیکن

نا امید نہیں ہوا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اسد کو ڈھونڈ نکالے گا۔ اور پھر پیار و محبت سے اسے راہ راست پر لے آئے گا۔ ماں کی شادی کے خیال سے جو وہ پیچ پا ہو رہا ہے۔ اس کے ذہن سے ساری افسوسناک باتیں نکال دے گا۔

دوسرا دن اس نے ہر جگہ اسد کو کھوجا۔ جہاں اس کے ملنے کا امکان تھا۔ لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ وہ علی رضا کے پاس بھی گیا کہ شاید اس نے الجھن کا کوئی

سراڈھونڈ نکالا ہو۔ لیکن وہاں بھی جواب نفی میں تھا۔

''میں اس کے اسکول بھی گیا تھا'' علی رضا نے کہا۔ ''لیکن آج سے دسویں جماعت کو امتحانی تیاری کی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔ میں اس کے دو تین ٹیچرز سے بھی ملا۔ نویں جماعت کے کچھ لڑکوں سے بھی رابطہ کیا لیکن اس کے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں۔''

عنصر نے سر جھکالیا۔ پھر بولا ''آخر وہ جا کہاں سکتا ہے''

''اس کا کچھ پتہ نہیں۔ بڑا ضدی اکھڑ اور سرپھرا لڑکا ہے۔ ماں کی شادی اس کے لئے بڑا طعنہ ہے۔ ایسے سرپھرے غیرت کو یوں اجاگر کرتے ہیں۔''

''شادی'' عنصر بڑی ڈوبی آواز میں بولا ''عصمی نے تو بیٹے کی خاطر شادی سے انکار کر دیا ہے''

''ہوں'' علی رضا نے سر ہلایا وہ رات بھی یہ بات عنصر سے سن چکا تھا ''وہ بے چاری اور کر بھی کیا سکتی ہے۔ اس کا فیصلہ ایک لحاظ سے درست ہی ہے۔ وہ یہ فیصلہ نہ کرتی تو شاید نتائج سنگین ہی ہوتے۔ لیکن''۔

''کیا''

''پہلے اس کا کچھ پتہ تو چلے۔ وہ اس فیصلے سے آگاہ تو ہو۔''

''ہوں''

عنصر چپ ہو گیا۔ علی رضا بھی چند لمحے چپ رہا پھر عنصر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''یار اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو گی۔ تم جذباتی نہ بنو۔ اپنی عمر کی متقاضی سوچ رکھو۔ ہو سکتا ہے شادی ہو جاتی۔ اور یہ لڑکا تمہارے لئے ساری عمر کی دردسری بنا رہتا۔؟''

عنصر نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو۔ یہ بات بھی ہو سکتی تھی۔

عنصر سارا دن آوارہ گردی کرتا رہا۔ لیکن اسد کا پتہ نہ پا سکا۔ شام گھر آیا تو خاصا پریشان تھا۔ دونوں بہنوں بلکہ شکیل اور راحیل نے بھی اس کی پریشانی کو محسوس کیا۔ لیکن کوئی اس سے پوچھ نہ سکا کہ کیا ہوا ہے۔

رات اس نے کھانا زہر مار کیا بچیوں سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔ پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ ہر روز دس بجے عصمی سے بات کیا کرتا تھا۔ آج بھی فون سامنے رکھے وہ بیٹھا تھا۔ لیکن حالات و واقعات نے ایک جھجک سی پیدا کر دی تھی۔ عصمی کا بے مہر رویہ فون کرنے میں حائل ہو رہا تھا۔

وہ بڑی دیر تذبذب میں رہا۔ لیکن زیادہ دیر یہ تکلیف وہ عمل برداشت نہ کر سکا۔ فون اٹھا لیا اور اماں جی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

فون اماں جی نے اٹھایا۔ عنصر نے انہیں سلام کیا اور بولا ''میں عنصر بول رہا ہوں۔ پلیز عصمی کو بلا دیجئے''

''وہ نہیں آئے گی بیٹے۔ اس نے تمہیں ساری صورت حال بتا کر اپنے فیصلے سے مطلع کر دیا ہے'' اماں جی آہستگی سے بولیں۔

''میں اس کا فیصلہ نہیں مانتا''

''ماننا پڑے گا۔ وہ اپنے جوان بچے سے شرمسار نہیں ہونا چاہتی۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو''۔

''اسد آیا ہے''

''نہیں۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ عصمہ کی پریشانی کا تم شاید اندازہ نہیں کر سکتے''

عنصر نے فون بند کر دیا۔

دو چار دن عنصر اپنے طور پر اسد کو ڈھونڈتا رہا۔ رات کو وہ اماں جی کو فون کر کے پتہ کر لیتا علی رضا سے بھی ملتا۔ لیکن اسے بھی اس کا کچھ پتہ نہ ملا تھا۔ عصمی نے بنک سے چھٹی لے لی تھی۔ اس لئے عنصر کا اس سے سامنا ہوا نہ وہ فون پر ملی۔ اس کا انکار یقینی تھا۔ لیکن عنصر کے دل کے گوشے میں کوئی امید تا حال زندہ تھی۔ اس لئے اس شام وہ اس کے گھر چلا گیا۔ لگتا تھا اس کی قدم بے اختیارانہ اس طرف اٹھ گئے ہیں۔

عصمی اسد کی تلاش میں ماری ماری پھرنے کے بعد تھوڑی ہی دیر پہلے گھر

پہنچی تھی وہ بے حال تھی ویران تھی۔ ماںتا کی ماری کی تڑپ دیدنی تھی۔

عنصر دروازے پر دستک دے کر اندر آ گیا۔ عصمی کی نظر اس پر پڑی تو چیخ اٹھی۔ ''تم کیوں آ گئے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ تمہارا میرا کوئی تعلق نہیں کوئی رشتہ کوئی واسطہ نہیں۔ تمہاری وجہ ہی سے میرا بیٹا مجھ سے بچھڑ گیا۔ تم جانے کہاں سے آ گئے۔ میرا گھر برباد کر دیا۔ چلے جاؤ۔ عنصر خدا کے لئے چلے جاؤ۔ مجھے بے موت نہ مارو۔ مجھے اپنے بچوں کے لئے زندگی جینے دو۔ چلے جاؤ۔ میرا بیٹا مجھے مل جائے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے''۔

وہ پاگلوں کی طرح چیخ گئی۔ کچن سے اماں نکل آئی۔ مومنہ ماں سے لپٹ گئی۔

عنصر بت بنا کھڑا اسے تکتا رہا۔

وہ چیخی گئی ''چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔ خدا کے لئے چلے جاؤ۔ چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو میرا پیچھا مت آنا کبھی''۔

تو

عنصر ایک دم مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس نے عصمی سے جواباً ایک بات بھی نہ کہی۔

اب حقیقتاً سارے بندھن ٹوٹے تھے۔ عصمہ دونوں ہاتھوں پر چہرہ گرا کر بے اختیارانہ رونے لگی۔

☆☆☆

عنصر رات کو گھر گیا۔ بچیوں کو ہیلو ہیلو کیا کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گیا۔ ذکیہ آپا اور صبیحہ اتنی دنوں سے اسے پریشان اور اکھڑا اکھڑا دیکھ رہی تھیں۔ نکاح میں چار پانچ دن رہ گئے تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں اس نے کوئی بات کی تھی نہ پروگرام بنایا تھا۔ بہنیں تھیں پریشان ہونا ہی تھا۔ اس دن تو ذکیہ آپا سے نہ رہا گیا۔ جب نوکر کھانے کے لئے بلانے گیا اور عنصر نہ آیا تو وہ خود ہی اس کے کمرے میں چلی گئیں۔

''کیا بات ہے عنصر۔ کافی پریشان لگ رہے ہو'' وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ''نکاح میں اتنے تھوڑے دن''۔

''اوہ آپا۔'' وہ دکھ سے رندھی آواز میں بولا'' کوئی نکاح نہیں''

''کیا؟'' ذکیہ آپا حیرت زدہ سی رہ گئیں۔

وہ بیڈ میں اٹھ بیٹھا۔ بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سلجھاتے ہوئے بولا۔ ''رشتہ کینسل ہو گیا ہے''

''لیکن کیوں؟'' ذکیہ آپا جیسے اس کی بات نہ سمجھیں۔

اسد کے متعلق عنصر نے چند جملوں میں ذکیہ آپا کو بتایا۔ پھر اسی وجہ سے عصمی کے انکار کی بات بھی کی ''بس مجھ سے اور کوئی سوال نہ کیجئے گا۔ آپا۔'' اس نے سر جھکائے بہن سے کہا۔ ''اسد کی وجہ سے عصمی نے انکار کر دیا ہے بس''

''تو شادی؟'' ذکیہ آپا قدرے توقف کے بعد بولیں۔

''مجھے کچھ پتہ نہیں۔ جو جی چاہے کر دیں۔ میں اگلے ہفتے واپس چلا جاؤں گا۔'' وہ اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا ذکیہ آپا سمجھ گئیں۔ کہ وہ مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اس لئے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

صبیحہ کو انہوں نے جا کر ساری بات بتا دی۔ ان کے من میں جیسے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ رازداری سے مسکراتے ہوئے صبیحہ کے کان میں کہا۔ ''شکر ہے میں نے مسز رحمان کو ابھی جواب نہیں دے دیا تھا۔''

آج جمعہ تھا۔ عصمہ کی چھٹی آج تک ہی تھی۔ کل اسے بنک جانا تھا۔ کو اس کی حالت بہت خراب تھی۔ رنگ رہا تھا نہ روپ۔ زرد پھولدار کپڑے بھی مسلے ہوئے تھے۔ بال تو شاید بنائے ہی نہیں تھے۔ آنکھیں متورم تھیں۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔ اسد کا صحیح طور پر ابھی تک پتہ نہیں چلا تھا۔ ہاں دو دن پہلے علی رضا اور اس کی بیوی اس کے یہاں آئے تھے۔

''ہم نے اسد کو دیکھا ہے بھابی'' مسز رضا نے اندر آتے ہی عصمہ سے بغلگیر ہو کر خوشی سے کہا تھا۔

''کہاں؟'' وہ کلیجہ تھام کر رہ گئی تھی۔

''ابھی ہم ماڈل ٹاؤن جا رہے تھے۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔ ''تو راستے میں لال مرگلہ نے ہمیں کراس کیا۔ اسد اس میں بیٹھا تھا اس کا ہمعصر لڑکا ہی گاڑی چلا رہا تھا۔''

عصمہ کے من کے اندر سکون کی لہر دوڑ گئی۔ جلدی سے بولی ''بھائی بیٹھیے نا۔ آپ بھی بیٹھیے بھابی میرے تو ہوش حواس ہی ٹھکانے نہیں رہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا کر رہی ہوں اور کیا کرنا ہے''

وہ دونوں بیٹھ گئے تو عصمہ نے پھر سے اسد ہی کے بارے میں پوچھا۔

تو

علی رضا بیوی سے بولنے سے پہلے ہی بولا۔ ''بھابی ہم اکمل کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں لال مرگلہ نے ہمیں کراس کیا۔ اس میں اسد تھا۔ دوسرا لڑکا بھی اسی کا ہم مر لگتا تھا۔''

''آپ کو یقین ہے وہ اسد ہی تھا؟''

''ہاں بھابی۔ یقین کیوں نہیں؟ کیا ہم اسد کو پہچانتے نہیں۔ ہم نے تو فٹافٹ گاڑی بھی موڑی اور ان کی گاڑی کا پیچھا بھی کیا۔ لیکن وہ کافی دور نکل گئے تھے۔ ظلم یہ ہوا کہ ایک اشارے پہ ہمیں رکنا پڑا۔ یوں دیر ہو گئی۔ لیکن آپ اب گھبرائیں نہیں۔ وہ اسی شہر میں ہے اور بالکل ٹھیک ہے''۔

عصمہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈا گہرا سانس لیا۔ اور بولی ''میری قسمت اچھی ہوتی تو آپ اسے جا لیتے۔''

''بھابی حوصلہ رکھیں۔ اب یہ تو پتہ چل گیا ہے نا کہ وہ اسی شہر میں ہے۔ کسی دن اسے پکڑ بھی لیں گے۔ آپ اپنے آپ کو سنبھالیں۔ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ پرسکون ہو جائیں۔ وہ غالباً ماڈل ٹاؤن ہی میں کسی دوست کے ہاں رہ رہا ہے۔''

''مجھے ہی تڑپانا ہے اس نے'' وہ دکھ سے بولی۔

تو

رضا نے کہا ''اس کی عادتوں کا آپ کو پتہ ہی ہے۔ پھر جو حالات و اتفاقات ہوئے اس نے یہ قدم اٹھا لیا۔ غیرت کا مسئلہ بنا لیا۔''

عصمہ نے سر جھکا لیا اور ہولے سے بولی۔ ''بھائی۔ میں نے تو جو کیا تھا اسی کی بہتری کے لئے کیا تھا۔ وہ ناراض ہے اس کی غیرت مجروح ہوتی ہے۔ تو میں نے یہ معاملہ ختم ہی کر دیا ہے۔ اب اس کو کیسے بتاؤں''

''فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا'' دونوں میاں بیوی نے اسے تسلی دی۔ عصمہ کی فکر تھوڑی سی تو دور ہوئی۔ کہ اس کا جگر گوشہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ اور اسی شہر میں تھا۔ لیکن تسلی کیسے ہوتی۔ جب تک وہ گھر نہیں آتا۔ اس کے وسوسے خدشے پریشانی اور بے چینی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔

رضا اور اس کی بیوی اسے تسلی تشفی دے کر تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔ لیکن وہ وہیں بیٹھی سوچوں کے تانے بانے بنتی رہی۔ اس کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔

آج جمعہ تھا۔

نکاح کی تقریب تھی رات کو۔ جو کینسل ہو چکی تھی۔

لیکن

اسد کو تو پتہ نہ تھا۔ آج کہیں وہ اپنی دھمکی کو حقیقت کا رنگ دے بیٹھا تو۔

''نہیں ایسا نہیں ہوگا'' وہ خود کو تسلی دیتی۔ ''کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ پتہ تو ضرور کرے گا کہ یہاں کچھ ہو رہا ہے۔''

لیکن

پھر اس کا دل بیٹھنے لگتا۔ ''وہ سر پھرا تو ہے ہی۔ اس نے غصہ پر وار کر دیا یا اپنے آپ کو کچھ کر لیا تو۔''

وہ

کچھ ہونے اور

نہ ہونے کے مابین معلق رہی۔

رات اسی طرح گزری۔

اور

صبح خیریت کی طلوع ہوئی۔

تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے جان لیا کہ تقریب کے ٹوٹنے کا اسد کو یقیناً علم ہو چکا ہے۔

آج اس نے بنک جانا تھا۔ اس لئے تیاری کرنے لگی۔ مومنہ کو تیار کر کے اسکول بھیجا۔ اماں کو کچن میں جا کر دوپہر کے کھانے کا بتایا۔

''میں نے آج بنک جانا ہے اماں۔ چھٹی ختم ہو گئی۔ ہو سکتا ہے کام زیادہ ہو اور مجھے رکنا پڑے۔ مومنہ آ جائے تو اسے کھانا کھلا دینا۔''

''اچھا'' اماں نے کہا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''بیٹی اپنا چہرہ مہرہ ٹھیک کرو۔ تم تو دنوں کی بیمار لگ رہی ہو۔''

''جب تک میرا بیٹا گھر نہیں آئے گا میں ایسی ہی رہوں گی۔ کہاں سے اتنا بڑا دل لاؤں۔ کہ ساری افتاد خوشی سے سہہ لوں''۔

''پھر بھی بیٹی۔''

اس نے گہرا سانس لیا اور کمرے میں آ گئی۔ یہی باتیں اسے اماں جی بھی سمجھاتی تھیں۔ جب سے علی رضا نے اسد کو دیکھا تھا۔ اماں جی بڑی پر امید

ہو گئی تھیں۔

وہ تیار ہونے لگی۔ نہا دھو کر سفید کپڑے پہنے بالوں میں برش کیا۔ شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا سراپا دیکھا۔ اماں سچ ہی کہہ رہی تھیں۔ کہ وہ دنوں کی بیمار لگ رہی ہے۔

اس نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی اور شیشے سے ہٹ کر بیگ اٹھا لیا۔ اس کا جو حال بھی تھا اسے نوکری پر تو جانا ہی تھا۔

وہ کمرے سے باہر آئی۔ تو اماں جی دروازے سے اندر آ رہی تھیں۔ اس نے انہیں سلام کیا اور ہاتھ تھام کر صوفے تک لے آئی۔ انہیں بٹھاتے ہوئے حال احوال پوچھا۔

''تم اپنی کہو بنک جا رہی ہو۔'' اماں جی اپنا سپید دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے بولیں۔

''جی چھٹی ختم ہو گئی۔''

''شکر ہی خیر سے ختم ہو گئی'' اماں جی بولیں۔ ''کل سارا دن اور ساری رات تو مجھے چین ہی نہیں آیا۔''

''آپ بھی۔''

''تو اور کیا دل ڈراتا ہی رہا۔ کہ اسد کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر دے۔ اسے تو یہی پتہ تھا نہ کہ جمعہ کو نکاح ہے''

''چلئے خیریت سے یہ دن گزر گیا۔ دعا کریں اماں جی آئندہ بھی خیر ہو۔ میرا بیٹا کہیں سے آ جائے''۔

''آئے گا لیکن آرام ہی سے، کسی کوٹھی کار والے دوست کے پاس ٹھہرا ہوا ہے''۔

اماں جی بولیں پھر گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولیں۔ ''ایسی ہی زندگی چاہتا ہے وہ۔ کم بخت نے پھڈا ڈال کر اپنی تقدیر پر لات مار دی۔ اس سے کہیں زیادہ اسے مل سکتا تھا۔''

''چھوڑیں اماں جی'' وہ بولی ''جو ہو چکا بس ہو چکا۔ میری دن رات یہی دعا ہے کہ اسد خیریت سے گھر آ جائے۔ ہم اپنی اسی دنیا میں جی لیں گے۔''

چند منٹ دونوں باتیں کرتی رہیں۔ پھر اماں جی اٹھیں۔ عصمہ بھی اماں کو دروازہ بند کر لینے کا کہہ کر باہر آ ئی۔

''مجھے تمہاری فکر تھی۔ اسی لئے صبح صبح دیکھنے چلی آئی۔ جاؤ بیٹی کام پر خدا حافظ''

''خدا حافظ'' عصمہ نے کہا اور سڑک کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ جہاں سے اس نے رکشہ لیا تھا۔ بنک میں اس کے کولیگز اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''آپ بیمار تھیں؟''

تقریباً ہر ایک نے یہی کہا۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''کچھ گھریلو پریشانی تھی''

''کیا ہوا'' عفت نے پوری ہمدردی سے پوچھا۔ ''تم تو پندرہ دنوں کی چھٹی میں تروتازہ ہونے کی بجائے اتنی مریل ہوگئی ہو''

''بات ہی ایسی ہے عفت۔'' اس نے نکاح کی بات بتائے بغیر کہا۔

''اسد گھر سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا ہے''

''ہائے اللہ'' عفت نے بے اختیارانہ کہا۔ اور پھر عصمہ سے ساری تفصیل سننے کا اصرار کیا۔ عصمہ نے اصل بات حذف کر کے اسے بتایا۔ کہ بس معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہو جاتا تھا۔ میں نے ذرا سختی کی ڈانٹا تو گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

''کچھ پتہ نہیں چلا۔''

''ہے لاہور ہی میں۔ لیکن پتہ نہیں کہاں۔'' اس نے علی رضا کی بات بتاتے ہوئے کہا۔

''بڑے افسوس کی بات ہے'' دوسری کولیگ اور سامنے والے کاؤنٹر پر بیٹھا احسان الحق بولا۔ کچھ دیر سب باتیں کرتے رہے۔

پھر

عصمہ کو تسلی دی کہ فکر نہ کرے۔ وہ گھر لوٹ آئے گا۔

چھٹی ہونے تک عصمہ نے بمشکل وقت گزارا۔ اور وہ جو آج پچھلا کام نپٹانے کے لئے دیر تک بیٹھنے کا ارادہ تھا۔ ملتوی کر دیا وہ سیٹ سے اٹھی اور منیجر کے کیبن میں جا کر معذرت کی منیجر کو بھی اس کے بیٹے کی گمشدگی کا پتہ چلا تھا۔ اس نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔

اور

اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

وہ شکریہ ادا کر کے بنک سے باہر آ گئی۔

اس کی حیرانگی سے زیادہ پریشانی کی حد نہ رہی۔ اندر ہی اندر ڈر سے کانپ گئی۔ جب اس نے بینکروں اور لوگوں کی پارک کی ہوئی گاڑیوں کے پاس عنصر کو کھڑے دیکھا۔

وہ خوبصورت تھا۔ اچھا لباس زیب تن تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر تروتازگی نام کو نہ تھی۔ احساس شکست خوردگی نمایاں تھا۔ آنکھوں میں ویرانی کی دھول تھی۔

وہ چند لمحے جہاں تھی۔ وہیں کھڑی رہی۔

عنصر نے ہی قدم اٹھایا۔ اور اس کی طرف بڑھا۔

عصمہ جلدی سے گاڑیوں کے آگے پیچھے ہوتی سڑک پر آ گئی۔ لیکن شومئی تقدیر ادھر ادھر کوئی رکشہ نظر نہ آیا۔

عنصر تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے آ گیا۔

''عصمی'' اس نے اسے رکنے کے لئے کہا۔

وہ جی کڑا کر کے رک گئی۔ ''کیا ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولی۔

''عصمی'' وہ بڑے کربناک لہجے میں بولا۔ ''تمہاری مجبوری اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فیصلے کو میں نے قبول کر لیا ہے۔ اس لئے مجھ سے کتراؤ

نہیں۔ میں تم سے صرف چند منٹ مانگتا ہوں"۔

وہ کچھ نہ سمجھی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی دھواں دھواں رنگت اور سرخ سرخ ڈوروں والی آنکھیں دیکھ کر وہ دل گرفتہ سی نظر آنے لگی۔

"آؤ" عنصر نے سڑک کی پرلی طرف کھڑی گاڑی کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا "زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ عصمی"

وہ سحر زدہ سی اس کے پیچھے گاڑی تک چلی آئی۔ عنصر نے دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھ گئی تو دوسری طرف آ کر وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

بنا کچھ بولے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے سڑک طے کرتے ہوئے بائیں ہاتھ جانے والی سڑک پر مڑ گیا۔

چند منٹ بعد اس نے گاڑی اس سنسان سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی اور سٹیرنگ پر بازو رکھے سامنے دیکھتا رہا۔

عصمہ چپ رہی۔ اس نے سپید ململ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ بھی چادر کی طرح سپید ہو رہا تھا۔

"عصمی" کچھ دیر بعد اسی طرح بیٹھے بیٹھے وہ بولا "میں کچھ کہوں گا۔ نہ پوچھوں گا۔ صرف ایک درخواست ہے۔ اگر مان لو تو"

عصمہ نے گردن ہلکے سے موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ خود آلودسی مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر بولا "مانو گی؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

عنصر نے جیب سے کوئی چیز نکالی۔ عصمہ نے دیکھا وہ وہی انگوٹھی والی ڈبی تھی جو دونوں نے خریدی تھی۔

عنصر نے ڈبی کھولی انگوٹھی نکال کر چند لمحے تکتا رہا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا "میں نے یہ انگوٹھی تمہارے لئے خریدی تھی۔ دنیا میں کسی عورت کی انگلی میرے لئے ایسی نہیں جس میں یہ انگوٹھی فٹ ہو سکے۔ پلیز۔ میری ایک چھوٹی سی رکویسٹ پوری کر دو۔ مجھے یہ انگوٹھی اس کے مقام تک پہنچانے کی اجازت

دے دو پھر۔ چاہے اسے اتار پھینکنا۔ لیکن پلیز''۔۔

اس کی آواز گھٹ گئی۔ اس کی آنکھوں کے کوشوں میں نمی پھیل گئی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت عصمی کی بھی تھی۔ شاید اسی لیئے اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

عنصر پر جیسے شادی مرگ طاری ہوگئی۔

اس نے عصمہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی۔

اس نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ انگوٹھی پر لب رکھ دیئے اور عصمی کی الٹی ہتھیلی پر اپنی آنکھیں لگا دیں۔ نمی آنکھوں سے نکل کر ہتھیلی کی الٹی سائیڈ پر منتقل ہوگئی۔

''شکریہ'' لمحوں بعد عنصر نے سر اٹھایا۔ تو عصمی کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔ عصمی نے چند لمحے انگوٹھی انگلی ہی میں رہنے دی۔ عنصر کچھ نہیں بولا۔ بس اسے تکتا رہا چند بوجھل لمحے بیت گئے۔

پھر

عنصر بولا ''یہ انگوٹھی تمہاری تھی۔ شکر ہے تم نے قبول کر لی'

''نہیں عنصر'' عصمی نے انگوٹھی اتار کر سامنے بورڈ پر رکھ دی۔

''عصمی'' وہ دکھ سے کراہا۔ اس کی آنکھوں کے ڈورے اور سرخ ہو گئے۔ شدت کرب سے جیسے آنکھیں پھٹ جانے کو تھیں۔

''بس'' وہ بولی میں نے تمہاری بات مان تمہیں مایوس نہیں کیا۔ اب یہ انگوٹھی میرے پاس نہیں رہے گی۔ یہ رشتوں کے بندھن کا سمبل ہے، رشتے ٹوٹ جائیں تو سمبل لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ چلو اب مجھے کسی ایسی جگہ اتار دو جہاں سے رکشہ لے لوں۔''

عنصر کچھ نہیں بولا۔ چند لمحے گاڑی اسٹارٹ نہیں کی۔ ساکت سا بیٹھا رہا۔

''چلو نا'' عصمی نے دوبارہ کہا۔

تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور بہت جلد اسے ایسی جگہ لے آیا جہاں

رکشے کھڑے تھے۔ اس نے اسے گھر تک چھوڑنے کی آفر کرنے کی ہمت نہیں کی۔

عصمہ، گاڑی سے اتری۔ عنصر بھی ادھر ہی آ گیا تھا۔

''ہم آج دوسری بار بچھڑ رہے ہیں۔'' عنصر نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز افسردہ اور بوجھل تھی۔''

''اور ہمیشہ کے لئے'' عصمی نے کہا اور رکشے کی طرف بڑھ گئی۔

''خدا حافظ'' عنصر نے ہولے سے ہاتھ ہلایا۔

جواباً
عصمی نے بھی خدا حافظ کہا۔ سارا رستہ وہ روتی رہی۔ اور اپنی ہتھیلی سے آنسو پونچھتی رہی شاید لاشعوری طور پر وہ اپنے آنسو عنصر کی آنکھوں کی نمی میں جذب کر رہی تھی۔

☆☆☆

دکھوں کا بوجھ اپنے دل و دماغ پر لادے عصمی زندگی سے نبھاہ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ خدا کی قدرت ہے کہ کمزور سا انسانی وجود چھوٹا سا دل اور دماغ اتنی بھاری بھاری اذیتوں اور دکھوں کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے پھر بھی صحیح و سالم رہتا ہے۔ عصمہ بھی دکھ اور اذیتیں سمیٹے دن گزار رہی تھی۔ تین چار دن گزر گئے۔ نہ اسد کی تشویش دور ہوئی نہ ہی عصمہ کے غم کا بوجھ ہلکا ہوا۔

اس دن وہ بنک سے گھر لوٹی تو آتے ہی صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ مومنہ اسکول سے آ گئی تھی۔ وہ کمرے سے نکل آئی ماں کو سلام کیا اور پھر پیار کرتے ہوئے گلوگیر آواز میں بولی "اسد کا کچھ پتہ چلا۔"

"نہیں"

"امی وہ کب آئے گا"۔ مومنہ رونے لگی۔

عصمہ کیا جواب دیتی۔ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "تم نے کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ اٹھو بیٹے اماں سے کہو کھانا لگا دے۔ چلو شاباش آنکھیں پونچھ لو۔"

مومنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچن کی طرف جانے کو تھی۔ کہ بیل ہوئی۔

"کون؟" وہ دروازے کی طرف پلٹی۔

"عمران۔ میں اسد کا دوست ہوں"۔ جواب ملا۔ تو مومنہ نے دروازہ کھول دیا۔ عصمہ بھی اسد کا نام سن کر بے اختیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"آیئے" اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر ماں کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اسد کے دوست آئے ہیں"۔ عمران اندر آ گیا۔ مومنہ نے اسے سلام کیا۔ جواب دیتے ہوئے اس نے کمرے میں نگاہ ڈالی۔ عصمہ کو صوفے کے قریب کھڑے دیکھ کر ادھر ہی آ گیا۔ عصمی کو سلام کیا۔

جواب دیتے ہوئے عصمی نے اسے دیکھا اور بولی۔ "تم اسد کے دوست ہو۔"

''جی''

''بیٹھو''۔

وہ بیٹھ گیا۔ عصمہ نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اسد ہی کا ہم عمر لگتا تھا۔ لباس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی امیر گھرانے کا لڑکا ہے۔

عصمہ کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی عمران بولا ''آنٹی آپ اسد کی امی ہیں نا۔''

''ہاں۔ کچھ پتہ چلا اس کا۔ کوئی خبر لائے ہو اس کی''۔ عصمہ نے بے تابی سے پوچھا تو وہ سکون سے بولا ''آنٹی وہ ہمارے گھر ہے۔ بالکل ٹھیک ہے آپ گھبرائیں نہیں۔''

''اتنے دنوں سے تمہارے گھر ہے اور تم آج یہ خبر دینے آئے ہو۔ عصمہ نے قدرے تند لہجے میں کہا ''اتنا بھی نہ سوچا کہ اس کی گم شدگی ہمارے لئے کتنی اندوہناک پریشانی کا باعث تھی۔''

عمران جلدی سے بولا۔ ''آنٹی اس نے قسم دے رکھی تھی۔ کہ آپ کو خبر نہ دی جائے۔ یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر امی کو بتایا تو میں یہ گھر بھی چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔''

عصمہ نے سر ہاتھوں پر گرا دیا۔ مومنہ اس کے پہلو سے لگ کر حیران حیران سی بیٹھی تھی۔

''آنٹی'' عمران بولا ''آج میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اسد کی ذہنی حالت اب نارمل ہے۔ وہ اپنے کئے پر پشیمان بھی ہے۔ آپ کے دکھ کا بھی اسے احساس ہو گیا''

''ہونہہ'' عصمہ نے سر اٹھایا۔ ''ایسی بات ہے تو وہ تمہارے ساتھ آ کیوں نہیں گیا''

''ابھی کچھ دن اسے وہیں رہنے دیں۔'' عمران نے کہا۔ ''ابھی وہ کسی کسی وقت ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ میرے امی ابو اسے مسلسل سمجھا رہے ہیں۔ انہوں

نے اس کی ساری کہانی جو اس نے رو رو کر سنائی تھی ہمدردی سے سنی تھی۔ انہوں نے اسے بڑے پیار سے اعتماد میں لیا۔ میرے ابو سائیکٹرسٹ ہیں۔ انہوں نے نفسیاتی کیس سمجھ کر اس کا علاج کیا۔ وہ اب بہت بہتر ہے۔ اچھائی برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ اسی لئے اپنے رویے پر بہت نادم ہے۔ کاش کر آپ سے اور انکل عنصر سے بہت شرمندہ ہے۔''

عصمہ نے پھیلی پھیلی آنکھوں سے اسے دیکھا اور بولی ''وہ قصہ اب ختم ہو چکا۔ اسے بتا دینا اب گھر آ جائے میرے لئے یہی کافی ہے۔''

عمران کافی دیر تک عصمہ کو اپنے ماں باپ کی کوششوں کا بتاتا رہا۔ پھر بولا ''آنٹی اتفاق ہی ہے کہ میری امی کی بھی یہ دوسری شادی ہے۔ میں بہت کم عمر تھا جب میری امی کی طلاق ہو گئی تھی۔ لیکن میرے یہ ابو اتنے خلیق اور اتنی مہربان ہیں کہ کبھی مجھے احساس ہی نہیں ہوا۔ امی نے اپنی مثال دے کر بھی اسے بہت سمجھایا ہے۔ اب وہ سب کچھ ذہنی طور پر قبول کر رہا ہے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔''

''عمران بچے'' عصمہ اس کی لمبی چوڑی باتیں سننے کے بعد دکھی لہجے میں بولی۔ ''اب اس کے لئے ایسا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ اسے کہو اب گھر آ جائے۔ اس سے کہنا تمہاری ماں تمہارے لئے تڑپ رہی ہے۔ تمہاری بہن نے رو رو کر برا حال کر لیا ہے۔ میں نے اس کی خوشی کو مدنظر رکھ کر نکاح کینسل کر دیا تھا۔''

''ہاں'' وہ سر جھکائے بولا ''اسے یہ بات پتہ چل گئی تھی۔ کہ جمعہ کو تقریب نہیں ہوئی۔''

''بس اب اسے کیا پرابلم ہے'' عصمہ بولی ''چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ خود لینے جاتی ہوں۔ اگر مجھ سے غلطی ہوئی تھی تو اس سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ حالانکہ سب کچھ میں نے اسی کی بہتری کا سوچ کر ہی کیا تھا۔''

''آنٹی آپ کیوں معافی مانگیں گی۔ معافی مانگنے کے لئے تو وہ بے چین

کو پھر آ جائے نا۔"

''اب تو آپ کو تسلی ہو گئی ہے آنٹی۔ کہ وہ بخیر ہے بالکل بدل گیا ہے۔ آپ اسے دیکھیں گی تو یقین نہیں آئے گا۔ کہ یہ وہی اسد ہے۔ بس ایک ہفتہ اور ٹھہر جائے۔ ابو اسے خود بھجوا دیں گے۔ یہ جو کسی وقت ڈسٹرب ہو جاتا ہے وہ بھی ٹھیک ہو لے۔"

عمران عصمہ کو اسد کے متعلق تفصیل سے بتاتا رہا۔ تسلی بھی دی اور یہ بھی کہا کہ ایک ہفتے بعد ہو سکتا ہے ہم سب اسے یہاں لے کر آئیں۔ اگر اس نے اکیلے آنا چاہا تو دوسری بات ہے"۔

عصمہ چپ ہو گئی۔ ایک بہت بڑا بوجھ اس کی سر سے اتر گیا تھا۔ اس کا بچہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ یہ خبر سرور کن تھی۔

''امی ابو اس کے سلسلے میں آپ سے بھی ملیں گے" عمران نے کہا۔

''ضرور۔ عصمہ بولی" میں ان کی شکر گزار ہوں"

وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔

پھر

عمران نے اجازت چاہی۔ لیکن عصمہ نے اسے کھانے کے لئے زبردستی روک لیا۔ اسد کی امی عمران کو بہت اچھی لگی۔

عمران چلا گیا۔ تو عصمہ نے فرط جذبات سے بے قابو ہو کر مومنہ کو گلے لگا لیا۔ ''تمہارا بھائی ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ آ جائے گا۔ میرا بچہ۔ میرا اسد" دونوں خوشی کے آنسو بہا رہی تھیں۔

یہ خبر عصمہ نے اماں جی کو بھی جا کر سنائی۔ انہوں نے عصمہ کی پیشانی چومی اور مبارکباد دی۔ اسے اپنے پاس بٹھایا مومنہ کو پیار کیا۔ سب بہت خوش تھے۔ عصمہ کو عمران نے جو کچھ بتایا تھا۔ اماں جی کو بتانے لگی۔

اماں جی چند لمحے تو سنتی رہیں پھر پھنکارنے کے انداز میں بولیں۔ ''اب کیا فائدہ۔ عنصر کو تو تم نے رد کر دیا"

''اماں جی میرا بیٹا مجھے مل گیا۔ اور اگر سدھر بھی گیا ہے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوگی۔''

''اچھا بھئی خوش رہو''

دوسرے دن عصمہ نے بنک کولیگز کو بھی اسد کے ملنے کی خوشخبری سنائی۔ سب نے اسے مبارک باد دی۔

اور

پھر

پانچ چھ دن ہی گزرے تھے کہ اسد اچانک ہی گھر آ گیا۔

عصمہ اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی کوئی حساب چیک کر رہی تھی کہ اچانک وہ کمرے میں آیا۔ اور ماں کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

ایک لمحہ کو تو عصمہ سمجھی ہی نہیں کہ کیا ہوا ہے۔

لیکن

دوسرے لمحے ممتا تڑپی۔ اس نے اسد کو دیکھا اور چیخ ماری ''اسد۔ تم۔''

اسد نے ماں کے پاؤں پکڑ لئے اور زار و قطار روتے ہوئے بولا ''امی۔ مجھے معاف کر دیں۔ مجھے معاف کر دیں امی''

وہ گھگھیائے ہوئے لہجے میں معافی مانگ رہا تھا۔ آنسوؤں سے ماں کے پاؤں دھو رہا تھا۔ عصمہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا کر دبوچ لیا۔ وہ اسے پیار کرتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔

کئی لمحے اسی جذباتی کیفیت کی نظر ہو گئے۔ دروازے میں کھڑی اماں اور اس کے ساتھ لگی کھڑی مومنہ بھی آنسو بہا رہی تھیں۔

اسد معافیاں مانگے جا رہا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھانے کا یقین ماں کو دلاتے ہوئے اس کے گال چوم رہا تھا۔

رو دھو کر جب خوشیوں کو خراج تحسین پیش کیا جا چکا تو عصمہ نے ہی اپنے

آپ کو سنبھالا۔ اسد کو اپنے قریب بیڈ پر بٹھا کر مسکراتے ہوئے بولی ''جی چاہتا ہے۔ گھر سے بھاگنے کی سزا تمہیں ایسی کڑی دوں کہ بس۔ مار مار کر ادھ موا کر دوں''۔

اسد نے سر ماں کے کندھے پر رکھ کر کہا ''آپ کو حق ہے امی۔ میں حاضر ہوں''

عصمہ نے اس کے گلے میں بازو ڈال کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اب مومنہ بھی ادھر آ گئی۔ اور بھائی سے لپٹ گئی۔

''مومنہ میں بہت برا ہوں نا۔ تمہیں اور امی کو اتنا پریشان کیا۔ لیکن اب ایسا کبھی نہیں ہوگا'' وہ اسے پیار کرنے لگا۔ اس نے اماں کو بھی سلام کیا۔

اور اماں جی کا حال احوال بھی پوچھا۔

کچھ دیر تینوں باتیں کرتے رہے۔ پھر عصمہ نے مومنہ سے کہا۔ ''بھائی کے کھانے پینے کا تو کوئی بندوبست کرو''

''چائے بنواؤں''

''بنوالو''

مومنہ اٹھ کر چلی گئی۔ تو اسد پھر ماں سے لپٹ گئی۔

عصمہ مسکرا کر اسے پرے کرتے ہوئے بولی۔ ''بس اب خوشامد نہ کرو بس اب ٹھیک سے رہنا''۔

''امی'' وہ بھی مسکرایا ''آپ نہیں جانتیں میں آپ لوگوں سے کتنا شرمندہ ہوں''

''بس بس کافی ہے'' عصمہ نے اس کے گال پر ہولے سے چپت لگائی۔

''نہیں امی۔ کافی نہیں'' وہ شرمندہ شرمندہ سا بولا۔

''تو پھر'' عصمہ نے ہنس کر کہا۔

''ابھی مجھے انکل عنصر سے بھی معافی مانگنا ہے'' وہ ایک دم سے بولا۔ تو عصمہ کے چہرے کی رنگت کچھ ماند پڑ گئی۔ آہستگی سے بولی ''کوئی ضرورت

نہیں۔ وہ معاملہ ہی میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب ہم تینوں اپنی زندگی آپ گزاریں گے۔"

"نہیں امی" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میں انکل سے معافی مانگ لوں گا۔ سب ٹھیک کر لوں گا۔"

"پاگل" عصمہ نے کہا۔

"جو جی چاہے کہہ لیں۔ لیکن میں ان کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گا۔ وہ سب کچھ ہو گا جو ہوتے ہوتے رہ گیا۔"

اسد

"مجھے کچھ مت کہیں۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ وہ اتنے اچھے ہیں مجھے ضرور معاف کر دیں گے؟ ہم سب اکٹھے رہیں گے۔ امریکہ جائیں گے میں ان کا بیٹا بن کر دنیا کو دکھاؤں گا۔"

"اب کچھ نہیں ہو گا" عصمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ قابل معافی نہیں۔"

"آپ درمیان میں نہ آئیں" اسد نے کہا۔ "میں ان سے ضرور معافی مانگوں گا"

اور

رات کھانا کھانے کے بعد وہ اماں جی کے ہاں انکل عنصر کو فون کرنے کو اٹھا۔ عصمہ نے منع بھی کیا لیکن وہ مانا نہیں۔

عصمہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔ مبادا اسد فون پر کوئی نامناسب بات ہی نہ کر ڈالے۔ ان سے صاف صاف ہی نہ کہہ دے کہ میری امی سے شادی کر لیں انکل۔

اماں جی گھر پہ نہیں تھیں۔ شام وہ اسد سے مل چکی تھیں۔ بہت پیار کیا تھا۔ اور گھر لوٹ آنے پر مبارکباد دی تھی ماں کا فرمانبردار بیٹا بن کر رہنے کی تلقین بھی کی تھی۔ آج رات وہ اپنی دوست کے ہاں کھانے پر گئی ہوئی تھیں۔

فون پر انکل سے معافی مانگنے کے لئے اسد کو اماں جی کا حاضر نہ ہونا اچھا ہی لگا۔

عصمہ نے نمبر ڈائل کرنے سے پہلے ایک بار پھر اسے منع کیا۔

لیکن

اس نے نمبر ڈائل کر دیا۔

عصمہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

نمبر مل گیا۔

اسد نے فون کان سے لگایا اور ماں کے پاس بیٹھ گیا۔ دوسری طرف سے ہیلو کی آواز آئی تو اس نے کہا ''عنصر انکل سے بات کرنی ہے۔ انہیں پلیز بلا دیں''

''عنصر تو کل رات واپس چلے گئے''۔ دوسری طرف سے ذکیہ آپا کی آواز آئی۔

''کہاں؟'' اسد نے جلدی سے کہا۔

''امریکہ'' جواب ملا۔

''امریکہ چلے گئے؟'' اسد نے بے یقینی سے کہا۔ عصمہ کا دل جیسے ایک لمحے کے لئے تھم گیا۔

''ہاں'' جواب دیا گیا۔

''شادی'' وہ ایک لفظ کہہ کر بدحواس سا ہو کر رک گیا۔

''تین دن ہوئے نکاح ہو گیا تھا'' ذکیہ نے کہا پھر انہیں کچھ شک سا گزرا۔ کہ بولنے والا عصمہ کا بیٹا تو نہیں۔ اس لئے جلدی سے بولی ''تم کون بول رہے ہو؟''

لیکن

جواب کہاں سے ملتا۔ ریسور تو اسد کے ہاتھ سے چھوٹ کر جھول رہا تھا۔

☆☆☆☆

اسد نے سر ماں کے کندھے پر رکھ کر کہا "آپ کو حق ہے امی۔ میں حاضر ہوں"

عصمہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اب مومنہ بھی ادھر آگئی۔ اور بھائی سے لپٹ گئی۔

"مومنہ میں بہت برا ہوں نا۔ تمہیں اور امی کو اتنا پریشان کیا۔ لیکن اب ایسا کبھی نہیں ہوگا" وہ اسے پیار کرنے لگا۔ اس نے اماں کو بھی سلام کیا۔

اور اماں جی کا حال احوال بھی پوچھا۔

کچھ دیر تینوں باتیں کرتے رہے۔ پھر عصمہ نے مومنہ سے کہا "بھائی کے کھانے پینے کا تو کوئی بندوبست کرو"

"چائے بنواؤں"

"بنوا لو"

مومنہ اٹھ کر چلی گئی۔ تو اسد پھر ماں سے لپٹ گیا۔

عصمہ مسکرا کر اسے پرے کرتے ہوئے بولی "بس اب خوشامد نہ کرو بس اب ٹھیک ٹھیک سے رہنا۔"

"امی" وہ بھی مسکرایا "آپ نہیں جانتیں میں آپ لوگوں سے کتنا شرمندہ ہوں۔"

"بس بس کافی ہے" عصمہ نے اس کے گال پر ہولے سے چپت لگائی۔

"نہیں امی۔ کافی نہیں" وہ شرمندہ سا بولا۔

"تو پھر" عصمہ نے ہنس کر کہا۔

"ابھی مجھے انکل منصور سے بھی معافی مانگنا ہے" وہ ایک دم سے بولا۔ تو عصمہ کے چہرے کی رنگت کچھ ماند پڑ گئی۔ آہستگی سے بولی "کوئی ضرورت نہیں۔ وہ معاملہ ہی میں نے ختم کر دیا ہے۔ اب ہم تینوں اپنی زندگی آپ گزاریں گے"

"نہیں امی" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "میں انکل سے معافی مانگ لوں گا۔ سب ٹھیک کر لوں گا"

"پاگل" عصمہ نے کہا۔